جلد اول

از

خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نوراللہ مرقدہ

مرتبہ

حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

ادارہ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان فون: 540513

نام کتاب .... خطبات احتشام (جلد اول)

باہتمام .... محمد اسحاق ملتانی عفی عنہ

تاریخ اشاعت .... ذی الحجہ [illegible]

طابع .... سلامت اقبال پریس ملتان

☆ ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان
☆ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور
☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ
☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
☆ یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
☆ دارالاشاعت اردو بازار کراچی
☆ صدیقی ٹرسٹ لسبیلہ چوک کراچی نمبر ۵

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کیلئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اس کی اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔

تاہم چونکہ یہ سب کام انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی کسی غلطی کے رہ جانے کا امکان موجود ہے۔

لہٰذا قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر دی جائے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہوگا۔

(ادارہ)

عرضِ ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطباتِ احتشام (جلد اول) آپ کے ہاتھوں میں ہے خطیبِ پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں، آج خطبات کا دور دورہ ہے۔ عام مقررین کے خطبات بھی پسندیدہ نظروں سے دیکھے جا رہے ہیں۔ اور مولانا کے خطبات کا تو کیا کہنا ہے۔

مکرم جناب محترم حافظ محمد اکبر شاہ بخاری صاحب مدظلہ العالی کے ممنون ہیں کہ انہوں نے یہ کام کرنے کی طباعت کے لئے عنایت فرمایا۔ اللہ پاک مزید بھی آگے بڑھنے کی توفیق دے۔

(نوٹ) ۔ کتاب ہذا کے ایڈیشن اول کی تصحیح مولانا اسلم تھانوی صاحب نے بڑی محنت سے کی ہے۔ جزاک اللہ خیرا

(آمین ثم آمین!)

محمد اسحاق ملتانی

فہرست خطبات احتشام

پیش لفظ

از ڈاکٹر قاری فیوض الرحمان صاحب

خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الامت مجدد الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ کے عزیز بھانجے دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل اور پاکستان کے سرکردہ علماء میں سے تھے۔ وہ پاکستان کے چوٹی کے مقرر اور مایہ ناز خطیب تھے۔ ان کی علمی تقریروں اور خطبات سے ہزاروں کی کایا پلٹ ہوئی۔ اور وہ سچے مسلمان بن گئے۔ مولانا کی تقاریر بیرونی ممالک کے علاوہ پاکستان کے طول و عرض میں بکثرت ہوا کرتی تھیں۔ ریڈیو پاکستان سے ان کا درس اور خطبات نشر ہوتے تھے۔ اور ان کی باتیں قبول کرتی تھیں۔ ان کی تقریریں بڑی موثر ہوتی تھیں۔ زبان ان کی اپنی تھی۔ صاف اور شستہ زبان میں بولتے تھے۔ آواز بھی بڑی سریلی تھی۔ تقریر کے دوران موقع و محل کی مناسبت سے جب کوئی آیت کریمہ یا عربی فارسی اور اردو کا کوئی شعر لے میں پڑھتے تھے۔ تو لوگ عش عش کر اٹھتے تھے۔ اور وجد میں آجاتے تھے۔ ان کی تقریر سن کر لوگ دور دور سے کھنچے چلے آتے تھے۔ ریڈیو پر ان کا درس قرآن حکیم اور تقاریر بکثرت ہوتی تھیں۔ اور انہیں عام مسلمان شوق سے سنتے تھے۔ اس لئے جہاں کہیں مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کا اعلان ہوا ہزاروں کا مجمع جمع ہو گیا۔ اور حد نظر تک سامعین دکھائی دیتے تھے۔ ان کی تقاریر میں علمی نکات ہوتے۔ تقریر مربوط ہوتی۔ جس موضوع پر بولتے اس کا حق ادا کر دیتے۔ ان کی تقاریر میں عربی فارسی اور اردو کے اشعار بکثرت ہوتے۔ اور جس جگہ وہ شعر کو فٹ کرتے تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ شاعر نے اسی موقع و محل کو ملحوظ خاطر رکھ کر کہا۔ ان کی تقریر میں بڑی چاشنی تھی۔ ان کے خطبات اور تقاریر حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات و مواعظ سے مستفاد ہوتیں۔ مگر

زبان اور انداز مولانا کا اپنا ہوتا تھا۔

مولانا کی تقاریر بہت سنیں بعد میں ان کا قرب بھی حاصل ہوا۔ ۱۹۶۵ء میں نوشہرہ ضلع پشاور کے جلسہ سیرت میں ان کا خطاب تھا۔ کھلے میدان میں جلسے کا انتظام کیا گیا تھا۔ اور ہزاروں کا مجمع تھا۔ تلاوت کلام پاک کی سعادت راقم الحروف کے حصہ میں آئی۔ مولانا سے قریب بیٹھنے اور قریب سے سننے کا موقع بھی ملا۔ سال ۱۹۶۵ء کا تھا۔ سیرت کے موضوع کے ساتھ جہاد پر بھی بات ہوتی جا رہی تھی مجاہد کی شان بیان کرتے ہوئے قرآن و حدیث کے بعد شاعر اسلام ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کے یہ دو شعر ان الفاظ سے پیش کئے کہ علامہ اقبال نے کیا خوب چٹکی لی ہے۔

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

پھر یہ دو شعر بھی پڑھے

ترقی کی نئی راہیں جو زیر آسماں نکلیں
میاں مسجد سے نکلے اور حرم سے بیبیاں نکلیں
ہم ایسی سب کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں
جنہیں پڑھ کر کے بیٹے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور کی جامع مسجد میں ۷۰-۱۹۶۹ء میں ایک تقریر فرمائی جس نے مجھے بہت متاثر کیا۔ اس میں اسلام کی برتری اور سوشلزم کا رد تھا۔ عوام و خواص سب حد متاثر تھے۔ مولانا خوب بولے۔ یہ تقریر بھی بڑی عجیب تقریر تھی۔ مولانا نے یہ آیت تلاوت کی۔ یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝

اے انسان تجھے اپنے کریم رب کے بارے میں کس چیز نے دھوکے میں ڈال

رکھا ہے۔ فرمایا کہ انسان کو انسان کہہ کر پکارنا ہی اسے شرمندہ کرتا ہے۔ جیسے کمزور آدمی کو گاماں کہنا یا کسی بخیل کو حاتم کہنا' آگے عربی زبان کا یہ شعر پڑھا۔ جس کا مفہوم ہے کہ "انسان کو اس کے انس کی وجہ سے انسان کہتے ہیں اور دل کو دل اس لئے کہتے ہیں کہ یہ بدلتا رہتا ہے۔"

آگے فرمایا کہ "وہ رب کریم جس نے کرم کرنے میں کبھی بخل نہیں کیا' شکم مادر سے لے کر موت تک کوئی لمحہ اس کے احسان سے خالی نہیں رہا۔ اگر کوئی اور مخلوق کو بھلا دے تو کوئی بات نہ تھی۔ انسان کیسے بھلا سکتا اور ناقدری کر سکتا ہے۔ کریم کا لفظ اللہ کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ اور نبیؐ کے لئے بھی اور انسان کے لئے بھی' یہ اللہ کا کرم ہے' ایک کریم کا بندہ بنایہ اور دوسرے کا امتی' یہاں انہوں نے ایک فارسی کا یا رب تو کریمی و رسول تو کریم اور ایک عربی کا شعر پڑھا تھا۔

فرمایا کہ روشن خیال کہتے ہیں کہ بچے کم پیدا کرو' حالانکہ "خلق" اللہ کی صفت ہے
الا لہ الخلق والامر

سارے زندگی محنت بھی کرتے ہیں۔ چڑیا کا بچہ بھی پیدا نہیں ہوتا۔ "خلق" انسان کے بس کی بات نہیں۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ۝

کہ ہم نے انسان کو بہترین انداز میں پیدا کیا ہے۔

انسان سب مخلوقات میں سب سے زیادہ حسین ہے۔ چاند میں چمک ہوتی تو ہے مگر بادام جیسی آنکھیں کہاں' انسان چاند سے بھی زیادہ حسین ہے۔

ایک وقت جبکہ کرزن وائسرائے تھا۔ اس کا فیشن ...... کرزن فیشن کے طور پر اپنا لیا گیا تھا۔ مونچھ کی کمی سے امتیاز ہوتا تھا۔ ایک شخص حجام کے پاس گیا۔ حجام ایسا ظالم تھا کہ ایسی حجامت بنا دی اور کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اس شخص نے اختصار سے بتایا کہ

کچھ تو فیشن کا تصدق کچھ کرم تجام کا
رفتہ رفتہ میری صورت ان کی صورت ہو گئی

آج ماں باپ کو اگر بچہ رات کی تاریکی میں دیکھے تو امتیاز نہیں کر سکتا کہ
لڑکا ہے یا لڑکی۔ مخنثانہ تشبہ سے اللہ کی لعنت ہے۔ اگر مرد اور عورت کا فرق
نکالی اور امتیاز مٹا دیا جائے تو دونوں جنسوں میں فرق نہیں رہتا۔

اسلام میں سب سے زیادہ اہم عبادت نماز ہے۔ نماز کی روح ہے سجدہ، اور
سجدہ کیا ہے کہ سر کو جھکاتے جھکاتے اتنا جھکایا جائے کہ آگے جگہ ہی نہ رہے۔ سجدہ
اسے کہتے ہیں کہ پہلے تم سر کو اتنا اونچا کرو کہ اور اونچا نہ کر سکو۔ اور پھر اتنا نیچا کر
کہ اور نیچا نہ کر سکو۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب بندہ سجدہ کرتا ہے تو اس کا سر اللہ
کے قدموں میں ہوتا ہے۔ طلوع آفتاب، زوال اور غروب آفتاب کے وقت اگر
کوئی سر جھکاوے تو حرام ہے۔ اس لئے کہ ان اوقات میں مشرکوں کی ایک قوم بھی
ہے جو عبادت کرتی ہے۔ اس وقت سجدے کی اجازت نہیں دی۔ امتیاز رکھنے کے
لئے سجدے کو حرام قرار دیا۔ طاعتوں میں امتیاز پیدا کیا ہے۔ دین و مذہب میں بھی
امتیاز پیدا کیا ہے۔ اسلامی غیرت پیوند کاری قبول نہیں کرتی۔ آداب قرآن
کریم نے سکھائے ہیں۔ حضرت حکیم الامت تھانوی مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت
ابراہیم نے مشرک باپ کے لئے مناظرہ کرتے ہوئے تہذیب کا دامن ہاتھ سے
جانے نہیں دیا۔ یا ابت... اے ابا جان

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا...

راعنا کے اندر ایک معنی رعایت کے لحاظ کے ہیں۔ اور ایک رعونت...
چرواہا... لَیًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا فِی الدِّیْنِ ○ اس لفظ کے کہنے سے روک
دیا۔ عیسائیوں میں پادری اور راہب رہے۔ اور اسلام میں عالم اور مسلم دونوں
الفاظ کی رعایت فَارْهَبُوْنِ اور فَاتَّقُوْنِ ○ میں رکھی گئی ہے۔ جس طرح
اسلامی گرجا، اسلامی پادری نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اسلامی سوشلزم نہیں ہو سکتا۔
اسلام ہی ایسا غیرت والا دین ہے کہ نہ کسی کے الفاظ استعمال کر سکتا ہے نہ اخلاق،

جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن میں امتیاز رکھا ہے اسی طرح دین و متون میں رکھا ہے۔

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

سوشلزم کا پیوند اسلام کے ساتھ ریشم اور ٹاٹ کے پیوند کی طرح ہے۔ کہا جاتا ہے کہ لباس سے نصرانی نہیں ہو جاتے...... اگر آپ اپنی بیگم کا جائے کہ نسوانی اوصاف آجائیں گے۔ اسی طرح مولانا تھانوی مرحوم کی تقاریر جو باغ جناح ایبٹ آباد میں ہوئیں۔ وہ بھی تاریخی تھیں۔ اور ان کا وہ خطبہ جو انہوں نے شاہ خالد مرحوم کی آمد پر کراچی میں لاکھوں فرزندان توحید کے سامنے دیا تھا۔ وہ بھی ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ اس کی تعریف تو شاہ خالد نے بھی کی تھی۔

مولانا اپنی تقاریر کے سلسلہ میں کسی سے کچھ نہیں لیتے تھے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت کچھ دیا تھا۔ اور وہ اوروں کو دیتے تھے۔ مولانا تھانوی مرحوم جامع مسجد جیکب لائن کراچی کے خطیب تھے اور آخر تک خطبہ دیتے رہے۔ اسی مسجد میں رمضان المبارک میں قرآن مجید بھی سنانے کا معمول تھا۔ بڑے سکون سے تراویح پڑھا کرتے تھے۔ دور دور سے لوگ آکر قرآن مجید سنا کرتے تھے۔ جمعہ کا خطبہ سننے کے لئے جامع مسجد جیکب لائن لوگوں کا تانتا بندھ جاتا تھا۔ لوگ ان کی خطابت اور قرآن کے گرویدہ تھے۔ مولانا فن خطابت سے خوب آشنا تھے۔ بلکہ اپنے وقت کے امام تھے۔ فن خطابت گویا گھٹی میں پڑا تھا۔ ان کی تقریر سن کر مخالف بھی اپنے بن جاتے تھے۔ مولانا کی تلاوت کئے ہوئے تیس پارے ہر جگہ دستیاب ہیں۔ مولانا کی شخصیت گوناگوں کمالات و اوصاف کے اعتبار سے ایک جامع ہمہ اوصاف شخصیت تھی۔ وہ عمدہ لباس پہنتے تھے اور عمدہ خوشبو استعمال میں لاتے تھے۔ ان کی زندگی اسلام کی خدمت میں گزری اور ان کا وصال بھی اللہ کی طرف دعوت دیتے ہوئے ہوا۔ وہ خطبات سیرت ہی کے سلسلہ میں واصل بحق ہوئے۔ الغرض زمانہ میں

خطیب پیدا ہوتے رہیں گے۔ مگر مولانا احتشام الحق تھانوی جیسے پیدا نہ ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ برادر محترم جناب سید حافظ محمد اکبر شاہ صاحب بخاری کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ انہوں نے مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی حیات و خدمات پر دو کتابیں "تذکرہ خطیب اُمت" اور "حیات احتشام" تصنیف کیں۔ جو مولانا کی زندگی اور کارناموں پر قابل قدر تصانیف ہیں۔

برادر موصوف نے اب "خطبات احتشام" کے نام سے مولانا کے چند اہم خطبات کو یکجا مرتب کر دیا ہے۔ مولانا کے خطبات و تقاریر کا کتابی شکل میں یہ پہلا مجموعہ ہے۔ جو ان شاء اللہ مقبول عوام ہو گا۔ اور مولانا کے عقیدت مند حضرات اس کی قدر افزائی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ برادر موصوف کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائیں۔ اور ان کی اس محنت و خدمت کو قبول فرما کر ذریعہ نجات بنائیں۔
(آمین)

تقریظ
از جناب مولانا محمد اسعد تھانوی

خطیب اسلام مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ آپ دارالعلوم دیوبند اور خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون کی نسبت سے ایک بلند و بالا مقام پر فائز تھے۔ آپ کے دینی، علمی، تبلیغی اور سیاسی کارنامے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ آپ اپنے ذاتی اوصاف و اخلاق اور علمی و عملی کمالات خصوصاً خطابت میں علمائے دیوبند میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ جس میں آخر وقت تک آپ اپنی جگہ سے نہیں گرائے جا سکے۔

حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو خطابت اور خوش بیانی کا جو ملکہ عطا فرمایا تھا وہ اس دور میں کسی دوسرے عالم و خطیب کو نصیب نہیں تھا۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے ایک دفعہ آپ کی خطابت سماعت فرمانے کے بعد فرمایا کہ

"الحمد للہ میرے بعد میرا جانشین پیدا ہو گیا ہے۔"

اسی طرح سے اکابر علماء کرام خصوصاً مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب شیخ المحدثین حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی، رئیس المحدثین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی مخدوم العارفین حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری اور استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری قدس اللہ اسرارہم آپ سے بڑی محبت و شفقت فرماتے تھے۔ اور آپ کی خطابت و ذہانت کی تعریف فرماتے تھے ایک مرتبہ ہمارے مدرسہ جامعہ اشرفیہ سکھر کے جلسہ میں آپ کی تقریر کے بعد والد ماجد حضرت مولانا محمد احمد تھانوی بانی اور دوسرے منتظمین نے حضرت مفتی اعظم پاکستان سے

سے درخواست کی کہ حضرت والا بھی کچھ کلمات خیر بیان فرما کر اختتامی دعا فرمائیں۔ اس پر حضرت مفتی اعظم مدظلہ نے فرمایا کہ "خواہ مخواہ کیوں محفل میں ٹاٹ کا پیوند لگوانا چاہتے ہو"

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ آپ کے ماموں اور مربی تھے۔ آپ کا انداز خطابت اور قرات و تلاوت کا ڈھنگ حضرت حکیم الامت "جیسا" تھا۔

آپ بھی ساری عمر حضرت حکیم الامت کی طرح اپنی تقاریر کے ذریعے تبلیغ و اصلاح میں مصروف رہے اور اپنی سحر آفرین خطابت سے برصغیر پاک و ہند بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں کو اپنا گرویدہ بنائے رہے۔ جن حضرات نے آپ کے خطبات و تقاریر سنی ہیں وہ اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتے کہ آپ کا بیان "علمی" "ادبی" "اخلاقی" اور معلوماتی اعتبار سے کتنا اعلی وارفع ہوتا تھا۔ خطابت میں آپ کا اسلوب بڑا منفرد اور وجدانی تھا۔ قرآن کریم کی تلاوت بھی مسحور کن تھی۔ الغرض آپ نے اپنی زندگی میں سینکڑوں مواعظ و خطبات فرمائے۔ جو سامعین نے سنے اور اپنے دلوں کی کھیتیوں کو سیراب و شاداب کیا۔ انہیں میں سے تقریباً چوبیس خطبات کو محترم و مکرم مولانا حافظ محمد اکبر شاہ بخاری صاحب نے یکجا کر دیا ہے جو ایک اہم خدمت ہے۔ حق تعالیٰ شانہ موصوف کی اس مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت عطا فرما کر سعادت دارین سے نوازیں۔ آمین)

مولانا احتشام الحق تھانوی اکابر و معاصرین کی نظر میں

خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نور اللہ مرقدہ کو قدرت نے بہت سے اوصاف و کمالات و خصوصیات سے نوازا تھا پھر آپ کو اکابر علماء و مشائخ کی صحبت و معیت اور رفاقت و شفقت کی قابل رشک نعمت بھی میسر آئی' جس نے آپ کی شخصیت کو اور زیادہ نکھارا' آپ نو عمری سے پیرانہ سالی تک اپنے دور کے اکابر مشائخ کے محب و محبوب رہے' ذیل میں چند اکابر و معاصر علماء کرام کے آپ کے بارے میں مختصر تاثرات درج کئے جاتے ہیں تاکہ آپ کی شخصی عظمت اور علمی و دینی خدمات جلیلہ کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

آپ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے عزیز بھانجے تھے' بچپن ہی سے حضرت حکیم الامت کے زیر سایہ تربیت حاصل کی اور حضرت ہی سے بیعت و سلوک کے منازل طے کئے پھر ساری عمر حضرت کے مسلک و مشرب پر قائم رہے اور آخر وقت تک حضرت کے علوم و معارف کی ترجمانی فرماتے رہے حضرت حکیم الامت آپ کو خصوصی عنایتوں اور شفقتوں سے نوازتے رہے اور آپ کو اپنا خانقاہ اشرفیہ امدادیہ تھانہ بھون کی طرف سے نئی دہلی میں مبلغ بنا کر بھیجا جہاں تقسیم ہند تک آپ دینی و تبلیغی خدمات انجام دیتے رہے' حضرت حکیم الامت فرمایا کرتے تھے کہ قیام پاکستان کے بعد بھی نئی مملکت میں یہی لوگ کام کرنے والے ہوں گے جو آج دیوبند اور نئی دہلی میں کام کررہے ہیں۔ حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی فرماتے ہیں کہ حضرت حکیم الامت کا نور بصیرت یہ پہچان گیا تھا جو صحیح ثابت ہوا' پاکستان میں جتنا بھی دین کا کام ہوا زیادہ تر اسی دیوبندی اور تھانوی جماعت کا کام ہے' قرارداد مقاصد کی منظوری' علماء کے بائیس نکات' دینی مدارس کا قیام' دین کی

نشر و اشاعت، خصوصاً علم حدیث، فقہ و تفسیر، تبلیغ و اصلاح سب انہی علماء کی خدمات ہیں، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی مفتی محمد شفیع مولانا ظفر احمد عثمانی مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا خیر محمد جالندھری، مفتی محمد حسن امرتسری اور مولانا احتشام الحق تھانوی سب ہی بزم اشرف کے چراغ اور تھانوی قافلہ کے اہم ارکین ہیں اور پاکستان میں دین کا یہ سب کام انہی حضرات کا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی، مولانا تھانوی کے شفیق استاد و مربی تھے، تحریک پاکستان اور نظام اسلام کی جدوجہد میں آپ حضرت شیخ الاسلام کے معتمد خاص اور دست راست رہے تھے، قیام پاکستان کے بعد حضرت شیخ الاسلام نے اسلامی دستور کی ترتیب و تدوین کی جس مہم کا آغاز فرمایا تھا اس میں حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب کے ساتھ سب سے اہم کردار حضرت مولانا تھانوی کے حصہ میں آیا، حضرت شیخ الاسلام کی تمنا تھا ایک مرکزی دارالعلوم کا قیام تھا وہ بھی مولانا تھانوی کے ذریعے پوری ہوئی مولانا تھانوی فرماتے تھے کہ ہم نے حضرت حکیم الامت تھانوی اور شیخ الاسلام علامہ عثمانی کا دامن پکڑا تھا، الحمدللہ اسی پر قائم ہیں اور جو کچھ دین کی خدمت ہے یہ انہی کی مرہون منت ہے، حضرت شیخ الاسلام آپ پر مکمل اعتماد فرماتے تھے اور ایک مرتبہ تو انہوں نے آپ کی تقریر سن کر فرمایا

اب مجھے مرنے کی فکر نہیں ہے، الحمدللہ میرے بعد میرا جانشین پیدا ہو گیا ہے۔

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

حضرت مولانا مدنی قدس سرہ آپ کے نہایت شفیق استاد تھے، آپ نے بخاری شریف اور ترمذی شریف حضرت مدنی سے ہی پڑھی تھیں۔ مولانا تھانوی فرماتے تھے کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ احقر سے بہت محبت و شفقت فرماتے تھے احقر نے دورہ

حدیث حضرت مدنیؒ سے ہی کیا تھا۔ وہ میرے محسن و مربی تھے ان کی عنایتیں و شفقتیں فراموش نہیں کی جاسکتیں' مولانا عزیز الرحمان فرماتے ہیں کہ مولانا تھانوی حضرت شیخ الاسلام مدنی کے تلمیذ خاص تھے' مولانا تھانوی حضرت مدنی سے اپنے تعلق شاگردی و نیازی مندی کا ذکر بڑی محبت سے سنایا کرتے تھے اور حضرت مدنی قدس سرہ مولانا تھانوی کی ذہانت و قابلیت کی تعریف فرمایا کرتے تھے' حضرت حکیم الامت سے مولانا کی نسبت کو بہت بڑی سعادت فرماتے تھے' حضرت مدنی قدس سرہ فرماتے تھے کہ مولوی احتشام الحق انشاء اللہ اپنے ماموں حضرت حکیم الامت کے علوم کے بہترین شارح اور امین ہوں گے۔

شیخ المحدثین علامہ ظفر احمد عثمانی مدظلہ

حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی مولانا تھانوی کے شیخ و مربی تھے' مولانا فرمایا کرتے تھے کہ مولانا عثمانی صاحب برصغیر پاک و ہند میں اس وقت اسلاف کی یادگار اور استاذ الکل کی حیثیت رکھتے تھے' ان کی رحلت سے تمام علمی و دینی حلقے یتیم ہوگئے ہیں اور پاکستان اپنے مذہبی بانی و سرپرست سے محروم ہوگیا ہے۔ ان کی علمی یادگار کے طور پر "اعلاء السنن" "احکام القرآن" وغیرہ عظیم تصانیف ہیں جو ناقابل فراموش کارنامے ہیں مولانا تھانوی حضرت مولانا عثمانی قدس سرہ کے قریبی عزیز اور طریقت میں خلیفہ ارشد تھے' حضرت عثمانی کو مولانا پر مکمل اعتماد تھا اور مولانا کی علمی و سیاسی بصیرت پر بارہا اعتراف کے کلمات فرمائے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ مولانا احتشام الحق صاحب ہماری جماعت کے مجاہد اور حق کو عالم دین ہیں اور خطابت و ذہانت میں بھی طبقہ علماء میں سب سے آگے ہیں" اسی طرح فرمایا کہ "مولانا کی ذات پر ہمیشہ فخر ہے اور ان کی دینی تبلیغی اور قومی و ملی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس مفتی محمد شفیع مدظلہ

آپ تحریک پاکستان اور نظام اسلام کی تحریکوں میں مفتی اعظم پاکستان کے دست راست رہے' حضرت مفتی اعظم آپ کے استاذ گرامی بھی تھے حضرت مفتی

اعظم کی رحلت پر مولانا تھانوی پھوٹ پھوٹ کر روئے تھے مفتی اعظم کے بارے میں ایک تعزیتی اجلاس میں فرمایا کہ

مفتی اعظم صرف عوام کے رہنما نہ تھے بلکہ علماء کے بھی رہنما تھے' ان کی رحلت سے تمام علماء یتیم ہو گئے ہیں۔"

حضرت مفتی اعظم کو آپ کی علمی و سیاسی بصیرت پر پورا اعتماد تھا اور آپ کی خطابت و ذہانت کی تعریف فرماتے رہتے تھے' ایک مرتبہ سکھر کے ایک جلسہ میں فرمایا کہ " مولانا احتشام الحق کی تقریر کے بعد کسی دوسرے کی تقریر کی ضرورت نہیں رہتی" منتظمین جلسہ نے جب آپ سے کچھ کلمات کہنے کیلئے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ مولانا احتشام الحق کی تقریر کے بعد اب کیوں مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگانا چاہتے ہو۔

سید الملت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علامہ ندوی بھی مولانا تھانوی کے مشفق و مہربان بزرگ تھے' مولانا تھانوی کی علمی و سیاسی قابلیت کے معترف تھے' مولانا تھانوی کی اسلامی نظام کے بارے میں سعی و کاوش کی اکثر مجالس میں تعریف فرمایا کرتے تھے' جامعہ اشرفیہ لاہور کے علماء کی مجلس میں علامہ ندوی نے فرمایا کہ " مولانا کی دستور اسلامی کی تدوین میں خدمات قابل قدر ہیں اور بائیس نکات پر تمام علماء کو متفق کرنا انہی کے حسن تدبیر کا نتیجہ ہے۔

مخدوم الامت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مفتی صاحب مولانا تھانوی کے نہایت ہی شفیق بزرگوں میں سے تھے' حضرت حکیم الامت کی نسبت اور مولانا کی عظیم دینی خدمات کی وجہ سے حضرت مفتی صاحب مولانا سے بے حد محبت فرماتے تھے جب بھی کراچی جانا ہوتا' مولانا تھانوی سے ہر حال میں ملاقات کرتے جبکہ مولانا تھانوی آپ سے چھوٹے تھے اور

حضرت مفتی صاحب کا بے حد احترام اور ان کو اپنا مخدوم سمجھتے تھے۔ مگر حضرت مفتی صاحب فرماتے تھے کہ مولانا تھانوی بڑی خوبیوں کے مالک ہیں اور وہ ہمارے شیخ و مربی کے عزیز ترین بھانجے ہیں' ہمیں مولانا پر پورا پورا اعتماد ہے۔

استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ

حضرت مولانا جالندھری جامعہ خیر المدارس ملتان کے بانی اور حضرت حکیم الامت تھانوی کے خلیفہ ارشد تھے ان کا علم و عمل زہد و تقویٰ مسلم ہے۔ مولانا احتشام الحق تھانوی کا حضرت سے گہرا تعلق تھا اور مولانا جالندھری کے آپ خاص محب و محبوب تھے۔ مولانا فرماتے تھے کہ

حضرت جالندھری کے ادنیٰ سے اشارے کو حکم کے برابر سمجھتا ہوں لیکن حضرت جالندھری مولانا تھانوی کا دیگر اکابر علماء کی طرح بہت خیال فرماتے تھے۔ خیر المدارس اور دیگر اجتماعات پر دعوت دیتے وقت کبھی کبھی مزاحاً فرماتے کہ

"دولہا نہ ہو گا تو بارات کیسے سجے گی"

حضرت جالندھری کے ان الفاظ میں قطعاً مبالغہ آرائی نہ تھی بلکہ واقعی مولانا تھانوی مرحوم علماء و اکابر کی جماعت میں دولہا کی طرح ممتاز اور منفرد دکھائی دیتے تھے' اسی طرح حضرت مولانا جالندھری نے خطیب پاکستان کا لقب مولانا تھانوی ہی کے لئے مخصوص فرمایا تھا اور جامعہ خیر المدارس کے جلسہ میں مولانا تھانوی کی تقاریر حضرت جالندھری خاص طور پر بنفس نفیس تشریف فرما کر مکمل سماعت فرماتے تھے' غرض حضرت اپنے شیخ حضرت حکیم الامت کی نسبت سے مولانا کے بڑے قدر دان تھے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ

حضرت مولانا کاندھلوی بھی مولانا تھانوی کے خاص محب و محبوب تھے' دونوں حضرات کے آپس میں بڑے گہرے روابط و تعلقات تھے' مولانا کاندھلوی جب بھی کراچی تشریف لے جاتے' مولانا تھانوی کے ہاں ہی قیام فرماتے اور گھنٹوں

علمی مجالس رہتیں اور دینی و سیاسی مسائل پر گفتگو ہوتی رہتی۔ حضرت شیخ الحدیث
والتفسیر مولانا کاندھلوی مولانا تھانوی کی علمی و سیاسی بصیرت پر مکمل اعتماد فرماتے
تھے' اور مولانا سے مل کر انتہائی خوشی کا اظہار فرماتے تھے' مولانا تھانوی کے انداز
خطابت اور حسن قرات کے گرویدہ تھے اور آپ کی حق بیانی کے معترف تھے فرماتے
تھے کہ مولانا احتشام الحق صاحب ہماری جماعت کے نہایت بے باک اور حق گو عالم
دین ہیں اور وہ قابل فخر ہیں۔

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری ؒ

حضرت لاہوری قدس سرہ بھی آپ سے بہت محبت و شفقت فرماتے تھے'
جب بھی کبھی سفر حج کے لئے جاتے تو کراچی میں مولانا سے ضرور ملاقات فرماتے' اپنی
مجالس میں بارہا حضرت مولانا تھانوی کے بارے میں تعریفی کلمات فرماتے۔ اپنے
ادارہ جامعہ قاسم العلوم لاہور میں مولانا کو بڑی محبت سے دعوت دیتے' اور جمعیت
علماء اسلام کی سربراہی کے لئے مولانا پر زور دیتے رہتے تھے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی ؒ

حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا تھانوی کے سانحہ ارتحال پر
اپنے تعزیتی کلمات میں فرمایا کہ " مولانا احتشام الحق تھانوی دارالعلوم دیوبند کے
ممتاز فضلاء میں سے تھے اور پاکستان میں مسلک دیوبند کے عظیم ترجمان تھے۔

شمس العلماء علامہ شمس الحق افغانی ؒ

علامہ افغانی رحمۃ اللہ علیہ مولانا تھانوی کے استاذ گرامی تھے وہ مولانا سے
بہت محبت فرماتے تھے مولانا تھانوی کی وفات پر علامہ افغانی نے گہرے دکھ ورنج کا
اظہار فرمایا اور مولانا کی وفات کو ناقابل تلافی نقصان قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ
ایسے حق گو عالم دین مشکل سے پیدا ہوتے ہیں وہ ہمارے مایہ ناز خطیب اور جید عالم
تھے' جامع مسجد جیکب لائن کراچی' دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالٰہیار سندھ حیدرآباد

مولانا کی یادگاریں ہیں اور بائیس نکات پر مشتمل دستوری خاکہ عظیم کارنامہ ہے۔

فقیہ العصر مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہ

مولانا تھانوی کی رحلت پر تعزیتی پیغام میں فرماتے ہیں کہ
" پاکستان کے مایہ ناز خطیب' اعلیٰ درجہ کے مقرر' قابل فاضل' حق پرست حق گو' بے باک' بلا خوف لومۃ لائم حق بات کہنے والا' اور پاکستان کا مخلص ترین خادم ہی نہیں بلکہ بڑا محسن اٹھ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حافظ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواستی مدظلہ

مولانا تھانوی کی رحلت سے بے حد قلق ہوا ہے وہ عالم حق اور خطیب بے مثل تھے ان کی دینی' علمی' ملی اور سیاسی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔
اللہ تعالیٰ مولانا کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان اور صاحبزادگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔
(ماخوذ از کل خطیب ملت)

خطیب پاکستان

مولانا احتشام الحق تھانوی مدظلہ کی حیات و خدمات

مولانا احتشام الحق تھانوی مدظلہ کا نام زبان پر آتا ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ کسی گلستان ہزار رنگ کی دل آویز داستان مکمل ہو گئی ہے۔ اور ایک بلبل ہزار داستان ہے جو اپنے ترنم پر نو بہ نو نغموں سے سرگشتگان گلستان کے دلوں کو لبھا رہا ہے۔ اور اپنی خوش الحانی و خوش بیانی سے بے پایاں لطف بخش رہا ہے۔ مولانا تھانوی مختلف الجہات شخصیت کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم و فضل کی بے شمار خوبیوں اور فکر و نظر کے بہت سے خصائص سے نوازا تھا۔ پھر وہ صرف ایک عالم دین اور صاحب فکر شخص ہی نہ تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خدمت قوم و وطن کی توفیق بھی ارزانی فرمائی تھی۔ علم اور عمل دونوں میدانوں میں انہوں نے امت مسلمہ کی بیش از بیش رہنمائی اور خدمات انجام دیں۔ وہ ایک ایسے عالم دین تھے جن کی رہنمائی کا دائرہ محراب و منبر سے لے کر عملی زندگی کے مختلف میدانوں تک وسیع ہوتا ہے۔ ان کی خدمات کسی ایک دائرے تک محدود نہیں تھیں۔ پاکستان کی تحریک اور اس کے قیام سے لے کر اس کی تعمیر و ترقی تک تاریخ میں ان کی رہنمائی کے نقش ثبت ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد اس مملکت پر جب کوئی برا وقت آیا، اس کے نظریے پر کوئی حملہ ہوا، اس کے دفاع کو کوئی خطرہ لاحق ہوا، کسی شخص یا جماعت نے اس قیام کے مقاصد کے خلاف ہرزہ سرائی کی۔ اور جب بھی کسی فتنے نے سر اٹھایا مولانا احتشام الحق تھانوی قوم کی رہنمائی کے لئے فوراً میدان میں آگئے۔ اور اپنی پرجوش تقریروں سے، فکر انگیز بیانات سے صلاحوں اور مشوروں سے، ایثار وقت و مال سے، فکری نظریے اور جغرافیائی سرحدوں کے دفاع کے لئے

تمام پاکستان کی مقاصد کی تعلیم و تبلیغ اور توضیح کے لئے اور فتنوں کی سرکوبی کے لئے اپنے علم و عمل کی بہترین صلاحیتوں سے قوم کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ ان کی سیاست صرف ڈرائنگ روم تک محدود نہ تھی بلکہ عملی زندگی کے ہر میدان کے شدائد اور کٹھن مرحلوں سے گزر کر جیل خانے کی سلاخوں کے پیچھے اور نظربندی کی پابندیوں تک وسیع ہوتی چلی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے شمار علمی خصائص' ذہن و دماغ کی بہترین صلاحیتوں اور فکر و رائے کی اصابت سے نوازا تھا۔ اور عزیمت دعوت کے بلند مقام پر فائز کیا تھا۔ ان کا تعلق دیوبندی مکتبہ فکر کی تھانوی جماعت سے تھا۔ اور اس جماعت کے اکابر و اصاغر میں وہ ایک خاص امتیاز کے مالک تھے۔ اور کم از کم تھانوی جماعت میں تو کوئی عالم دین ان کے اس امتیاز میں شریک نظر نہیں آتا۔

خاندان

مولانا احتشام الحق تھانوی کا تعلق کیرانہ ضلع مظفر نگر (یو۔ پی) کے ایک معزز اور سربرآوردہ صدیقی خاندان سے تھا۔ اس خاندان کے افراد پورے ضلع میں اپنی خاندانی روایات' شرافت وضع داری اور خدمت خلق کے لئے مشہور تھے۔ یہ خاندان ایک علمی خانوادہ تھا۔ اس کے افراد دینی علوم کے ذوق کے ساتھ دنیاوی علوم سے بھی بہرہ مند تھے اور اگرچہ بعض افراد خاندان نے سرکاری ملازمت اختیار کرلی تھی اور مناصب قبول کر لئے تھے۔ لیکن عام طور پر زمینداری ان کا ذریعہ معاش' مسلمانوں کی اصلاح' و تعلیم ان کا مقصد حیات اور طب کے ذریعے عامہ خلائق کی خدمت ان کی زندگی کا مشن ہوتا۔ مولانا تھانوی کے والد گرامی مرحوم مولانا ظہور الحق تھانوی اپنے خاندان میں ایک خاص امتیاز کے مالک تھے۔ وہ ایک عالم دین اور نہایت متقی و پرہیزگار بزرگ تھے۔ انہیں حکیم الامت حضرت مولانا

اشرف تھانوی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ سلوک و تصوف اور طریقت میں وہ شیخ المشائخ حضرت مولانا امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی بیعت اور حضرتؒ کے فیوضات سے استفادے کی سعادت حاصل تھی۔ حضرت حکیم الامتؒ ان کی سعادت مندی، فیروز بختی اور نیک اطواری سے متاثر ہو کر اپنی چھوٹی بہن نجیب النساء کو ان کے حبالہ عقد میں دے دیا تھا۔ یہ مرحومہ خود حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی سے رشتہ بیعتؒ منسلک اور علوم ظاہری و باطنی سے شرف یاب تھیں۔ اس طرح مولانا ظہور الحق تھانوی کے گھر میں فیض کی کئی ندیاں رواں تھیں۔ ان کا گھرانہ بیک وقت امدادیہ، محمودیہ اور اشرفیہ علوم و معارف و شریعت و طریقت کے سرچشموں سے فیض یاب اور وقت کے حکیم الامت سے نسل و خون کے رشتوں میں منسلک تھا۔

مولانا ظہور الحق کی اولاد

مولانا ظہور الحق نے زندگی میں تین شادیاں کی تھیں۔

۱۔۔۔ پہلی شادی مولانا اشرف علی تھانوی کی بہن امۃ الوہاب سے ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بطن سے انہیں چار بیٹے اور ایک بیٹی عطا فرمائی۔

بڑے بیٹے کا نام عزیز الحق تھا۔ دینی علوم کی باقاعدہ تحصیل نہیں کی تھی۔ لیکن مطالعہ خوب تھا اور واقفیت بہت اچھی تھی۔ گریجویشن الہ آباد یونیورسٹی سے کیا تھا۔ گورنمنٹ سیکرٹریٹ نئی دہلی میں ملازم تھے۔ اور غالباً" اسسٹنٹ سیکرٹری تھے۔ ملازمت کے سلسلے میں پاکستان میں آ گئے تھے۔ ری ہیبلی ٹیشن کے محکمے میں ملازم تھے۔ پھر کراچی ڈیولپمنٹ اتھارٹی (کے۔ ڈی۔ اے) میں آ گئے تھے۔ اور بقول ماہر القادری مرحوم کے چیئرمین کے بعد سب سے بڑا عہدہ ان کا تھا۔ نیک سیرت، پاک طینت، ضرورت مندوں کی مدد کرنے والے، دیانت دار، صوم و صلوٰۃ کے پابند، متقی اور ظاہر و باطن سے متشرع شخص تھے۔ شاعری کا شوق بھی تھا۔ ان کے کلام کا ایک مختصر مجموعہ "گلزار عزیز" کے نام سے چھپ چکا ہے۔ صاحب

اولاد تھے۔ غالباً سن ۱۹۷۶ء میں انتقال فرمایا۔ ماہرالقادری مرحوم نے جون ۱۹۷۶ء کے فاران میں ان کی وفات پر تعزیتی مضمون لکھا ہے۔ فیڈرل بی ایریا کے علاقے میں عزیز آباد کی بستی انہی مرحوم کے نام پر بسائی گئی ہے۔

دوسرے بیٹے مولانا احتشام الحق تھانوی تھے۔ جن کے حالات میں یہ مفصل مقالہ ہے۔

تیسرے بیٹے احترام الحق صدیقی تھانوی تھے۔ مستند عالم دین نہ تھے۔ لیکن دین سے خوب واقف تھے۔ مطالعہ وسیع تھا۔ نیک سیرت، پاک طینت اور پابند صوم و صلوۃ شخص تھے۔ ان کی پیدائش ۲۰ اگست ۱۹۱۹ء کو تھانہ بھون ہوئی تھی اور وفات ۱۹۸۹ء بروز جمعرات کراچی میں ہوئی۔ سوسائٹی کے قبرستان میں محو خواب ابدی ہیں۔ کتبے پر تاریخ پیدائش و وفات درج ہے اور یہ شعر بھی۔

ابھی تک اس چہرے پہ تھی
مجھے کیا خبر تھی کہ مر جائے گا

شاعری کا شوق انہیں بھی تھا اور یہ شعر غالباً انہیں کا ہے۔

چوتھے بیٹے ممتاز الحق تھے۔ ان کے حالات کا علم نہیں ہو سکا۔ یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ اپنی بہن سے بڑے تھے۔ مولانا ظہور الحق کی پہلی بیوی کی سب سے چھوٹی اولاد تھے۔

پہلی بیوی کے بطن سے مولانا کی ایک بیٹی یادگار ہے۔ اور اس وقت (جون ۱۹۹۳ء میں) جب کہ یہ سطریں لکھی جا رہی ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ بحمد اللہ بقید حیات ہیں۔ اور کراچی میں مقیم ہیں۔

۲...... مولانا ظہور الحق کی پہلی بیوی کا انتقال ان کی بیٹی یا ممتاز الحق کی پیدائش کے بعد ہو گیا تھا۔ بچے چھوٹے تھے۔ ان کی پرورش، نگہداشت، اور تعلیم و تربیت کا مسئلہ پریشان کن تھا۔ عزیزوں کا اصرار ہوا کہ انہیں دوسری شادی کر لینی چاہیے۔ چنانچہ خاندان ہی کی ایک نیک سیرت لڑکی سے ان کا عقد ثانی کر دیا گیا۔ ان

خاتون سے مولانا ارشاد الحق تھانوی ان کی یادگار ہیں۔ مولانا ارشاد الحق تھانوی کا شمار پاکستان کے اصحاب فکر اور ارباب بصیرت و تدبر میں ہوتا ہے۔ ان کے افکار عالیہ سے اخبار بین اور دینی و سیاسی ذوق رکھنے والے اکثر مستفید ہوتے رہتے ہیں۔

۳..... مولانا ظہور الحق کی دوسری بیوی کا انتقال جلد ہو گیا تھا۔ ان کے بعد گھر بار کی دیکھ بھال ، بچوں کی نگہداشت اور تعلیم و تربیت کی ضرورت نے انھیں پھر شادی کرنے پر مجبور کیا۔ اس مرتبہ ان کی پہلی بیوی کی چھوٹی بہن امۃ المنان ان کے حبالۂ عقد میں آئیں۔ لیکن جہاں تک معلوم ہوا ہے ان کی کوئی اولاد یادگار نہیں۔ مرحومہ کا انتقال کراچی میں ہوا۔ پاپوش نگر کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ یہ چونکہ مولانا احتشام الحق تھانوی کی خالہ بھی تھیں۔ وہ انھیں خالہ کے رشتے ہی سے مخاطب فرماتے تھے۔ اور ماں کی طرح ان کا احترام کرتے تھے۔

مولانا ظہور الحق تھانوی قیام پاکستان کے ساتھ ہی کراچی تشریف لے آئے تھے۔ انھوں نے کیرانہ میں اپنی زمینداری اور میرات و دہلی میں لاکھوں روپے کی جائیداد چھوڑ دی تھی۔ لیکن یہاں اس کے بدلے اولاً تو کسی جاگیر و جائیداد حاصل کرنے کی طرف توجہ نہیں دی۔ پھر احباب و رفقاء کے زور پر توجہ کی تو انھیں اس کا عشر عشیر بھی حاصل نہ ہوا۔ ان کا خاص ذوق گوشہ گیری و خلوت نشینی تھا۔ ان کا زیادہ وقت اوراد و وظائف اور عبادت الٰہی میں گزرتا تھا۔ متقی اور زاہد شب زندہ دار تھے۔ وہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے بہنوئی تھے۔ لیکن حضرت حکیم الامت ان کے استاد تھے۔ اور انھیں اپنے استاد سے عشق تھا۔ حضرت حکیم الامت کے علوم و معارف پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اور ذوق و فکر کے انہی حکیمانہ سانچوں میں ڈھل گئے تھے۔ جو حضرت حکیم الامت تھانوی کا مقصود تھا۔ وہ حضرت تھانوی کے اخلاق و سیرت کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ مولانا احتشام الحق جامع

مسجد [illegible] لاہور میں جمعہ کی امامت و خطابت فرماتے تھے۔ اگر وہ کبھی سفر میں ہوتے تو یہ فریضہ مولانا ظہور الحق ادا فرماتے تھے۔ تقریر فرماتے تھے۔ خطبہ دیتے تھے اور نماز پڑھاتے تھے۔ جن لوگوں کے کان حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی خطابت سے آشنا اور سامع حضرت کی آواز سے لذت اندوز نہیں ہوئے وہ ان کی خوبیوں کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ حضرت مولانا قاری شریف احمد مدظلہ فرماتے ہیں کہ مولانا ظہور الحق کی خطابت حضرت حکیم الامت تھانوی کی خطابت کا عین عکس تھی۔ اس حد تک کہ اگر وہ سامنے نہ ہوں تو لذت اٹھانے خطابت حکیم الامت بھی پہچان نہ سکے۔ آواز، مضمون، تقریر، طرز استدلال اور انداز بیان میں سب کچھ وہی محسوس ہوتا تھا۔

مولانا ظہور الحق کا انتقال

مولانا ظہور الحق کا انتقال کراچی میں ۹ ذیقعدہ ۱۳۷۴ھ م ۲ جون ۱۹۵۵ء کو ۷۶ برس کی عمر میں ہوا تھا۔ عمر کی اس صراحت سے یہ اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی پیدائش ۱۲۹۸ھ میں ہوئی ہوگی۔ اسد ملتانی کا رقم کردہ قطعہ تاریخ وفات ان کی لوح تربت پر کندہ ہے۔ چونکہ اس قطعے سے ان کی اولاد ذکور اور بعض خصائص علم و سیرت پر روشنی پڑتی ہے۔ اس لئے نقل کیا جاتا ہے۔

مولانا ظہور الحق تھانوی رحمہ

وفات شب در شنبہ ۹ ذیقعدہ ۱۳۷۴ھ عمر ۷۶ سالہ

عزیز الحق نفیس شد از وفات والد ماجد و ہم ارشاد و عماد و اعتماد احتشام الحق

بزرگے زندہ دل بود بہ علم و اتقا یکتا بخوش جلسہ مستغرق لطف و ذوق مستغرق گے

نطق بلیغش منبر و محراب را زینت نمے بخشد طبع لطیفش محفل احباب را رونق

فیض صحبت اشرف علی او بود تن اشرف را از صدق حضرت قبلہ صادق و اصدق

رہ او ہیچ بہ گے جز بہ حکم خالق عالم رفت سوے ہیچ کس الا بہ امر قادر مطلق ہ

اسعد گر چار سال دیگر اوزا زندگی بودے
شدے . تاریخ رحلت مولانا ظہور الحق

۱۳۷۸ - ۲ = ۱۳۷۶ھ

(نخلستان کراچی از پروفیسر محمد اسلم ۱۹۹۲ء لاہور) مولانا ظہور الحق پی ای سی ایچ سوسائٹی کے قبرستان میں آسودہ خواب ابدی ہیں۔

پیدائش

مولانا احتشام الحق تھانوی ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۵ء) میں یو پی کے شہر اٹاوہ میں پیدا ہوئے۔ وہ چار بھائی تھے۔ شرافت اور سعادت مندی حسب توفیق سب کے حصے میں آئی ۔ لیکن علم دین کی دولت کے لئے مشیت ایزدی نے احتشام الحق کو منتخب کر لیا۔ اور مشیت ایزدی کے اس انتخاب نے دنیا کی عزت و شہرت میں وہ سب کچھ انھیں عطا کر دیا جس کی تلاش میں ان کے دوسرے بھائیوں نے اسکول، کالج اور یونیورسٹی کا رخ کیا تھا۔ پھر بھی وہ انھیں میسر نہ آئی۔ آج انھیں دنیا میں کوئی نہیں جانتا کہ وہ دنیا میں زندہ بھی ہیں اور اگر وہ مر گئے ہیں تو کہاں آسودہ خاک ہیں۔ لیکن وہ جو خدا کی تلاش میں اور اس کے دین کی خدمت کے لئے نکلا تھا اور شاید اسی کے بارے میں کہا گیا ہو کہ اس کے عزم و سعی کا میدان کسی مسجد کے صحن سے زیادہ وسیع نہیں ہو سکتا۔ وہ آج لاکھوں مسلمانوں کی عقیدتوں اور ارادتوں کا مرجع ہے۔ اس کے عزائم کی بلندی نے کئی مساجد و مدارس کی شکل میں فیضان سرمدی کے چشمے جاری کر دیئے ہیں۔ ان کے انتقال پر کامل بارہ برس گزر چکے ہیں۔ لیکن یقین ہے ان بارہ برسوں میں کوئی صبح یا شام ایسی نہ گزری ہوگی جب ان کی مغفرت اور بلندی درجات کے لئے کسی مسجد یا مدرسے یا خانقاہ میں ہاتھ نہ اٹھے ہوں۔

تعلیم

حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کی تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے تھانہ بھون کے تاریخی مدرسہ امدادیہ سے ہوا۔ جہاں انھیں حضرت حکیم الامت تھانوی کی سرپرستی حاصل تھی۔ ۱۹۲۷ء میں کہ ابھی ان کی عمر بارہ برس سے زیادہ نہ تھی۔ قرآن مجید کے حفظ کی سعادت حاصل کی۔ اس کے بعد کچھ عرصہ میرٹھ میں رہ کر مولانا محمد اختر سے فارسی کی ابتدائی کتابوں کی تحصیل کی۔ عربی کی تعلیم کے لئے مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور میں داخلہ لیا۔ جہاں انھیں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی خصوصی توجہ اور سرپرستی حاصل رہی۔ ۱۹۳۰ء میں آپ کا شوق دارالعلوم دیوبند کھینچ کر لے گیا۔ جہاں وقت کے حدیث، تفسیر، فقہ، ادب وغیرہ میں عالم اسلام کے نامور اساتذہ کرام موجود تھے۔ مولانا نے تقریباً سات سال دارالعلوم دیوبند میں گزارے اور وقت کے نامور اساتذہ جن میں شیخ التفسیر علامہ شبیر احمد عثمانی، شیخ الحدیث مولانا حسین احمد مدنی، شیخ الادب مولانا اعزاز علی، معقولات میں علامہ محمد ابراہیم بلیاوی، فقہ میں مولانا مفتی محمد شفیع (رحمہم اللہ اجمعین) سے استفادہ کیا۔ ان کا شمار دارالعلوم (دیوبند) کے لائق و فائق ترین طلبہ میں ہوتا تھا۔ اور الحمد للہ پاکستان میں ان کا وجود گرامی دارالعلوم کے لئے فخر کا موجب ثابت ہوا۔

مولانا تھانوی ۱۹۳۷ء میں دارالعلوم سے فارغ ہوئے۔ اس وقت تک برعظیم پاک و ہند کی سیاست میں وہ شورا شوری پیدا نہ ہوئی تھی۔ جو بعد کی خصوصیت تھی۔ اور جس کے اثرات سے دارالعلوم کے درو دیوار بھی متاثر ہوئے۔ وہ سیاست میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی سے متاثر نہ تھے۔ جب انہوں نے عملی زندگی میں قدم رکھا تو چند برسوں میں ملک میں سیاست کا طوفان آچکا تھا۔ اس زمانے میں ان کے سیاسی ذوق نے حضرت حکیم الامت تھانوی کی سرپرستی میں تربیت پائی۔ اور علامہ شبیر احمد عثمانی کی صحبت و رفاقت میں آگے کی منازل طے کیں۔

دارالعلوم دیوبند کا فیضان

دارالعلوم دیوبند میں قرآن ، حدیث ، اور فقہ کی تعلیم جس معیار پر اور جس انداز سے دی جاتی تھی اس کا جو امتیاز ہے وہ نہ صرف ہندوستان بلکہ ایشیاء اور تمام عالم اسلام میں اپنی مثال آپ ہے۔ لیکن کسی دارالعلوم یا یونیورسٹی میں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ علم کی انتہاء نہیں ہوتی۔ دارالعلوموں اور یونیورسٹیوں کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہوتا ہے کہ وہ طالب علم کی ذہنی و فکری تربیت کر دیتی ہیں۔ ان میں علمی ذوق پیدا کر دیتی ہیں۔ اور دل میں شوق علمی کی ایسی شمع روشن کر دیتی ہیں کہ وہ اس کی روشنی میں زندگی بھر علم و حکمت کے لئے سرگرداں رہتا ہے۔ اور جہاں کہیں بھی اسے علم و حکمت کی کوئی پونجی نظر آجاتی ہے۔ اس کی طرف دوڑتا ہے اور اسے حاصل کر لینے کی سعی میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اس کی نظر اتنی بلند ہو جاتی ہے کہ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ علم و حکمت کی یہ پونجی کس کے پاس ہے۔ طلب علم کے میدان میں وہ اپنے اور بیگانے سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اس کی نظر چہروں پر نہیں پڑتی۔ وہ صرف یہ دیکھتا ہے کہ کس کے منہ سے علم و حکمت کے پھول برس رہے ہیں۔ وہ ان پھولوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لینے اور علم کے موتیوں کو اپنی جیب و دامن میں بھر لینے اور جیب گوہر بنا لینے کا آرزومند ہوتا ہے۔ ایسا فارغ التحصیل طلب علم سے کبھی فارغ نہیں ہو سکتا۔ وہ زندگی بھر علم کا شائق اور طالب علم ہی رہتا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی تعلیم کا یہ بہت بڑا فیضان تھا کہ اس نے مولانا امتیاز علی کو علم کا حقیقی جویا و شیدا بنا دیا۔ وہ زندگی بھر حصول علم و حکمت میں مشغول رہے۔ ان کی طالب علمی کا زمانہ ان کی موت تک وسیع ہوتا چلا گیا۔ جن حضرات کو مولانا کے قرب کی سعادت اور ان کی مجلسوں میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا ہے وہ جانتے ہیں کہ مولانا نہ اپنے بزرگوں ہی کے سامنے باادب اور طالب علمانہ شان سے متوجہ نہیں رہتے تھے۔ بلکہ اپنے خردوں اور عام لوگوں کی

باتوں کو بھی وہ بہت توجہ سے سنتے تھے۔ اور ان میں سے عقل و فراست کی باتوں اور علم و حکمت کے موتیوں کو چن لیتے تھے۔

یونیورسٹی کے امتحانات

دارالعلوم دیوبند کی تربیت نے ان کے اندر جو شوق علمی پیدا کر دیا تھا اسی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے الہ آباد یونیورسٹی سے عربی، فارسی میں ہائی پروفیشنسی کے امتحانات پاس کئے اور دعوت و تبلیغ کے کاموں میں اور خصوصاً حکومت کے اعلیٰ طبقات میں دینی خدمات انجام دینے کے لئے انگریزی تعلیم کی ضرورت کو محسوس کیا۔ اور اس کی کمی کو پورا کرنے کے لئے پنجاب یونیورسٹی سے انگریزی کا ابتدائی امتحان بھی پاس کر لیا۔ ان امتحانات سے خواہ انہیں علمی فائدہ نہ ہوا۔ لیکن اس سے انہیں عربی و فارسی پر مزید عبور اور یونیورسٹی کی تعلیم کے انداز و معیار کا اندازہ ہو گیا۔ نیز ان کے اندر ایک اعتماد ہو گیا۔ انگریزی زبان میں بھی انہیں اس حد تک دسترس حاصل ہو گئی کہ وہ عام زندگی میں اپنے کاموں کی انجام دہی میں کسی کے محتاج نہ رہے۔

زمانہ طالب علمی کی خصوصیت

تعلیم کا زمانہ مولانا احتشام الحق نے بڑی شان سے گزارا تھا۔ تھانہ بھون میں حفظ قرآن کے دور سے گزر رہے تھے تو ان کے نہایت شفیق ماموں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی موجود و سرپرست جن کے گھر میں رہتے تھے۔ اور ناز و نعم کے ساتھ پرورش پاتے تھے۔ میرٹھ میں ان کے زمانہ تعلیم میں ان کے والد گرامی کا قیام بسلسلہ ملازمت تھا۔ مظاہر العلوم سہارن پور اور دارالعلوم دیوبند میں انہیں اپنے والد کے گھر اور ماموں کے گھر سے دور رہنا پڑا تھا۔ لیکن ان کے سرپرستوں نے عام مطبخ سے کھانا لینا پسند نہ کیا تھا۔ بلکہ ان کے لئے ایک الگ اور مستقل کمرے کا انتظام دارالعلوم کی طرف سے تھا اور کھانا پکانے کے لئے ایک

باورچی کا انتظام ان کے والد نے کر دیا تھا۔ ان کے ماموں حضرت حکیم الامت دارالعلوم کے سرپرست اور اس کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ اس لئے وہ تمام اساتذہ اور مدرسے کے دیگر عملے کی خصوصی نوازشوں کے مورد تھے۔ لیکن ان خصوصی توجہات کی وجہ صرف یہی نہ تھی بلکہ وہ اپنی ذہانت و فطانت اور شوق علمی کی وجہ سے بھی اساتذہ کے محبوب تھے۔ صاف ستھرا اور بہترین لباس اور روزانہ لباس کی تبدیلی اس زمانے میں بھی ان کا شعار تھا۔ ان کی شخصیت میں ایک شان و تمکنت اور رکھ رکھاؤ اس زمانے میں بھی تھا۔ لیکن اس میں غرور اور تجبر کا شائبہ نہ تھا۔ دارالعلوم کے ساتھیوں سے برابر کے دوستانہ روابط تھے۔ اور ان سے تعلقات میں اپنی خاندانی وجاہت کی پرچھائیں بھی نہ پڑنے دیتے تھے۔ سب سے عجز و انکسار سے پیش آتے تھے۔ اور اگر کسی ساتھی کی کوئی مجبوری محسوس فرما لیتے تھے تو اس کی حسب ضرورت خاموشی کے ساتھ اور ایسے انداز میں مدد فرماتے تھے۔ کہ اس کے جذبات کو ٹھیس بھی نہ لگے۔ مولانا احتشام الحق کی ان خوبیوں نے انہیں اپنے ساتھیوں اور دارالعلوم کے دیگر طلبہ کے نزدیک بھی ایک محبوب شخصیت بنا رکھا تھا۔

عملی زندگی کا آغاز

درسی تعلیم سے فراغت کے بعد انہوں نے اپنی اصلاحی و تبلیغی سرگرمیوں کے لئے دہلی کو مرکز بنا لیا۔ اور حکیم الامت حضرت تھانوی کی قائم کردہ مجلس دعوت الحق کے پروگرام کے مطابق جدید تعلیم یافتہ اور حکومت کے سربر آوردہ مسلمان افسروں میں کام کا آغاز کیا۔ انہوں نے بہت جلد دہلی کے سربر آوردہ طبقے میں رسوخ حاصل کر لیا۔ اس رسوخ حاصل کرنے میں جو چیز سب سے زیادہ ممد و معاون ثابت ہوئی۔ وہ ان کی بے نیازی، سیر چشمی اور استغنا تھا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد انہوں نے ابتداءً سبزی منڈی دہلی کے ایک محلہ شورہ کوٹھی کی ایک مسجد میں

پیش امامت کے فرائض انجام دیئے۔ پھر سنٹرل سکریٹریٹ کی جامع مسجد میں نماز جمعہ کی امامت و خطابت کی ذمہ داری قبول کرلی تھی۔ لیکن وہ تبلیغ و اشاعت اسلام اور امامت و خطابت کا کوئی معاوضہ نہیں لیتے تھے۔ یہ سب کام فی سبیل اللہ اور کسی لوث و لالچ کے بغیر انجام دیتے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر بڑا فضل تھا کہ ان کے والد ماجد مولانا ظہور الحق نے دہلی میں اتنی جائیداد پیدا کر دی تھی کہ اس کے کرائے کی آمدنی نے مولانا کے لئے فراغت کی زندگی گزارنے کا سروسامان مہیا کر دیا تھا۔

مولانا احتشام الحق تھانوی اپنی طالب علمی کے زمانے سے عمدہ لباس پہنتے تھے۔ لیکن اس زمانے میں صفائی اور سادگی اور مولویانہ وضع پر خاص زور دیا جاتا تھا۔ اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا کہ لباس کی عمدگی اور معیار ایسا نہ ہو جس سے دوسرے غریب اور مسافر طلبہ احساس کمتری میں مبتلا ہوں۔ اور خود مولانا کے دل میں جاگیردارانہ و سرمایہ دارانہ غرور جڑ پکڑ لے۔ لیکن تعلیم سے فراغت کے بعد انہوں نے عملی زندگی میں قدم رکھا اور دین کی خدمات اعلیٰ طبقوں اور جدید تعلیم یافتہ حضرات میں تبلیغ و اصلاح دین کو اپنا نصب العین بنایا تو انہوں نے وقت کے مسلمان شرفاء و امراء کے لباس کو اختیار کیا۔ اس زمانے میں شیروانی کے ساتھ ترکی ٹوپی اور انگلش بوٹ یا پمپ کا عام رواج تھا۔ ان کی تعلیم اعلیٰ پائے کی ہوئی تھی۔ یونیورسٹی کی اعلیٰ عربی ' فارسی کی تعلیم اور انگریزی سے واقفیت نے ان میں اعتماد پیدا کر دیا تھا۔ ٹھاٹ کے لباس اور عمدہ رہن سہن اور حکومت کے اعلیٰ مسلمان آفیسروں، پارلیمنٹ کے ارکان، مسلم لیگ کے اگلی صف کے رہنماؤں نے ان کے اندر سیاسی شعور بھی پیدا کیا تھا۔ اور سیاسی فکر کو جلا و مستحکم بھی کیا تھا۔ اس زمانے میں مولانا احتشام الحق تھانوی صرف ایک دینی مبلغ و مصلح ہی نہ تھے بلکہ سیاسی خدمات کے میدان میں بھی قدم رکھ چکے تھے۔ مولانا اس وقت ایک خطیب مولانا تھے۔ جو دینی علوم میں دسترس کے ساتھ سیاسی بصیرت کے حامل بھی بنتے جا رہے تھے۔ ان حالات کا تعلق مولانا کی عملی زندگی کے بالکل آغاز سے تھا۔

۱۹۴۰ء کے بعد جو سیاسی دور شروع ہوا تو مولانا کی سیاسی شخصیت کا نقش روز بروز ابھر کر ہوتا چلا گیا۔ اور قیام پاکستان کے وقت مصلح دین اور مبلغ اسلام کے ساتھ ایک مکمل سیاسی رہنما بھی بن چکے تھے۔ سیاسی زندگی کے آغاز میں سب سے بڑا محرک حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا مسلم لیگ کی طرف رجحان تھا اور بعد میں مولانا کے سیاسی فکر کو جو رسوخ حاصل ہوا اور خدمات انجام دیں۔ ان میں سب سے زیادہ حصہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کی صحبت و معیت اور رہنمائی کا ہے۔

تحریک پاکستان کا دور

اگر تحریک پاکستان کی کامیابی کا سہرا کسی جماعت کے سر باندھا جائے اور دیگر عوامل و محرکات اور پس منظر کے واقعات کو نظر انداز کر دیا جائے تو اس سہرے کی سزاوار مسلم لیگ کے سوا کوئی دوسری جماعت نہیں ہو سکتی۔ لیکن مسلم لیگ اپنے رہنماؤں کا عام مسلمانوں میں ہرگز اعتماد پیدا نہ کر سکتی تھی۔ اگر اس کے ہراول دستے میں حکیم الامت مولانا اشرف تھانوی ان کے متوسلین اور خاص طور پر حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی دیو بندی رحمہم اللہ اجمعین شامل نہ ہوتے۔ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی اس دور میں علمائے کرام کی اسی جماعت اور مسلم لیگ کے ہراول دستے میں شامل تھے۔

اس زمانے میں حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کی دینی و سیاسی سرگرمیوں کا دائرہ پورے ہندوستان تک پھیل گیا تھا۔ انہوں نے تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے میں مسلم لیگ کا ہر محاذ پر بے غرضانہ ساتھ دیا۔ تحریک پاکستان اور اس کے مقاصد سے متعارف کرانے کے لئے انہوں نے پورے ملک کا دورہ کیا۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں جلسوں اور مجلسوں سے خطاب کیا۔ ۱۹۴۵ء ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں شب و روز کام کیا۔ جمعیت علمائے اسلام کے قیام میں وہ نہایت سرگرم تھے۔ سرحد

کے ریفرنڈم میں انہوں نے انتھک محنت کی اور اپنے آرام اور راحت کی پروا نہ
کی۔ لیکن اس سلسلے میں انہوں نے مسلم لیگ سے ریل کا کرایہ تک وصول نہ کیا۔
نوابزادہ لیاقت علی خان کے بارے میں تو معلوم ہے کہ وہ جماعتی کاموں کے سلسلے
میں ریل کے فرسٹ کلاس کا کرایہ اور دیگر اخراجات وصول کرتے تھے۔ لیکن
حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کے بارے میں ایسی کوئی شہادت موجود نہیں۔
حالانکہ اگر وہ مسلم لیگ سے سفر کے اور دوسرے ضروری اخراجات وصول کرتے تو
یہ کوئی عیب اور بے ضابطہ بات نہ ہوتی۔ دوسرے کارکن و رہنما اور علمائے دین
پورا پورا سفر خرچ وصول کرتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مولانا کو ایسی بلند فطرت
' فراخ حوصلے ' اعلیٰ ظرف اور ایثار و قربانی کے جوہر سے نوازا تھا کہ انہوں نے کسی
چھوٹی بڑی رقم کو اپنے جائز اور ضروری اخراجات کی حد تک وصول کرنا بھی اپنے
ذوق و نظر کی بلندیوں سے بہت پست پایا۔

مولانا احتشام الحق تھانوی کی ایک اور خوبی جس پر حضرت قاری شریف احمد
مدظلہ نے روشنی ڈالی۔ قیام پاکستان سے قبل الیکشن اور مسلم لیگ اور جمعیت علمائے
ہند اور دیگر قوم پرور جماعتوں کے ہنگامے ' جن کا سب سے بڑا مرکز دہلی اور اس کے
قرب و جوار میرٹھ ' بجنور ' سہارنپور وغیرہ کے علاقے تھے۔ قاری صاحب
موصوف کی آنکھوں کے سامنے کے واقعات ہیں۔ وہ فرماتے ہیں لیگ کے جلسوں
میں عام مقررین سے لے کر رہنما اور علماء تک اپنے مخالفین کی شان میں گستاخانہ اور
شرمناک جملے کہہ جاتے تھے۔ حتیٰ کہ بعض مقامات پر مسلم لیگی قوم پرور مسلمانوں کو
خصوصاً مولانا ابو الکلام آزاد ' مولانا سید حسین احمد مدنی ' مولانا احمد سعید دہلوی '
مولانا حفظ الرحمان ' سیوہاروی کی جان کے لاگو اور آبرو کے دشمن ہو گئے تھے۔ اس
میں مسلم لیگ کے عام کارکن سے لے کر لیگ کے صف اول کے راہنماؤں تک کا
حصہ ہے۔ لیکن حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کی زبان سے جوش و جذبات کے
اس دور میں بھی کسی مخالف جماعت کے اکابر و اصاغر کے لئے کبھی کوئی کلمہ ' استہزا '

کسی قسم کا طنز و تعریض یا کوئی سخت جملہ تک نہ نکلا۔ یہ ان کے اخلاق کی بلندی اور سیرت کی ارجمندی کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ قیام پاکستان کے بعد مولانا کی زندگی کے جو ۳۳'۳۴ سال گزرے ہیں اور سیاست کے دائرے میں جو لیل و نہار انہوں نے دیکھے تھے ان میں وہ اپنے استاد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی سیاست اور اصابت رائے کے بہت قائل ہو گئے تھے۔

مولانا احتشام الحق کے بارے میں اسی قسم کی بات ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے بیان فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے ذاتی تقویٰ و تدین کے (اعتراف کے) علاوہ اب تو ایسے لوگوں کی کمی نہیں ' جو ان حضرات کے سیاسی موقف کے بارے میں اپنی رائے پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ خود مولانا احتشام الحق تھانوی نے آج (جون ' جولائی ۱۹۷۰ء) سے تقریباً تین سال قبل جامعہ ' اشرفیہ لاہور میں جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کچھ ایسے الفاظ کہے تھے کہ

" اب جو حالات پیش آ رہے ہیں ان کو دیکھ کر تو یہ خیال ہوتا ہے کہ تحریک پاکستان کے بارے میں ان حضرات کی رائے زیادہ درست تھی۔ جو یہ کہتے تھے کہ پاکستان میں فروغ اسلام کو نہیں فرق باطلہ اور الحاد و اباحیت کو حاصل ہو گا۔"

(جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی ' ۱۹۷۷ء لاہور ' صفحہ ۷۱)

لیکن یہ حالات تو تاریخ قیام پاکستان کے وقت ہی سے نظر آنے لگے تھے۔ اور مولانا تھانوی کی ان پر نظر بھی تھی لیکن مولانا تھانوی نے شروع ہی سے اس کے لئے وعظ و نصیحت اور اصلاح کی راہ اختیار کر لی۔ جبکہ جماعت اسلامی نے تنقید و تنقیص اور تعریض و تردید کی راہ اپنائی۔

جمعیت علمائے اسلام کا قیام

۱۹۴۷ء سے قبل ہی مولانا احتشام الحق تھانوی کی ایک خدمت قومی کا تذکرہ

رہ گیا اور وہ ہے جمعیت علمائے اسلام کا قیام اس کے لئے تھوڑی سی تمہید کی ضرورت ہے۔ حضرت مولانا قاری محمد شریف مدظلہ فرماتے ہیں کہ مولانا تھانوی کو اعتراف تھا کہ مسلم لیگ کوئی اسلامی جماعت نہ تھی۔ وہ ایک کل قومی جماعت تھی۔ اس کا مقابلہ کانگریس سے تھا۔ کانگریس میں اکثریت ہندوؤں کی تھی۔ اور اس میں مسلمان، عیسائی، پارسی وغیرہ شامل تھے۔ مسلم لیگ میں اکثریت مسلمانوں کی تھی اور اس میں آغا خانی اسماعیلی قادیانی شامل تھے۔ اسلامی جماعت اگر کوئی تھی تو وہ جمعیت علمائے ہند تھی۔ مجلس احرار اسلام (ہند) بھی اس ضمن میں آتی ہے۔ ان کے علاوہ جمعیت قریش، مومن کانفرنس وغیرہ تھیں۔ انہیں ہم مسلمان ذیلی قومی جماعتیں کہہ سکتے ہیں۔ آزادی کی تحریک میں کانگریس کو ان جماعتوں کا تعاون حاصل رہا تھا۔ اس کے مقابلے میں مسلم لیگ کو مسلمان اکثریت کا تعاون حاصل تھا۔ بہت سے علماء و مشائخ بھی مسلم لیگ کے ہم خیال تھے۔ لیکن جمعیت علمائے ہند جیسی علمائے کرام کی کوئی مقتدر جماعت مسلم لیگ کی حلیف نہ تھی۔ مسلم لیگ میں مخلصین کی کمی نہ تھی۔ لیکن اس میں سرمایہ داروں، جاگیرداروں، نوابوں، خان بہادروں، وغیرہ کی اکثریت تھی۔ اور وہی صاحب فکر و رائے سمجھے جاتے تھے ان میں سے اکثریت کی سیرتیں فسق و فجور کے انہیں سانچوں میں ڈھلی ہوئی ہیں۔ جو عام طور پر سرکار پرست امراء کی سمجھی جاتی ہیں۔ یہ مسلم لیگ کا بہت کمزور پہلو تھا۔ مولانا احتشام الحق مرحوم فرماتے تھے کہ ہمیں جمعیت علمائے ہند کی سیاسی فکر سے اختلاف تھا۔ لیکن مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا احمد سعید، مولانا ابو المحاسن محمد سجاد بہاری، مولانا حفظ الرحمان وغیرہم کی سیرت، ان کے اخلاص، ان کے سچے جذبہ حریت، ان کے ایثار ان کی قربانیوں کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہ تھا اس بارے میں دو رائے نہیں ہو سکتی تھی کہ ان سے اچھی سیرت کے لوگ ناپید تھے۔ بہ حیثیت جماعت کے کوئی ایسا اجتماعی ملی مسلم لیگ کا حلیف نہ تھا۔

جمعیت علمائے اسلام کا قیام دراصل مسلم لیگ کی ضرورت تھا۔ مسلم لیگ

کے ایماء پر اس کا قیام عمل میں آیا تھا۔ مسٹر محمد علی جناح کو خاص طور پر اس سے دلچسپی تھی۔ اس سلسلے میں جن علمائے دیوبند کی اس قیام سے دلچسپی اور جن کی سرگرمیوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے ان کا اخلاص' ان کا علم و فضل' علوم و معارف اسلامیہ میں ان کا تبحر مسلمات سے تھا۔ لیکن ان میں سے کوئی سیاسی آدمی نہیں تھا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی کو اس کا صدر بنایا گیا تھا۔ لیکن اس کے قیام سے حضرت مرحوم کی دلچسپی اور اس کے کاموں میں سرگرمی کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ وہ اس کے پہلے اجلاس میں شریک بھی نہیں ہوئے تھے۔ اس اجلاس میں متعدد قراردادیں پاس کی گئیں۔ اس کی سب سے اہم قرارداد الیکشن میں مسلم لیگ کی حمایت اور مسلمان ووٹروں سے اس کے امیدواروں کو کامیاب بنانے کی اپیل پر مشتمل تھی جو لوگ اتنی تعداد میں کلکتہ میں جمع تھے اس کے بعد وہ صرف مسلم لیگ کے جلسوں میں نظر آتے تھے الیکشن میں مسلم لیگ کی کامیابی کے بعد جمعیت کا نام بھی سننے میں نہ آیا قیام پاکستان کے بعد کچھ عرصے تک اس کا نام سنا گیا' مولانا سید سلیمان ندوی' مفتی محمد شفیع وغیرہ اس کے صدر بنائے گئے' لیکن کسی کے نزدیک اس کی اہمیت ان کے اپنے وجود گرامی سے زیادہ نہ تھی' دو ایک اجلاس بھی ہوئے' کئی اتحادوں میں بھی اس کا نام شامل نظر آتا رہا' پھر وہ اپنا وجود بھی برقرار نہ رکھ سکی اس کے بعد اس پر جمعیت علمائے ہند کے سیاسی فلسفے پر یقین رکھنے والوں کا قبضہ ہو گیا اور آج مسلم لیگ کی حلیف جمعیت علمائے اسلام کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔

مولانا احتشام الحق تھانوی نے جمعیت علمائے اسلام کی قرارداد کے مطابق مسلم لیگ کی حمایت میں ملک کے دور دراز کے علاقوں کے دورے کئے سینکڑوں تقریریں کیں اور مسلمان ووٹروں کو مسلم لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دینے کے لئے آمادہ کر دیا بجنور' سہارن پور' میرٹھ' مظفر نگر' وغیرہ کے علاقوں میں چونکہ جمعیت علمائے ہند کے اثرات بہت زیادہ تھے اور نواب زادہ لیاقت علی خان میرٹھ ڈویژن کے حلقے سے کھڑے ہوئے تھے ان کے لئے اس علاقے سے الیکشن جیتنا ان

کی آن کا منظر تھا' ان شہروں میں معرکہ سر کرنے میں اور ان حضرات کو الیکشن میں جتوانے میں مولانا احتشام الحق تھانوی کا حصہ سب سے زیادہ تھا۔ جس کا اعتراف نواب زادہ صاحب نے بھی کیا تھا' لیکن اس سلسلے میں انہوں نے مسلم لیگ سے ایک پائی بھی وصول نہ کی' تمام اخراجات اپنی جیب خاص سے کئے' حتیٰ کہ لیگ کے زیر انتظام انہوں نے کسی جگہ قیام کرنا بھی گوارا نہیں کیا' وہ جہاں کہیں بھی گئے اپنے کسی عزیز یا دوست کے ہاں قیام کیا جلسے میں شرکت کی' تقریر فرمائی اور آگے چل پڑے' پبلک جلسوں کے مقابلے میں انہوں نے نجی کی مخصوص مجلسوں میں زیادہ کام کیا جہاں بحث و مباحثے کی صورت بھی پیدا ہو جاتی تھی' لیکن مولانا نے اپنی خوش بیانی اور قوت استدلال سے خواص اور سربرآوردہ حضرات کی ذہنی اور فکری طور پر کایا پلٹ کر دی' الیکشن کے لئے کام کرنے کی اگرچہ انہیں بہت کم فرصت ملی تھی' اس کے باوجود انہوں نے ان شہروں میں عوام اور خواص کے ذہنوں اور ان کے انداز فکر میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔

تحریک پاکستان کی تاریخ میں مولانا احتشام الحق تھانوی کی یہ خدمات زریں حروف میں لکھی جائیں گی۔

پاکستان فکری تاریخ کا پہلا حادثہ

مولانا احتشام الحق تھانوی قیام پاکستان سے ایک ہفتہ قبل کراچی پہنچ گئے تھے اور دستور ساز اسمبلی کے پہلے اجلاس کے ممبرین میں شامل تھے اور جب مسلم لیگ کے صدر اور پاکستان کے گورنر جنرل نے ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو پہلی پالیسی تقریر کی اور فرمایا کہ پاکستان میں نہ کوئی ہندو ہے نہ مسلمان نہ عیسائی' نہ پارسی' سب پاکستانی ہیں اور سب اس مملکت کے یکساں شہری ہیں' سب کا حکومت میں برابر کا حصہ ہے ہندو آزاد ہیں وہ اپنے مندروں میں جائیں عیسائی اپنے گرجوں میں اور مسلمان اپنی

سمجھداں میں مذہب ہر شخص کا شخصی معاملہ ہے حکومت کے کاموں سے اس کا کوئی تعلق نہیں تو اس سے مولانا کے دل کو اور ان کے جذبات صادقہ کو سخت ٹھیس لگی' اس منظر نے مولانا کو حد درجہ تڑپا دیا کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان' مملکت خداداد اور اسلام کے نام پر حاصل کئے جانے والے ملک کا پہلا وزیر قانون اور دستور ساز اسمبلی کا چیئرمین جوگندر ناتھ منڈل ہے' مولانا کے نزدیک یہ نظریہ پاکستان سے پہلا انحراف تھا' لیکن مولانا احتشام الحق تھانوی اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کے لئے بڑی مشکل تھی۔

اولاً" یہ کہ ابھی پاکستان نے حقیقت کا روپ بھی اختیار نہ کیا تھا ۱۳' اگست میں جب پاکستان کا خواب حقیقت بننے والا تھا' ابھی تین دن باقی تھے۔

ثانیاً" تاریخ پاکستان کے یہ نہایت اہم اور نازک ترین ایام تھے۔

ثالثاً" پاکستان کے لئے مسلمانوں نے جو قربانیاں دی تھیں اور آگ اور خون کے جو دریا عبور کر کے یہاں پہنچے تھے' ابھی ان کے سر چھپانے اور ذریعہ معاش کا کوئی انتظام بھی نہ ہوا تھا۔

رابعاً" پاکستان کو جن حالات میں حاصل کیا گیا تھا پاکستان اور اسلام دشمن قوتیں ان حالات کی نزاکت سے فائدہ اٹھانے کی تاک میں تھیں۔

خامساً" ان کا یہ خیال بھی تھا کہ یہ حکومت بہرحال اپنی ہے' نہ یہاں بیرونی استعمار ہے' اور نہ مقابلہ غیر مسلم قوتوں سے ہے اس لئے نئے حالات میں حکومت کے خلاف تحریک چلانے کا وہ انداز نہ ہونا چاہئے جو گزشتہ دور میں روا رکھا گیا تھا۔

ان حالات میں حضرت علامہ عثمانی اور حضرت مولانا تھانوی کا خیال تھا کہ اس وقت کوئی بحث چھیڑنے سے پاکستان کو ایسا نقصان پہنچے گا جس کی تلافی ناممکن ہوگی اور وقت کا کوئی اختلاف خواہ کتنا ہی معقول کیوں نہ ہو' اس سے اسلام دشمن فائدہ اٹھائیں گے' اس لئے ٹھیک یہی معلوم ہوا کہ اس وقت کوئی اختلاف پیدا نہ کیا جائے' اور اس کے لئے مناسب وقت کا انتظار ہی مصلحت وقت کا تقاضا ہے' لیکن

حالات نے دونوں بزرگوں پر واضح کر دیا تھا کہ انہیں پاکستان میں حکومت الہیہ کے قیام یا نظام اسلام کے نفاذ اور مملکت کو سیکولر راستے سے ہٹانے کے لئے ایک نئی تحریک کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

اس سے پہلے ۱۹۴۶ء کے اواخر میں جب مسلم لیگ نے عارضی حکومت میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا تھا اور مسلم لیگ کے حصے میں مسلمانوں کے کوٹے کی پانچ سیٹوں میں سے ایک سیٹ اچھوت لیڈر جوگندر ناتھ منڈل کو دے دی گئی تھی یہ بات پاکستان کی تحریک کے دعاوی اور مقاصد کے خلاف تھی' اس سے مخلص لیگیوں اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی اور دوسرے اسلامی ذہن رکھنے والے عوام و خواص کو تکلیف پہنچی تھی لیکن اس وقت حالت جنگ تھی' اس لئے خیال کر لیا گیا تھا کہ یہ کانگریس یا مخالفین پاکستان اور مسلم لیگ کے نکتہ چینیوں کے جواب میں قائد پاکستان کی کوئی چال ہے' اب 11 اگست کو دستور ساز اسمبلی کی تقریر نے قائد کے سیکولر خیالات اور نظام حکومت کے بارے میں ان عزائم سے بالکل پردہ ہٹا دیا تھا لیکن یہ تاریخ کا ایسا جبر اور حالات کا ایسا دباؤ تھا کہ اس وقت اختلاف پیدا کرنا مصلحت شناسی اور دور اندیشی کے خلاف تھا اور ان جہاں دیدہ و گرم و سرد چشیدہ بزرگوں کے نزدیک آئندہ کے بہترین امکانات کو ختم کر دیتا' اس لئے خاموش ہو گئے اور مناسب وقت کے انتظار میں رہے۔

اسلامی آئین سازی کی تحریک...... !

بانی پاکستان کی ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کی تقریر سے مملکت کی اساسی نظریاتی حیثیت کے بارے میں جو خطرہ پیدا ہو گیا تھا اس نے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا احتشام الحق تھانوی کو بہت مشوش کر دیا تھا اب ان کے سامنے اس مملکت خداداد کو اسلامی نظام کی راہ پر ڈالنے کا مقصد سب سے بڑھ کر تھا اس وقت دستور ساز اسمبلی

میں متعدد حضرات اسلامی ذہن رکھنے والے موجود تھے ان دو حضرات نے ان کو اپنے ساتھ ملا کر دستوری جنگ کا آغاز کیا' لیاقت علی خان پر زور ڈالا گیا کہ وہ تحریک پاکستان کے زمانے میں مسلم لیگ اور اس کے رہنماؤں کے دعاوی کے مطابق اسلامی دستور ملک میں نافذ کریں' اس سلسلے میں حضرت مولانا عثمانی اور حضرت مولانا تھانوی نے دوسرے علماء کے تعاون سے ایک قرارداد مرتب کی جس کے اعلان کے ذریعے پاکستان کی دستوری تاریخ میں قرارداد مقاصد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے' اب حضرت تھانوی کے سامنے اسلامی آئین کی تدوین کا مسئلہ تھا اس کے لئے کوششیں جاری تھی کہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی نے ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو انتقال فرمایا' حضرت تھانوی کو حضرت علامہ عثمانی سے خاص تعلق تھا اس لئے ان کے انتقال سے انہیں سخت صدمہ پہنچا لیکن اس سے بڑا خطرہ اسلامی آئین کی تدوین و نفاذ کی تحریک کو نقصان پہنچنے کا پیدا ہو گیا تھا مولانا تھانوی کی بصیرت و تدبر کی آزمائش کے لئے یہ بڑا کٹھن وقت تھا ایک مشکل یہ تھی کہ پاکستان میں دیوبندی تھانوی مکتب فکر کی اتنی بڑی وسیع العلم' صاحب فکر اور جامع صفات اور ماہر علوم معقولات و منقولات شخصیت موجود نہ تھی' جو علامہ شبیر احمد عثمانی کی جگہ لے سکتی' مولانا تھانوی نے اس سلسلے میں ہندوستان سے مناظر احسن گیلانی' سید سلیمان ندوی' وغیرہ کو بلانے کا فیصلہ کیا چنانچہ مولانا تھانوی' لیاقت علی خان' سے مشورے کے بعد ہندوستان تشریف لے گئے اور علامہ سید سلیمان ندوی کو لے آئے اور بورڈ تعلیمات اسلام کا انہیں چیئرمین بنوایا' اسلامی آئین کی تحریک کو موثر بنانے اور اسمبلی پر دباؤ ڈالنے کے لئے جمعیت علمائے اسلام کو سرگرم کیا اور حضرت علامہ ندوی کو اس کا صدر منتخب کروایا' لیکن بورڈ تعلیمات اسلام اور جمعیت کے نظام کو چلانے کے لئے حالات پر جس گہری نظر' تدبر و بصیرت کی صفات اور دبنگ شخصیت کی ضرورت تھی' حضرت علامہ کی شخصیت میں بہ قدر ضرورت بھی وہ صفات موجود نہ تھیں مگر وہ بہت بڑے اسلامی محقق تھے' وہ سیرۃ النبیؐ کے بے مثال مصنف تھے'

ان کی علمی، سوانحی، قرآنی تحقیقات سے اردو زبان میں بیش بہا اضافہ ہوا تھا، اردو ادب کو ان کے قلم نے ہم پایہ آسمان کر دیا تھا، لیکن عملی سیاسیات اور وقت کے تقاضوں سے قطعاً" نا آشنا تھے یا کم سے کم یہ کہا جا سکتا ہے کہ برسراقتدار طبقے سے کام لینے کے لئے جس تدبر اور جمعیت علمائے اسلام کو ایک فعال اور سرگرم عمل اور موثر جماعت بنانے کے لئے جن انتظامی صلاحیتوں کی ضرورت تھی وہ ان میں موجود نہ تھی اور حضرت تھانوی نے ان کے وجود گرامی سے جو توقعات قائم کی تھیں وہ کماحقہ پوری نہ ہو سکیں۔

یہی زمانہ تھا حکومت نے پہلا مسودہ قانون شائع کیا، حضرت مولانا تھانوی کو اندازہ ہو گیا کہ ابھی حکومت کا قبلہ درست نہیں ہے، ان کی نیتوں میں کھوٹ ہے یا دستور ساز اسمبلی کے اندر اسلامی ذہن رکھنے والے افراد غیر موثر ہیں اور ضرورت اس امر کی متقاضی ہے کہ اسمبلی کے باہر ایک موثر تحریک پیدا کی جائے، چنانچہ جنوری ۱۹۵۱ء میں حضرت مولانا تھانوی صاحب نے مختلف مکاتب فکر کے ۳۱ علماء کو اپنے ہاں دعوت دی اور متفقہ طور پر ۲۲ نکات مرتب کر کے حکومت کو پیش کر دیئے کہ ان اصول پر پاکستان کا دستور مرتب کیا جائے، خود مولانا تھانوی فرماتے ہیں۔

"جب پہلا مسودہ آئین سامنے آیا تو قطعاً" غیر اسلامی تھا اس پر ملک بھر سے مختلف مکاتب فکر کے ۳۱ ممتاز علماء کراچی میں جمع ہوئے، احقر (احتشام الحق) ہی کی دعوت پر یہ اجتماع ہوا تھا انہوں نے ۲۲ نکات مرتب کر کے حکومت کو پیش کئے کہ پاکستان کا دستور ان بنیادوں پر مرتب کیا جائے علماء کا یہ اجتماع پاکستان کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے یہ اجتماع میری دعوت پر منعقد ہوا تھا اور ان اعتراض کا جواب تھا کہ یہاں کون سا اسلام رائج کیا جائے، اس کے علاوہ ہم نے ملک بھر میں نظام اسلام کانفرنسیں منعقد کیں، اس کے بعد حکومت نے نیا دستوری مسودہ شائع کیا اس میں اسلام کے بنیادی اصول بڑی حد تک آ گئے تھے مگر کچھ باتیں ترمیم طلب تھیں علماء دوبارہ کراچی میں جمع ہوئے اور ایک ایک آرٹیکل پر اپنی سفارشات مرتب کر کے

حکومت کو گھیرا تھی" ۱۹۵۶ء کا آئین سامنے آیا جس میں یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ پاکستان میں اسلام کا معاشی و مالیاتی نظام نافذ کیا جائے اور اس سلسلے میں پانچ سال کی مہلت رکھی گئی تھی لیکن قوم کی بدقسمتی کہ اس پر عمل نہ ہو سکا اور ۱۹۵۸ء میں آئین سے وفاداری کا حلف اٹھانے والے ایوب خان نے اس کو منسوخ کر دیا"

(ہفت روزہ چٹان' لاہور ۲ اکتوبر ۱۹۶۹ء)

تحریک ختم نبوت.........۱

اکتوبر ۱۹۵۱ء میں لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد ملک پر مایوسی کے بادل چھا گئے تھے' مولانا تھانوی از سر نو تحریک کے آغاز کا سوچ ہی رہے تھے کہ اسی زمانے میں تحریک ختم نبوت شروع ہو گئی' اور اس نے پورے ملک کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی' مولانا احتشام الحق تھانوی اس تحریک کے نہایت سرگرم رہنما تھے' ساہیوال' اوکاڑہ' راولپنڈی میں بعض ایسے واقعات پیش آئے کہ قادیانیوں کے مرکز ربوہ سے ۱۵ جنوری ۱۹۵۳ء کو ایک اعلان شائع ہوا کہ قادیانی اس کا بدلہ خون سے لیں گے اس سلسلے میں جن پانچ صاحبوں کو قتل کرنے کا اعلان کیا گیا تھا اس میں ایک نمایاں نام مولانا احتشام الحق تھانوی کا تھا' لیکن مولانا تھانوی نے اس دھمکی کی ذرہ برابر پرواہ نہ کی' وہ برابر جلسوں میں شریک ہوتے رہے اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا مطالبہ زور و شور سے کرتے رہے لیکن اس تحریک کی اہمیت کے پیش نظر جو غیر منظم کوششیں ابھی تک ہو رہی تھیں' وہ بالکل ناکافی تھیں چنانچہ ان کوششوں کو موثر بنانے اور منظم کرنے کے لئے ۳ جون ۱۹۵۲ء کو کراچی میں ایک مجلس مشاورت طلب کی گئی' جس میں ایک بورڈ تشکیل دیا گیا اس کا صدر مولانا سید سلیمان ندوی کو اور کنوینر مولانا احتشام الحق تھانوی کو مقرر کیا گیا۔ ۱۶ تا ۱۸ جنوری ۱۹۵۳ء کو کراچی میں ایک آل پاکستان مسلم پارٹیز کونشن بلایا جائے' جس میں مسئلہ

قادیانیت پر غور کرکے قطعی فیصلہ اور اس کے مطابق لائحہ عمل مرتب کیا جائے۔

اسلامی آئین سازی کی تحریک

اس فیصلے کے بعد جنوری ۱۹۵۳ء کے وسط تک مولانا کو مہلت مل گئی، مولانا تھانوی کے نزدیک چونکہ ملک کے لئے اسلامی آئین کا مسئلہ بہت اہمیت رکھتا تھا، مولانا تھانوی نے اس مہلت کو غنیمت جان کر ڈھاکہ (مشرقی پاکستان) میں ایک کانفرنس بلانے کی کوشش کی۔ نومبر ۱۹۵۲ء میں یہ کانفرنس منعقد ہوئی، اس میں ایک بیان کے مطابق پچاس ہزار علماء اور ایک لاکھ سے زائد عوام مسلمانوں نے شرکت کی، اس کی کامیابی کا سہرا مرکزی جمعیت علمائے اسلام کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کے سر تھا، کانفرنس کی کامیابی سے حکومت کے حلقوں میں کھلبلی مچ گئی، ۱۵ نومبر کو کانفرنس ختم ہوئی تھی کہ ۱۹ نومبر کو خواجہ ناظم الدین نے ملک کے دس معتدر علماء کو گفتگو کرنے کے لئے کراچی آنے کی دعوت دی، اصل باعث اور محرک شخصیت مولانا احتشام الحق تھانوی کی تھی، خواجہ ناظم الدین نے پرائم منسٹر ہاؤس میں ان علماء کا استقبال کیا، ان کے ساتھ سردار عبدالرب نشتر اور مولوی تمیز الدین خان بھی تھے، مولانا احتشام الحق تھانوی نے رئیس وفد ہونے کی حیثیت سے دستور کے سلسلے میں علماء کے خیالات کی ترجمانی کی، اس کے نتیجے میں ۱۰ جنوری ۱۹۵۱ء کو پاکستان کے معتدر علمائے کرام کا ایک اور اجتماع ہوا جس میں ۳۳ علماء نے شرکت فرمائی اور اسلامی آئین کے بائیس بنیادی نکات کی توثیق فرمادی، اور پہلے ڈھاکہ کانفرنس میں جو اعلان کیا گیا تھا کہ "کوئی ایسا دستور قابل قبول نہیں کیا جائے گا جو اسلام کے نام پر بنایا گیا ہو مگر اس کی روح سے خالی" اب مختلف مکاتب فکر کے علماء کے اس اجتماع نے اس اعلان پر مہر توثیق ثبت کردی، ۱۹۵۲ء کا آئین علماء کے انہی متفقہ ۲۲ نکات کی بنیاد پر تھا۔

تحریک ختم نبوت..... ۲

۱۶ تا ۱۸ جنوری ۱۹۵۳ء کو کراچی میں ۱۳ جولائی ۱۹۵۲ء کے فیصلے کے مطابق آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن ہوا۔ اس کی کامیابی میں سب سے بڑا حصہ مولانا احتشام الحق تھانوی کی کوششوں کا تھا۔ اس میں متعدد مطالبات کئے گئے اور منظم تحریک چلانے کا فیصلہ کیا گیا۔ مختلف مذہبی جماعتوں کی جنرل کونسل بنائی گئی۔ اور ان کے چودہ ممبروں پر مشتمل ایک مجلس عمل تشکیل دی گئی۔ حکومت کو ایک ماہ کا نوٹس دیا گیا کہ وہ کنونشن کے مطالبات کو مان لے۔ اس سلسلے میں کراچی اور لاہور میں مختلف وفود نے خواجہ ناظم الدین سے ملاقات کی۔ کراچی میں جو وفد مولانا سید سلیمان ندوی کی سربراہی میں خواجہ صاحب سے ملا تھا اس میں مولانا احتشام الحق تھانوی بھی شریک تھے۔ ایک مہینے کے نوٹس کی مہلت گزرنے کے بعد آئندہ اقدام کے غور کرنے کے لئے ۲۶ فروری کو پھر جنرل کونسل کا اجلاس بلایا گیا۔ مولانا تھانوی نے اس میں سرگرم حصہ لیا۔ اور اس تحریک کو آگے بڑھانے کی کوششوں کا آغاز ہوا۔ ۶ مارچ ۱۹۵۳ء کو لاہور میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ پنجاب میں وسیع پیمانے پر گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ منیر انکوائری کمیشن قائم کیا گیا۔ ان حالات کے تسلسل میں ۱۹۵۵ء کا آخر آ پہنچا۔

۱۹۵۶ء میں اسلامی آئین کی منظوری کے بعد یہ توقع تھی کہ ۱۹۶۱ء تک ملک میں اسلام کا معاشی و مالیاتی نظام قائم کر دیا جائے گا۔ حضرت مولانا تھانوی اس دوران میں اصلاح و تبلیغ کے کاموں میں مسلسل مصروف رہے۔ ملک اور بیرون ملک کے دورے کئے۔ سینکڑوں مذہبی و سیاسی جلسوں اور سیرت اور دیگر موضوعات پر بیسیوں کانفرنسوں سے خطاب کیا۔

تحریکات ملی میں مولانا تھانوی مدظلہ کا حصہ

تحریک پاکستان تاریخ مسلمانان ہند و پاکستان کی اہم تحریک تھی۔ قیام پاکستان کے بعد دستور سازی اور اسلامی نظام کے نفاذ کی تحریک پاکستان کے مقاصد قیام کے

لحاظ سے پاکستان کی روحانی زندگی اور صحت فکری کی تحریک تھی۔ اگر دستور سازی کے وقت پاکستان کے قیام کے مقاصد کو فراموش کر دیا جاتا تو پاکستان کے قیام کا کوئی جواز باقی نہ رہتا۔ مولانا احتشام الحق تھانوی نے تاریخ کی ان دونوں عظیم الشان تحریکوں میں حصہ لیا۔ اور اپنے بے نظیر رہنمایانہ کردار سے پاکستان کی تاریخ میں خود اپنے لئے اور اپنی جماعت کے لئے ایک سنہری باب کا اضافہ کیا۔ ان کا وجود گرامی اکابر اسلاف کے لئے قابل فخر بن گیا ہے۔ اور اخلاف کے لئے وہ اپنی سیرت کے نقوش نمونہ اور نقش قدم رہنما چھوڑ گئے ہیں۔

پاکستان کی تاریخ میں تیسری عظیم الشان تحریک قادیانیوں کے خلاف ناموس ختم رسالت کے تحفظ کی تحریک تھی۔ مولانا تھانوی نے اس میں بھی نہایت سرگرم حصہ لیا۔ شورش کاشمیری مرحوم نے تحریک "ختم نبوت" کے نام سے جو کتاب لکھی ہے۔ اس میں انہوں نے حضرت مولانا کی کوششوں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس تحریک میں مولانا تھانوی کا حصہ اس سے بہت زیادہ ہے۔

دارالعلوم ٹنڈو الٰہ یار کا قیام

مولانا احتشام الحق تھانوی کی ملی خدمات کا تذکرہ مکمل نہیں ہو سکتا۔ جب تک دارالعلوم ٹنڈو الہ یار (سندھ) کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کی معیت و مشورت کے بعد انہوں نے دارالعلوم دیو بند کے طرز و شان کا ایک دارالعلوم قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا کارنامہ اور عظیم الشان منصوبہ تھا۔ جس کی تکمیل کا مولانا نے عزم کیا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے مولانا تھانوی نے ۲۰ نومبر ۱۹۴۹ء کو دیوبندی مکتب فکر کے متعدد اکابر علمائے کرام کو اس سلسلے میں مشورے کے لئے کراچی آنے کی دعوت دی۔ اس اجتماع میں حضرت علامہ نے ایک مجلس شوریٰ ترتیب دی۔ اور ایک سب کمیٹی بنائی کہ جس کے ذمے یہ کام تھا کہ دارالعلوم کے قیام کے لئے جگہ کا انتخاب کرے۔ قدیم نظام و نصاب تعلیم پر غور کرے اور حالات و وقت کی ضرورت کے مطابق ان میں اصلاحات تجویز کرے۔ دارالعلوم کے لائق اساتذہ کے انتخاب اور مدرسہ کے

لئے مالی وسائل کی فراہمی کے بارے میں بھی تجاویز مرتب کرے۔ مولانا احتشام الحق تھانوی شوریٰ اور سب کمیٹی دونوں میں شامل تھے۔ اور سب سے زیادہ سرگرم اور فعال وہی تھے۔ ابھی یہ کام ابتدائی مراحل سے بھی نہ گزرا تھا۔ کہ اس اجتماع کے صرف ۲۲ دن کے بعد ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو حضرت علامہ عثمانی کا انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال سے مولانا تھانوی کو شدید صدمہ ہوا۔ اور ان پر گوناگوں ذمہ داریوں کا بوجھ آن پڑا۔ حضرت علامہ اگرچہ آخری دنوں میں عملی جدوجہد سے الگ ہو گئے تھے۔ وہ مسلسل بیمار رہتے تھے۔ لیکن مولانا تھانوی کو حضرت کی ذات سے بڑی ڈھارس تھی۔ ان کے انتقال کے حادثے میں مولانا تھانوی کے لئے بڑی آزمائش تھی۔ انہوں نے ہمت نہ ہاری۔ وہ اس آزمائش سے سرخرو نکلے۔ اور ۱۹۵۰ء کے ختم ہونے سے پہلے مولانا تھانوی کی ہمت بلند نے دارالعلوم قائم کر دیا۔ اس میں وقت کے لائق ترین اساتذہ اور علوم و فنون کے ماہرین کو جمع کر دیا۔ جہاں چند برس کے اندر ملکی اور غیر ملکی طلبہ کی ایک بڑی تعداد جمع ہو گئی۔ اور نہ صرف پاکستان میں بلکہ شمالی مغربی اسلامی ممالک سے لے کر جنوب مشرقی ایشیاء اور افریقہ و یورپ کے ممالک تک دارالعلوم تک دھوم مچ گئی۔ مولانا احتشام الحق تھانوی دارالعلوم کے قیام سے لے کر اپنی وفات تک اس کے مہتمم اعلیٰ رہے۔ دارالعلوم کی تاریخ کا یہ دور نہایت تابناک تھا۔ دارالعلوم کا قیام حضرت تھانوی کی کتاب زندگی کا ایک روشن باب اور پاکستان میں دینی تعلیمی تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے۔

جیکب لائن کی مسجد اور دینی مرکز

قیام پاکستان سے قبل مولانا دہلی میں مرکزی سیکرٹریٹ کی مسجد میں خطیب تھے۔ سیکرٹریٹ کے مسلمان ملازم اور حکام پاکستان تشریف لائے تو انھیں جیکب لائنز میں کوارٹر الاٹ کئے گئے۔ ان میں بہت سے لوگ دہلی سے مولانا تھانوی سے واقف تھے۔ ان کی خطابت کو پسند کرتے تھے۔ تحریک پاکستان میں ان کے مساعی سے آشنا اور ان کے معترف تھے۔ بہت سے لوگوں سے مولانا کے دوستانہ روابط تھے۔ یہ کئی اسباب تھے۔ جن کی بناء پر حضرت تھانوی نے جیکب لائنز میں قیام کو پسند کیا۔ اس

زمانے میں یہاں پر ایک چھوٹی سی مسجد تھی۔ مولانا نے پاکستان میں اپنی جدوجہد کا مرکز بنانے کے لئے اس چھوٹی سی مسجد کا انتخاب کیا۔ ان کی طبیعت دشوار پسند نے اسی چھوٹی سی مسجد کو تحریکات ملی کا ایک عظیم الشان مرکز بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ آج ہم اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ کر یہ تصدیق کر سکتے ہیں کہ یہ چھوٹی سی مسجد کراچی کی بڑی مساجد میں شمار ہوتی ہے۔ وہ مولانا تھانوی کی زندگی ہی میں ملی مرکز کی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔ مدرسہ عربیہ اور دارالافتا یہاں قائم تھا۔ جس کے فتوے ملک بھر میں عزت و احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔

ایک ایمان افروز واقعہ

جامع مسجد جیکب لائنز کے بارے میں مولانا تھانوی مرحوم نے ایک نہایت ایمان افروز واقعے کا ذکر فرمایا کہ مولانا عبدالخالق مرحوم بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ کے ایک رکن اور نہایت متقی اور زاہد شب زندہ دار شخص تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ انہوں نے حالت بیداری میں حضرت رسول اکرم علیہ الصلوۃ والتسلیمات کی زیارت فرمائی۔ انہوں نے کہا کہ جمعہ کے دن میں نے دیکھا کہ مسجد (جیکب لائنز) نمازیوں سے خالی ہے۔ اور سرور کونین ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ مولانا عبدالخالق صاحب کا کہنا تھا کہ ان کو حضور سرور کائنات ﷺ کی یہ مقدس زیارت حالت بیداری میں ہوئی تھی۔

مولانا تھانوی مرحوم فرماتے تھے کہ حضور ﷺ کی اسی تشریف فرمائی کی برکت ہے کہ انہیں کبھی مسجد کے لئے چندے کی اپیل نہیں کرنی پڑی۔ حالانکہ مسجد کی تعمیر میں لاکھوں روپے صرف ہو چکے ہیں۔ دوسری اہم بات جو مشاہدے میں آئی وہ یہ ہے کہ یہ مسجد روز و شب میں کسی وقت تلاوت کرنے والوں، نوافل اور اوراد و وظائف ادا کرنے والوں سے خالی نہیں رہتی۔

اس سے مسجد کی تعمیر میں مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم کے مساعی کا عنداللہ مقبول ہونا ثابت ہوتا ہے۔

آج حضرت تھانوی کے انتقال کے تقریباً بارہ برس کے بعد بھی یہ مسجد

دعوت و ارشاد اور تبلیغ و اشاعت کا بہت بڑا مرکز ہے۔

درس قرآن

۱۔ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کو قدرت نے بہترین ذہنی اور فکری صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ مختلف علوم و فنون میں ان کا مطالعہ بہت وسیع اور نظر بہت گہری تھی۔ لیکن انہوں نے دینی خدمت کے لئے عملی زندگی کا جو میدان اپنے لئے چنا تھا یا حالات وقت کے تقاضوں نے اس میدان تک ان کی رہنمائی کی تھی۔ جہاں فراغت و کتاب و گوشہ نشینی کا اطمینان و سکون مفقود تھا۔ اس کے باوجود وہ مطالعے کے لئے تو وقت نکال لیتے تھے۔ لیکن تحریر و انشاء کے لئے فرصت ہمیشہ ناپید رہی۔ البتہ قرآن حکیم کی تعلیم و اشاعت کی طرف ان کی طبیعت کا میلان فطری تھا۔ اور انقلاب فکر اور اصلاح امت کے لئے قرآن حکیم کی تعلیمات کی اہمیت کا جو نقش زمانہ طالب علمی میں دل پر ثبت ہوا تھا۔ وہ روز بروز گہرا اور روشن ہوتا چلا گیا۔ قرآن حکیم کے درس و تفسیر سے ان کے ذوق کو خاص مناسبت تھی۔ اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ جب روزنامہ جنگ "کراچی میں ان سے درس قرآن حکیم شروع کرنے کی درخواست کی گئی تو وہ فوراً اس کے لئے آمادہ ہو گئے۔ اور ۲۵ دسمبر ۱۹۶۵ء سے اپنی وفات اپریل ۱۹۸۱ء تک برابر وہ جنگ کے لئے تفسیر تحریر فرماتے رہے۔ اور کچھ ذخیرہ وہ اپنے پیچھے بھی چھوڑ گئے۔ جو ان کی وفات کے بعد بھی ایک مدت تک چھپتا رہا۔

جنگ کا یہ نہایت مقبول کالم تھا جو پورے پاکستان میں تمام مسالک کے مسلمانوں میں یکساں طور پر مقبول تھا۔ حضرت مولانا تھانوی اسے آسان اور عام فہم زبان میں تحریر فرماتے تھے۔ وہ اختلافی مسائل کے بیان سے اپنے قلم کو ہمیشہ بچاتے تھے اور کہیں کوئی ایسا نکتہ بیان نہ فرماتے تھے جس سے کسی مسلک پر ضرب پڑتی ہو۔ یا کسی مسلمان کی دل شکنی ہو۔ ان کی تحریر کا اسلوب بہت ہی دل نشین ہوتا تھا۔ جو دل پر اثر کرتا تھا۔ تفسیر میں وہ ایک مستقل دبستان فکر کے مالک تھے۔

۲۔ لیکن جنگ میں تفسیر کی اشاعت سے قبل وہ ریڈیو پاکستان سے اپنے

درس قرآن کا آغاز فرما چکے تھے۔ جو نہ صرف پاکستان میں ریڈیو کے سامعین میں بہت مقبول سلسلہ تھا۔ بلکہ پاکستان کے باہر جہاں کہیں پاکستان ریڈیو کے سامعین پائے جاتے تھے انہیں درس قرآن کے نشریے کا انتظار رہتا تھا۔ ریڈیو کے درس قرآن کی زبان اور اسلوب بیان کی وہی خصوصیات تھیں۔ جن کا ذکر جنگ میں درس قرآن کے سلسلے میں ہو چکا ہے۔ لیکن ریڈیو پر حضرت تھانوی کی زبان کی شیرینی اور خطابت کی لطافت اس کی دل کشی میں مزید اضافہ کر دیتی تھی۔ ایک مرتبہ کسی وجہ سے کچھ عرصے کے لئے درس قرآن بند ہو گیا۔ تو ملک بیرون ملک سے ان کے درس قرآن کے دوبارہ اجراء کے لئے ریڈیو حکام کو اتنے خطوط اور احتجاجی تار اور ٹیلی فون آنے شروع ہو گئے کہ حکام کو بالآخر سپرانداز ہونا پڑا۔ اور حضرت تھانوی کا درس قرآن دوبارہ جاری ہو گیا جو مولانا کی وفات تک جاری رہا۔

سیرت کی ایک خوبی

روزنامہ جنگ میں قرآن کی تفسیر اور ریڈیو پاکستان سے مولانا تھانوی کے درس قرآن سے ان کی سیرت کا یہ پہلو بھی نمایاں ہو کر سامنے آیا ہے کہ وہ دین کی کوئی خدمت ہو۔ لوجہ اللہ انجام دیتے تھے۔ اور اس کے لئے کسی معاوضے کے بھی روادار نہیں ہوئے۔ چنانچہ جنگ کے ایڈیٹر اور ریڈیو پاکستان کے ڈائریکٹرز کی نہایت معقول پیش کش کو انہوں نے قبول کرنے سے قطعاً انکار کر دیا تھا۔

اگر کوئی صاحب ہمت جنگ میں مطبوعہ سلسلہ تفسیر کو جمع کر لے اور کوئی صاحب ایثار اسے چھپوا دے تو یہ نامکمل ہونے کے باوجود وقت کی ایک بے نظیر تفسیر ہو گی جو اسلامی احکام کی توضیح و تشریح، معرفت و طریقت کے بے شمار ایمان پرور نکتوں، شریعت اسلامیہ کے فکر انگیز رموز اور احکام الٰہیہ کے پوشیدہ حکم کا ایک بے مثال اور عجیب و غریب مجموعہ ثابت ہو گا۔

بے مثال فقیہ و متکلم

حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کی عملی سرگرمیوں نے ان کے بے شمار

ذہنی و دماغی صلاحیتوں اور علمی و فکری کمالات کو ابھرنے کا موقع نہیں دیا۔ اور خطابت تو گویا ان کے رنگِ تغافل کے لئے پردہ پوش بن گئی تھی۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اگر مولانا تھانوی اپنی ذہنی و دماغی قابلیتوں کی اور علمی و فکری صلاحیتوں کو تصنیف و تالیف کے میدان میں صرف فرماتے تو دنیا حیرت زدہ رہ جاتی۔ ان کی تفسیر میں ان کے خصائص کا علمی اظہار ہوا۔

فقہ میں حضرت تھانوی کی دو چیزیں نظر سے گزری ہیں۔ ان میں سے ایک شادی کمیشن رپورٹ پر ان کا تنقیدی اختلافی نوٹ ہے۔ اور دوسری چیز ذوالفقار علی بھٹو کیس کے حوالے سے اسلام میں "شہادت" کے اصول و شرائط کے بارے میں ایک استفسار کا جواب ہے۔ جو مکمل جواب یا فتوے کی حیثیت سے شائع ہوا تھا۔ یہ عام سائز کی کتاب کے تین صفحوں کی آخری سطر تک پہنچنے سے قبل ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ فقہ اسلامی قوانین میں ان کی نظر کتنی گہری، مطالعہ کتنا وسیع، اور ذہن کیسا نکتہ رس تھا۔

مولانا احتشام الحق تھانوی ۱۹۵۵ء میں مقرر کئے جانے والے شادی کمیشن کے واحد عالمِ دین رکن تھے دیگر تجدد پسند ارکان نے ان کے اختلاف کو نظر انداز کرکے رپورٹ کو مرتب کر دیا تھا۔ جب رپورٹ مرتب ہو کر سامنے آئی تو مولانا نے اس پر اختلافی نوٹ لکھنا ضروری سمجھا۔ لیکن کمیشن نے مولانا کے اختلافی نوٹ کو رپورٹ میں نہ صرف یہ کہ مکمل شائع نہیں کیا بلکہ جو کچھ شائع کیا تھا وہ بھی نہایت ناقص انداز میں تھا۔ اس سے مولانا تھانوی کے بارے میں غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے مولانا نے اسے الگ کتابچے کی شکل میں شائع کر دیا۔ میری نظر سے مولانا کا وہ کتابچہ نہیں گزرا۔ البتہ مولانا عبدالماجد دریابادی نے صدق جدید لکھنؤ میں اسے قسط وار شائع کر دیا تھا۔ اسے دیکھا ہے۔ اس کی پہلی قسط ۲۱ ستمبر ۱۹۵۶ء کو اور سترھویں اور آخری قسط ۲۴ مئی ۱۹۵۷ء کو شائع ہوئی۔ ہر قسط صدق جدید کے تقریباً دو کالموں پر مشتمل ہے۔ اس لئے ایک عام اندازے کے مطابق عام کتاب کے دو سو صفحوں سے زیادہ کا مواد اس میں موجود ہے۔ اس سے حضرت

مولانا تھانوی کے علم و فکر اور ان کی سیرت کے کئی پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔

۱...... اس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا تھانوی کی نظر فقہ میں کتنی گہری، باریک بین، نکتہ رس اور مطالعہ کتنا وسیع اور علم کتنا مستحضر تھا۔

۲...... اس کے مطالعے سے مولانا کے طرز استدلال کی جو خوبیاں علم میں آتی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا وقت کے بہت بڑے متکلم اور منطقی بھی تھے۔

۳...... اس کے مطالعے سے مولانا کی حق گوئی، بے باکی، جرات اور بے غرضی کا پتا بھی چلتا ہے۔

مولانا تھانوی کی شاعری

مولانا احتشام الحق تھانوی کو اللہ تعالیٰ نے سخن فہمی میں کمال عطا فرمایا تھا۔ اساتذۂ فن کے ہزاروں عربی، فارسی اور اردو کے اشعار ان کے حافظے میں محفوظ تھے۔ جنہیں وہ اپنے خطبات اور عام مجلس کی گفتگو میں موقع بہ موقع استعمال کرتے۔ اور انگوٹھی میں نگینے کی طرح جڑتے چلے جاتے تھے۔ جب کوئی شعر پڑھتے تو معلوم ہوتا تھا کہ گویا یہ شعر اس موقع کے لئے شاعر نے کہا تھا۔ لیکن یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ مولانا خود بھی شاعر تھے۔ اور کچھ کلام حضرت کی بیاضوں میں محفوظ ہے۔ وہ شاکر تخلص کرتے تھے اور مولوی شوق اسعدی سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ مولانا کی دو غزلیں اور چند رباعیات جو روزنامہ جنگ کراچی میں شائع ہوئی تھیں۔ نظر سے گزری ہیں۔ بطور نمونہ ایک غزل کے چند شعر جو زمانہ طالب علمی میں یکم ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ (۱۹۳۴ء) کی یادگار ہے، یہ ہیں۔

کسی کو دل میں رکھنا چاہتا ہوں
کہ دیوانہ بنانا چاہتا ہوں
ادا رگ رگ کے کرتا قتل مجھ کو
مزے لے لے کر مرنا چاہتا ہوں

میری آنکھیں کئے دیتی ہیں ظاہر
جو راز دل چھپانا چاہتا ہوں

ایک اور غزل جوانی کے ابتدائی زمانہ شاعری کی یادگار ہے۔ اس کے چند شعر ہیں۔

عجب کیا یاد کرتا ہو کوئی مہرباں مجھ کو
دم آخر جو پیہم آ رہی ہیں ہچکیاں مجھ کو
کیا یک بارگی کیوں ختم اے سوز نہاں مجھ کو
نہ کیوں جلنے دیا گھل گھل کے تو نے شمع سا مجھ کو
کسی کی غفلتوں نے بھر دیا جام قلب اپنا
نہ یارا اب تحمل ہے نہ اب ضبط فغاں مجھ کو

اب ۱۳۴۳ھ کی دو رباعیاں بھی ملاحظہ فرمائیے۔ اس سے مولانا کے طرز کلام کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

صافے میں نہ جبہ میں کرامت ہے اب
بس ہیٹ لگانے میں شرافت ہے اب
افسوس صد افسوس کہ مسلم کے لیے
داڑھی کے بڑھانے میں حماقت ہے اب

لوگوں کا ہر اک کام بھی کرنا مشکل
انکار پہ طعنوں کا بھی سہنا مشکل
افسوس کہ اعزاز کے ساتھ اے شاکر
دنیا میں شریفوں کا ہے رہنا مشکل

مولانا کی ایک اور رباعی ملاحظہ ہو۔

زاہد ، کہیں محتسب، کہیں نذرانہ ہے
صاحب سے کہیں جنت سے یارانہ ہے

دنیا کے طلب گاروں کی حالت مت پوچھ
ہر ایک یہاں نام کا دیوانہ ہے

ان اشعار کے مطالعے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ غزل میں وہ روایتی شاعری اور رباعیات میں اکبر الہ آبادی کے طرز و فکر شعر سے متاثر تھے۔

خطیب اعظم

مولانا احتشام الحق تھانوی اس دور کے بہترین خطیب تھے۔ برصغیر نے جو نامور اور گنے چنے عوامی خطیب پیدا کئے تھے ان میں حضرت کا نام بہت نمایاں ہے۔ لیکن ایک بے مثال عوامی خطیب کہہ کر ہم ان کی خطابت کی شان اور ان کے خطیبانہ کمالات کے بیان سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ وہ ایک جادو بیان اور عوام کے نہایت مقبول خطیب تھے۔ اس میں ان کے کمال علمی وسعت مطالعہ، مشاہدہ زبان پر عبور، استدلال کی بہترین قابلیت، حاضر دماغی، قوت استحضار کا کمال، عربی فارسی اور اردو ادب و شعر پر گہری نظر اور ہزاروں اشعار کا برزبان ہونا، خوش ذوقی و خوش مذاقی پر لطف حکایات اور علمی و ادبی لطائف کی فراوانی پھر ان کی بھاری بھرکم اور پر رعب شخصیت جس سے علمی وقار اور عالمانہ شان وغیرہ وغیرہ کمالات علمی اور خصائص ذہن و فکر کا اور شخصیت کی وجاہت کا اظہار ہوتا تھا۔ اور یہ سب خصائص مل کر انہیں ایک بے مثال خطیب ماننے پر مجبور کر دیتے تھے۔

ان کی تقریر و خطابت کی ایک بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ صرف عوام کے جذبات ہی سے کام نہیں لیتے تھے بلکہ وہ اپنے سامعین کو سوچنے اور دماغ سے کام لینے پر مجبور کر دیتے تھے۔ ان کی خطابت میں شعلہ نوائی کی نسبت دعوت کا پہلو زیادہ نمایاں ہوتا تھا۔ وہ جذبات کو بھڑکانے سے زیادہ عقل و ہوش سے کام لینا سکھاتے تھے۔ ان کی خطابت میں محض زبان کی رنگینی اور دلکشی نہ ہوتی تھی۔ اس میں علم و فکر اور تفقہ اور تدبر کی قسمیں موجود ہوتی تھیں۔ چنانچہ حضرت تھانوی کی تقاریر سے عوام جتنے خوش ہوتے تھے خواص کی دلچسپی کا سرو سامان بھی ان میں اسی قدر ہوتا تھا۔ انہیں خوبیوں کی وجہ سے وہ عوام سے لے کر خواص تک کے مقبول

ترین خطیب تھے۔

مولانا کے لئے خطیب پاکستان، خطیب الامت، خطیب زماں وغیرہ القابات و خطابات استعمال کئے گئے ہیں۔ یہ ہماری محض کم مائیگی ہے کہ ہم ان کی شان خطابت کو بیان نہیں کر پا رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا شمار فن خطابت کے تمام اصول و شرائط کے لحاظ سے دنیا کے صف اول اور عظیم ائمہ خطابت میں ہوتا ہے۔

اگرچہ خطابت کے تحریر و کتابت میں آجانے کے بعد ان کی اصل شان خطابت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ لیکن اگر کوئی صاحب حضرت مولانا کے خطبات و تقاریر کو مرتب کرکے شائع کرے تو اس مجموعے سے ان کی علمی و فکری خوبیوں اور اصلاحی و دعوتی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت مولانا کے یہ خطبات بے شبہ لیلان الہی کا سرچشمہ ثابت ہوں گے۔

کسی صاحب ہمت کو اس طرف متوجہ نہ پاکر خاکسار راقم الحروف نے اس کام کی انجام دہی کا عزم کر لیا ہے۔ اگر توفیق الہی مساعد ہوئی تو ان شاء اللہ جلد ہی حضرت مولانا کے خطبات کا ایک مجموعہ قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہو گا۔

مجموعہ محاسن

مولانا احتشام الحق تھانوی مشرقی تہذیب اور ہماری قدیم وضع داری کا مجسمہ تھے۔ جس شخص سے، جس سطح کے اور جس دائرے میں ان کے تعلقات قائم تھے۔ وہ انہیں نبھاتے تھے۔ وہ بہت فراخ حوصلہ، وسیع القلب، کشادہ دست اور بلند خیالات کے مالک تھے۔ حق گوئی اور بے باکی میں ان کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ ہمیشہ بلا خوف لومۃ لائم اظہار حق فرماتے تھے۔ کتمان حق کو وہ شدید ترین معصیت اور بد تر از کفر سمجھتے تھے۔ لیکن ان کی حق گوئی محض اظہار حق اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ہوتی تھی۔ کسی کی دل آزاری کو وہ گناہ سمجھتے تھے۔ ان کی مجلس میں ہر مکتب، خیال و فکر کے لوگ آتے تھے۔ لیکن دل پر کوئی گراں باری لے کر نہ اٹھتے تھے۔ مولانا کی شگفتہ مزاجی مشہور تھی۔ وہ بہت باغ بہار شخصیت کے مالک تھے۔ پر لطف حکایات اور عمدہ لطائف سے مجلس کو زعفران بنا دیتے تھے۔ وہ ذہن بندی،

بریلوی یا اہل سنت، اہل حدیث کے اختلافی مسائل کو عام طور پر نہ چھیڑتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ ان کے مسائل کے سوا بھی دین کی خدمت کا میدان اتنا وسیع اور اصلاح و دعوت و ارشاد کے کام اتنے عظیم ہیں کہ ہماری زندگیاں ان کے لئے ناکافی ہیں۔ بدعات کا خاتمہ اور عقائد و رسوم کی اصلاح ان کی زندگی کا بہت بڑا مقصد تھا۔ لیکن اس کے لئے وہ کسی ایک فرقے کو نشانہ کبھی نہ بناتے تھے۔ مسلمان مکاتب فکر کے لئے وہ صلح کل کی پالیسی پر عمل پیرا تھے۔ لیکن فرق و مذاہب باطلہ کے لئے وہ شمشیر برہنہ تھے۔ اسماعیلی، آغاخانی، قادیانی، پرویزی، جماعت اسلامی کے وہ سخت مخالف تھے۔

ان کی حق گوئی کے سلسلے میں انہیں ان مذاہب و فرق باطلہ کی شدید تنقید اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ انہیں سرکاری مولوی اور حکومت سے فائدہ اٹھانے کا مجرم گردانا گیا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اگر ان کے مقام کے تعین کی کوشش کی جائے تو ان کا اصل مقام سرکاری اور درباری کے بجائے حکومت کے مخلص ناصحوں اور ناقدین میں ہوگا۔ بلاشبہ پاکستان کی پہلی اور بعد میں آنے والی بعض حکومتوں میں ان کے دوستوں اور واقفوں کی ایک بڑی تعداد تھی اور ان میں سے بعض کو وہ اسلام اور نظریہ پاکستان کا مخلص سمجھتے تھے۔ لیکن مولانا نے ان تعلقات سے ذاتی فائدہ اٹھانے کے بجائے لوگوں کو نفع رسانی یا اسلامی آئین سازی کے لئے استعمال کیا۔ وہ کسی شخص کی جائز سفارش کے لئے ہمیشہ مستعد رہتے تھے۔ اور اس کی کار برآری کے لئے اپنی جیب سے اخراجات برداشت کرکے سفارش یا اس کا حق دلوانے یا اس کی کوئی اور جائز شکایت دور کرانے کے لئے اپنے آرام کو اس کی رفع تکلیف و شکایت پر قربان کردیتے تھے۔ البتہ حکومت میں جوں جوں بیوروکریسی کے اثرات بڑھنے شروع ہوئے ان کی تشویش میں بھی اضافہ ہونے لگا تھا۔ اور رفتہ رفتہ حکومت کے دائرے میں ان کے تعلقات کم ہوتے چلے گئے۔

بیوروکریسی سے ناراضگی

بیوروکریسی سے وہ سخت ناراض تھے۔ اور اپنے ایک انٹرویو میں اس سے

اپنی ناراضگی کے اسباب پر انہوں نے ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے۔

"میں نے اپنی اکثر تقریروں میں بلاشبہ بعض سی ایس پی آفیسروں کو سوشلزم کے فتنے کی سرپرستی کا الزام دیا ہے۔ اور مجھے آج بھی اس پر اصرار ہے کہ ملک میں ۲۲ برس تک سرمایہ دارانہ نظام کو چلانے اور اس نظام کی بدعنوانیوں کو فروغ دینے کی ذمہ داری انہی پر ہے۔ نیز ملک کی سیاسی جماعتوں کا گلا گھونٹنے اور جمہوریت کا جنازہ نکالنے میں بھی ان کا ہاتھ رہا ہے۔ ملک کے بنیادی مقاصد سے انحراف اور مذہبی اقدار کو پامال کرنے کے لئے سب سے زیادہ سازشیں اسی طبقے نے کی ہیں۔ نظریہ پاکستان کے خلاف سوشلزم کے لادینی فتنے کی پرورش بھی انہی کے ہاتھوں ہوئی اور اب بھی سوشلزم اور لادینی کو فروغ دینے میں ان کا خفی ہاتھ مصروف ہے۔

یہ ممکن ہے کہ اس طبقے میں بعض صحیح الخیال اور اسلامی ذہن رکھنے والے آفیسر بھی ہوں۔ جو اپنے عقیدے اور ذہن کے اعتبار سے ایسی سازشوں کو پسند نہ کرتے ہوں۔ لیکن ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ ان میں سے کسی نے ان سازشوں پر احتجاج کرتے ہوئے اپنی ملازمت سے استعفیٰ دیا ہو کہ یہ "آمر" انہیں اپنی "اغراض" اور "سیاست" کا آلہ کار بنا رہے ہیں۔ اور ان سے آئینی اور قانونی ضابطوں کے خلاف کام لیتے ہیں۔ اس لئے میرے نزدیک اس جرم میں تمام اعلیٰ آفیسر برابر کے شریک ہیں۔ کہ انہوں نے کرسی اقتدار پر بیٹھ کر یا سازش کی یا سازشیوں کے ساتھ خاموشی سے تعاون کرتے رہے۔"

(ہفت روزہ چٹان لاہور، ۲۷ اکتوبر ۱۹۶۹ء)

وہ اتنی بڑی اور معروف شخصیت، مشہور عالم دین اور بے غرض سیاسی رہنما تھے۔ کہ اگر کسی سے ملتے تو وہ ان سے بے التفاتی نہیں برت سکتا تھا۔ ایوب خان کے دور میں تو وہ کھل کر اپوزیشن میں آ گئے تھے۔ ڈاکٹر فضل الرحمان کے بعض افکار کی اشاعت کو انہوں نے ایوب حکومت کی اسلام دشمنی پر محمول کیا۔ یہاں تک کہ رویت ہلال کے مسئلے میں ان کے اختلاف نے تو انہیں قید و نظربندی تک

پہنچا دیا۔ اگرچہ ان کی نظربندی دو ماہ کے لئے تھی۔ لیکن ملک کے اندر سے اور اسلامی ممالک کی طرف سے ان پر اتنا دباؤ ہوا کہ ڈیڑھ ماہ کے اندر حکومت کو انہیں رہا کرنا پڑا۔

مجاہد اسلام

مولانا احتشام الحق تھانوی کی شخصیت کے محاسن' سیرت کے خصائص' اور گراں قدر خدمات کے تذکرے میں میرے سامنے پچاسوں مضامین ہیں۔ ان میں سے میں نے اس مضمون میں استفادہ کیا ہے۔ لیکن میں یہاں صرف شورش کاشمیری مرحوم کے انٹرویو کا اقتباس پیش کروں گا۔ شورش مرحوم نے یہ انٹرویو ۱۹۷۱ء میں لیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں۔

"مولانا احتشام الحق تھانوی کا شمار علمائے حق کے اس قافلہ' سخت جان میں ہوتا ہے۔ جنہوں نے اعلاء کلمۃ الحق کے لئے کبھی بھی مصلحت پسندی یا مداہنت سے کام نہیں لیا۔ قیام پاکستان سے قبل آپ نے تحریک پاکستان اور دو قومی نظریہ کی آبیاری کی' پاکستان بنا تو یہاں پر اسلامی دستور کی مہم چلی' اس میں بھی مولانا احتشام الحق تھانوی' حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی مدظلہ کے ہم رکاب رہے۔

بعض امور میں آپ سے سیاسی اختلافات ہو سکتے ہیں لیکن آپ کی نیت اور خلوص پر شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسلامی اصولوں پر آپ نے کسی سے کوئی سمجھوتا نہیں کیا۔ عید کے چاند کے سلسلے میں جب صدر ایوب نے آدھی رات کو چاند نکالا تو آپ کو بھی دیگر علمائے کرام کے ساتھ گرفتار کیا گیا۔ لیکن صدر ایوب پر زوال آکر رہا۔

آج جب یہاں کچھ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی اولاد بالخصوص اسلامی سوشلزم اور سوشلزم کا نعرہ بلند کر رہی ہے۔ تو آج پھر آپ سینہ سپر ہو کر ان باطل قوتوں کے مقابلے میں نکل آئے ہیں۔ اور اسلام کا پرچم بلند کئے۔ شہر شہر قریہ قریہ جا رہے ہیں۔ اور مسلمانوں کو اس فتنے سے آگاہ کر رہے ہیں۔ آج وہ اس فتنہ کے خلاف لڑنے والوں کی صف اول میں ہیں اور مرکزی جمعیت علمائے اسلام کی

تنظیم نو کے بعد ملک کے گوشے گوشے اور کونے کونے کا دورہ کر رہے ہیں۔ تاکہ عوام کو اس فتنے کے صحیح خدوخال سے روشناس کرایا جائے۔

مولانا کی خطابت میں سحر ہے جو سادہ دل اور ان پڑھ عوام اور نئی تعلیم کے پروردہ لوگوں پر یکساں اثر کرتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جہاں وہ جاتے ہیں سوشلزم کے مدلل گھیرا جاتے ہیں۔ مولانا احتشام الحق تھانوی کے مخالفین ان پر الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے صدر ایوب کے دور میں دوٹ پرمٹ لئے۔ فیکٹریاں بنائیں اور متعدد مراعات حاصل کیں۔ لیکن یہ باتیں اور الزامات سراسر غلط ہیں۔ اور مولانا کا کہنا ہے۔

"صدر ایوب کے دور ہی میں نہیں اس سے پہلے بھی میں نے ارباب اقتدار سے اپنے تعلقات کو کبھی ذاتی منفعت کے لئے استعمال نہیں کیا۔ میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے ساتھ پاکستان بننے سے پہلے کراچی پہنچ چکا تھا۔ چاہتا تو بہت کچھ اکٹھا کر لیتا۔ لیکن میں نے اپنی متروکہ جائیداد کے سوا کچھ نہیں لیا۔ اور اگر کوئی شخص یہ ثابت کر دے کہ میری کوئی فیکٹری ہے یا کوئی ٹرانسپورٹ یا اسی نوع کی کوئی اور جائیداد تو میں یہ جائیداد اسی کے حوالے کر دوں گا۔"

مولانا کی پوری زندگی دینی جدوجہد میں گزری ہے۔ نظریۂ پاکستان پر وہ کسی بھی قیمت پر کوئی سمجھوتا نہیں کر سکتے۔ سوشلزم کی مخالفت میں وہ کتنے آگے بڑھ گئے ہیں۔ اور ایوب خان کے دور اقتدار میں رویت ہلال کے مسئلے پر اس وقت کے صدر ایوب سے ٹکرا گئے اور مولانا کو جیل جانا پڑا۔ پولو گراؤنڈ (باغ جناح) میں عیدین کی نماز پڑھاتے تھے۔ تو حکومت نے انہیں امامت سے روک دیا۔ اس کے بعد آپ نشتر پارک میں عیدین کی نماز پڑھاتے ہیں۔ یہاں بھی نمازیوں کا بہت بڑا اجتماع ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ آپ نے دین کے لئے کیا۔ مگر حق و صداقت کا دامن نہیں چھوڑا۔ آپ اس وقت اسلام کے عظیم مجاہد ہیں۔"

مولانا کی آرزو

اسلامی آئین کی تدوین و نفاذ کے لئے مولانا احتشام الحق تھانوی کے مساعی

کا ذکر آ چکا ہے۔ مولانا کی زندگی کے نصب العین اور ان کی دلی آرزو کو انھیں مسائل میں تلاش کرنا چاہئے۔ ایک مسلمان ' عالم دین اور تحریک پاکستان کے سچے رہنما کی حیثیت سے ان کی یہ دلی آرزو تھی کہ اللہ کا دین کسی خطہ ' زمین پر عملاً جاری و ساری ہو جائے۔ چنانچہ انھوں نے ایک ملاقات میں فرمایا۔

"دینی اور مذہبی رہنما کی حیثیت سے یہ میری دلی آرزو رہی ہے کہ اللہ کا دین کسی بھی خطہ ' زمین پر اس طرح جاری ہو جائے کہ اسلام کی صحیح صورت سامنے آجائے۔ میری زندگی کی بہترین خواہش یہ ہے کہ سرزمین پاکستان میں اللہ کا دین عملی صورت میں نافذ ہو۔"

اہل و عیال

ا..... حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی پر اللہ تعالی کے جو بے شمار انعامات و اکرام تھے۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ انھیں ایک رفاہ پرست اور دین دار شریک حیات مل گئی تھی۔ جو اپنی نیک سرشت اور پاک طینت کی بدولت مولانا کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور قلب کے لئے سرور و طمانیت کی موجب تھی۔ حضرت مولانا کی اہلیہ کا نام حسنیٰ تھا جو اپنی سیرت اور صورت دونوں لحاظ سے اسم باسمیٰ تھیں۔ وہ بہت کشادہ دست اور مفلسوں اور ناداروں کی مدد کرنے میں فراخ حوصلہ خاتون تھیں۔ ان کا تعلق تھانہ بھون کے فاروقی خاندان سے تھا۔ وہ سید محمد مرحوم کی بیٹی اور اکبر علی تھانوی کی نواسی تھیں۔منشی اکبر علی تھانوی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے سگے بھائی تھے۔ حضرت مولانا کی شادی ۱۹۴۰ء میں انجام پائی تھی۔ یہ خاتون دینی علم اور اسلامی تعلیم و تربیت سے آراستہ تھیں۔ جیکب لائنز میں ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ خواتین سے ان کا خطاب ہوتا تھا۔ وہ بہت متاثر انداز میں خواتین کو دین کی باتیں بتاتی اور وعظ و نصیحت فرماتی تھیں۔ اللہ تعالی نے ان کے بیان میں تاثیر پیدا کر دی تھی۔ جس کی بدولت سیکڑوں مسلمان خاندانوں میں دینی انقلاب آگیا تھا۔

اللہ تعالی نے انھیں اولاد کی نعمت سے نوازا تھا۔ ان کی زندگی کی سب سے

بڑی مصروفیت اور شوق بچوں کی پرورش اور اسلامی تربیت تھی۔ ان کے اس ذوق و شوق نے گھر کے معاملات اور بچوں کی تعلیم و تربیت کی طرف سے حضرت مولانا تھانوی کو بہت مطمئن اور بے فکر کر دیا تھا۔ حضرت مولانا کی مفارقت کا صدمہ ان کے لئے بڑا جان کاہ تھا۔ لیکن انہوں نے بڑی ہمت اور حوصلے کے ساتھ اسے برداشت کیا۔ ۲۲ مارچ ۱۹۸۹ء کو انہوں نے انتقال فرمایا اور جیکب لائنز میں اپنے نامدار شوہر حضرت مولانا تھانوی کے پہلو میں آسودہ خواب ابدی ہیں۔

۴..... حضرت مولانا احتشام الحق کو اللہ تعالیٰ نے آٹھ بیٹے اور پانچ بیٹیاں عطا کیں۔ تمام اولاد اسلامی تعلیم و تربیت سے آراستہ ہے۔ کئی بیٹے مستند عالم دین اور حافظ قاری ہیں۔ ہر کسی نے بقدر ہمت و ذوق انعامات و کرامات اب میں سے حصہ پایا ہے۔ مولانا احترام الحق تھانوی نے اپنے والد کے سیاسی ذوق اور ملت اسلامیہ کی خدمت کے شوق سے خاص حصہ پایا ہے۔ اور مولانا تنویر الحق تھانوی دین کی خدمت میں حضرت مولانا تھانوی کے جانشین ہیں۔ دیگر بیٹوں نے اپنے اپنے ذوق عمل کے مطابق مختلف میدانوں کا انتخاب کیا ہے۔ تمام اولاد کو اپنے والد گرامی کی شخصیت پر فخر ہے۔ اور ان میں کوئی ایسا نہیں جس کے اعمال اپنے والد گرامی کی پاکیزہ سیرت اور اجلے دامن کے لئے داغ اور انگشت نمائی کا باعث ہوں۔ حضرت مولانا تھانوی کے تمام صاحبزادگان کے اسمائے گرامی بالترتیب یہ ہیں۔

۱۔ مولانا احترام الحق تھانوی ' ۲۔ احتسام الحق تھانوی ' ۳۔ انتظام الحق تھانوی ' ۴۔ افتخار الحق تھانوی ' ۵۔ نظام الحق تھانوی ' ۶۔ شان الحق صدیقی تھانوی ' ۷۔ مولانا تنویر الحق تھانوی اور ۸۔ قاری ضیاء الحق صدیقی تھانوی

سانحہ وفات

حضرت مولانا احتشام الحق کی پوری زندگی اسلام کی تبلیغ و اشاعت مسلمانوں کی اصلاح ' دعوت و ارشاد اور خدمت قوم و ملک میں گزری تھی۔ اور جب وقت موعود آیا تب بھی وہ میدان عمل میں اعلاء کلمۃ الحق اور اسلام کی دعوت اور سیرت نبویؐ کا پیغام پھیلانے ملک سے باہر اور جنوب مشرقی ہند کے سفر

مدراس میں تھے۔ وہ ۲۶ مارچ ۱۹۸۱ء کو کراچی سے دہلی تشریف لے گئے تھے۔ وہاں دیوبند تھانہ بھون ' سہارن پور ' اور مدراس کا سفر اختیار کیا تھا۔ اس دوران میں انہوں نے سیرت کے موضوع پر بیسیوں تقریریں کیں۔ ۱۱ اپریل کو بعد نماز جمعہ عظیم الشان سیرت کانفرنس (مدراس) منعقد ہونے والی تھی اور حضرت مولانا کی تقریر سننے کے لئے لاکھوں مسلمان بے تاب نظر آرہے تھے۔ لیکن اس صبح ان پر دل کا دورہ پڑا اور وہ عالم مسافرت میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ شب کو ان کی میت کراچی میں لائی گئی۔ صبح کو نشتر پارک میں ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اب جامع مسجد جیکب لائنز کے ایک گوشے میں آسودہ خاک اور محو خواب ابدی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمت دین اور غم گساری ملت اور اسلام اور امت مسلمہ کے لئے ان کے مساعی کو قبول فرمائے۔ ان کے مراتب بلند ہوں اور جوار رحمت الٰہی میں جگہ پائیں۔

حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کی وفات محض ایک عالم دین اور سیاست دان کے انتقال کا حادثہ نہ تھا بلکہ ان کے انتقال سے ایک دور علم و تہذیب کا خاتمہ ہو گیا۔ ان کی شخصیت صرف شمع انجمن ہی نہ تھی بلکہ وہ اپنی ذات سے اسلامی اخلاق اور مشرقی روایات کی ایک مستقل انجمن اور مجموعہ خوبی تھے۔

حضرت مولانا مرحوم کی وفات پر قومی صحافت اور مذہبی دینی اداروں اور ان کے علمی تعلیمی جرائد نے نیز قومی رہنماؤں ' شاعروں ' علمائے امت ' مختلف مذاہب و فرق کے ائمہ وقت نے جس طرح ماتم کیا اور ان کی خدمات کا اعتراف نیز فضائل و محاسن کو خراج تحسین پیش کیا۔ اس کی کوئی دوسری مثال پاکستان کی تاریخ میں مشکل سے پیش کی جا سکے گی۔

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہ نے مولانا تھانوی مرحوم کی درج ذیل تاریخ وفات لکھی ہے۔

کریم النفس ۱۹۱۴ء ' مولانا ۱۲۴۸ احتشام الحق ۸۸۹ تھانوی ۳۷۲ ' ۱۹۸۰ء

(تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیے "حیات احتشام" مؤلفہ محمد اکبر شاہ بخاری شائع کردہ ' پرنٹر ہشنب کمپنی اردو بازار لاہور)

زہے گور و کفن و جس میں اب یہ گل ودیعت ہے
الٰہی وہ خرم و رخشندہ رو کا گل پژمانہ
کفن قسمت پہ نازاں ہے کہ ایسا گل طرار آیا
لحد سرمست ہے جس کو ملا ہے ایسا مستانہ
تصور ہی سے رحلت کے کلیجہ منہ کو آتا ہے
کے روتے ہیں عارف آج مل کر خویش و بیگانہ
صدا ہاتف کی آئی ہے تحمل کیجئے عارف
زمانہ بھر سے کہہ دیجئے یہ پیغام حکیمانہ
کبھی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور میخانہ

نتیجہ فکر۔ شیخ حدیث حضرت مولانا مشرف علی صاحب تھانوی مد ظلہ العالی

خُطباتِ احتشام

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے رموز و نکات

بمقام شہری مسجد پشاور صدر، مورخہ ۹ر ۳ر ۱۹۸۰ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

صدق اللّٰہ العظیم ○

بزرگان محترم اور برادران عزیز !

اس وقت ہم اور آپ درس قرآن کے عنوان سے جمع ہوئے ہیں۔ اور یہ عنوان صرف عنوان ہی الگ معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ جب کبھی اور جہاں کہیں بھی کچھ بیان کرنے کا موقع ملتا ہے تو ہمیشہ اپنی عادت یہی ہے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت ' قرآن کریم کا کوئی جملہ قرآن کریم کی کوئی سورت پیش کی جاتی ہے وہ بھی درس قرآن ہی ہوتا ہے۔ درس قرآن اسلام کا ایک نہایت مفید اور اہم طریقہ ہے۔ انسان اگر یہ طے کرے کہ مجھے آج فلاں بات بیان کرنی ہے۔ فلاں مضمون مجھے پیش کرنا ہے تو کبھی کبھی انتخاب میں اخلاص باقی نہیں رہتا۔ کسی کو دیکھا کہ کوئی آدمی ہے جو کلین شیو (Clean Shave) ہے۔ کسی کو دیکھا کہ اس نے پاجامہ ٹخنوں سے نیچے پہن رکھا ہے۔ کسی کو دیکھا کہ اس میں کوئی اور خرابی اور خامی ہے۔ اور یہ میرا خیال ہوا کہ آج اس آدمی کے اوپر یہ بات کہنی چاہئے۔ بسا اوقات اس میں وہ اخلاص باقی نہیں رہتا۔ جو اخلاص دین کے پیش کرنے میں ہونا چاہئے۔ کیونکہ ہم نے کسی وجہ سے کسی شخص کو موضوع بنایا۔ لیکن اگر ہم قرآن کریم کو ترتیب کے ساتھ بیان کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور اس میں انسان کی تمام کوتاہیوں کا ..... بیماریوں کا ' خرابیوں کا ذکر چلا آرہا ہے۔ اور آپ اس وقت وہ بات کہتے ہیں تو وہ بات نہ کسی کو ناگوار گزرتی ہے اور نہ یہ بات اخلاص کے خلاف ہے۔ اسی درس قرآن کا جو طریقہ ہے یہ ایک انتہائی اہم اور مفید طریقہ ہے۔ رواج ' درس قرآن کا بہت کم ہو گیا ہے۔ لیکن بہرحال آپ نے اور ہم نے آج کا یہ عنوان رکھا ہے اور اسی عنوان کے تحت میں نے قرآن کریم کی ایک آیت تمہیں ' دو

آیتیں تلاوت کی ہیں۔ ایک آیت ہے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اور
دوسری آیت ہے اِنَّہٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَاِنَّہٗ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
مقصد ایک ہی آیت کو بیان کرنا ہے۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قرآن کی
آیتوں میں سے ایک آیت ہے

بسم اللہ کے احکام

حنفی نقطہ نظر یہ ہے کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہر سورت کے
شروع میں لکھی ہوئی بھی ہے اور پڑھی بھی جاتی ہے۔ سوائے ایک سورت کے ہم
قرآن کریم کی ایک سورت ایسی ہے کہ یہ آیت اس کے شروع میں نہ نازل ہوئی۔
نہ لکھی جاتی ہے اور نہ پڑھی جاتی ہے۔ پڑھنے میں ذرا سی تفصیل یہ ہے کہ اگر
آپ سورۃ توبہ یا سورۃ براءت دونوں نام ہیں ایک ہی سورت کے ' اگر آپ اس
سورۃ کی تلاوت سے ابتداء کر رہے ہیں تو وہاں پر آپ کو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِیْمِ پڑھنی ہوگی۔ کیونکہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ آداب تلاوت
میں سے ایک ادب ہے۔ جب تلاوت کا آغاز کیا جائے تو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِیْمِ پڑھی جائے خواہ سورت براءت ہی سے ابتداء کریں۔ یا سورۃ التوبہ سے
ابتداء کریں۔ لیکن اگر آپ تلاوت کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور بیچ میں سورۃ
براءت اور سورۃ توبہ آگئی ہے تو اب آپ وہاں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نہیں پڑھیں گے۔ تو میں نے عرض کیا نہ لکھی جاتی ہے نہ پڑھی جاتی ہے اور نہ یہ
اس سورۃ کا کوئی حصہ ہے۔

قرآن کی آیتوں میں سے ایک آیت ہے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِیْمِ جس کو اللہ تعالیٰ نے آداب تلاوت کے طور پر نازل فرمایا ہے۔ یہی وجہ
ہے کہ رمضان میں جب حافظ قرآن کریم ختم کرنے کے قریب آتا ہے تو ایک مرتبہ
سورۃ کے شروع میں زور سے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھتا ہے۔ چاہے
قُلْ هُوَ اللّٰہُ کے شروع میں ' چاہے کسی اور سورۃ کے شروع میں ' کیونکہ اگر اس
نے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی بلند آواز سے تلاوت نہ کی تو سارے

قرآن کریم کی تلاوت ہو جائے گی۔ قرآن کی ایک آیت باقی رہ جائے گی۔ یہ قرآن کی آیتوں میں سے ایک آیت ہے کسی پارے کا حصہ نہیں، کسی سورۃ کا حصہ نہیں۔

آیۃ من آیات القرآن ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے آداب تلاوت کے طور پر نازل فرمایا ہے۔ یہ لکھی بھی ہوتی ہے۔ اس کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ یہ ہر سورۃ کے شروع میں جو لکھی ہوئی ہے یہ سمجھئے کہ جیسے بہت سے بادشاہ بہت سے سلاطین بیٹھے ہیں، بہت سے امراء بیٹھے ہیں۔ اور ہر ایک کے سر پر تاج ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ جو ہے یہ تیجان السور ہے۔ یہ سورتوں کے تاج ہیں گویا جو ان کے سروں پر رکھے ہوئے ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے آغاز ہوتا ہے قرآن کریم کی تلاوت کا، چاہے سورۃ فاتحہ پڑھیں، چاہے الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ پڑھیں۔

بسم اللہ باب رحمت

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی جو آیت ہے یہ باب رحمت ہے۔ یہ رحمت کا دروازہ ہے۔ جب ایک مسلمان ایک مومن قرآن کریم کی ابتداء کرتا ہے اور تلاوت شروع کرنا چاہتا ہے۔ تو وہ اس دروازے سے داخل ہوتا ہے۔ اور یہ دروازہ باب رحمت ہے۔ کیونکہ یہ آیت، آیت رحمت کہلاتی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں رحمت کی بیان کی گئی ہیں۔ ایک الرحمٰن ایک الرحیم۔ یہ آیت رحمت کہلاتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ سمجھ میں آگیا ہوگا کہ تمام سورتوں کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے اس کو نازل فرمایا ہے اور پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ مگر سورۃ توبہ یا سورۃ برآت میں اس کے پڑھنے کا حکم نہیں۔ اس لئے سورۃ برآت کے شروع میں جو مضامین ہیں وہ مضامین ایسے ہیں کہ ان مضامین پر آیت رحمت کی تلاوت مناسب معلوم نہیں ہوتی۔ سورۃ برآت میں یا سورۃ توبہ کے اندر اللہ کے غضب کا اظہار ہے اور جہاں پر اللہ کے غضب، اللہ کے قہر کا اظہار کیا جا رہا ہو وہ موقع آیت رحمت کی تلاوت کا نہیں

ذبح کے وقت پوری بسم اللہ نہ پڑھے

جیسے فقہاء نے لکھا ہے کہ جب آپ کوئی ایسا جانور ذبح کریں کہ جسے ذبح کرنے کی اسلام نے اجازت دی ہے۔ مرغی ذبح کریں' بکری ذبح کریں' گائے یا ہرن ذبح کریں تو اس وقت آپ کو آیت رحمت پڑھنے کی اجازت نہیں۔ کوئی شخص بھی ذبح کے وقت یہ نہ پڑھیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اس کا پڑھنے کی ممانعت ہے۔ ہاں یہ کہے بسم اللہ' اللہ اکبر' بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے پڑھنے کی اجازت اس لئے نہیں دی ہے کہ یہ عمل جو آپ کر رہے ہیں ہاتھ میں آپ کے چھری ہے ایک جاندار کی جان آپ لے رہے ہیں۔ اس کی گردن پر چھری پھیر رہے ہیں۔ یہ عمل آپ کا بظاہر عمل قہر ہے۔ یہ اور بات ہے کہ شریعت نے ذبح کی اجازت دے دی ہے۔ لیکن اس عمل قہر کے موقع پر آپ کو آیت رحمت کی تلاوت کی اجازت نہیں۔

جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا جائے؟

اور یہی وجہ ہے کہ جس جانور کے اوپر اللہ کا نام نہ پکارا جائے وہ جانور حلال نہیں۔ چاہے آپ نے کتنا ہی اس کو ذبح کیا ہو۔ وجہ اس کی یہ ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہمارے اور آپ کے کھانے پینے کا جو نظام ہے دنیا کے اندر' وہ ایک نہایت حکیمانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تین چار قسم کی مخلوق دنیا میں پیدا کی ہے۔ جمادات' نباتات' حیوانات' اور حیوانات ہی کی ایک اعلیٰ قسم انسان ہے۔

تین مخلوقات ہیں اور نظام یہ رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ جمادات کو غذا بنا دیا۔ اوپر کی مخلوق کے لئے نباتات کے لئے' درختوں کی غذا کیا ہے؟ مٹی' پتھر...... تمام درختوں اور نباتات' دنیا کے اندر جو غذا کے طور پر ان کو جو چیز ملتی ہے وہ ہے جمادات' ان سے وہ غذا حاصل کرتے ہیں۔ طریقہ یہ رکھا ہے' نیچے کی مخلوق' اوپر

کی مخلوق کے لئے غذا اور خوراک ہے ۔ جمادات ' نباتات کی خوراک ہے اور نباتات ' حیوانات کی خوراک ہے۔ گائے ' بکری ' بھینس ' اونٹ ' یہ سب آپ نے دیکھ کہ یہ اصل میں درخت پتے ' پھل ' پھول استعمال کرتے ہیں۔ یہ اصول کے مطابق ہے۔ اگر نباتات ' جمادات کو خوراک بنائے تو اصول کے مطابق ..... لیکن حیوانات ' حیوانات کو اپنی خوراک بنائیں۔ یہ اصول کے خلاف ہے۔

انسان بھی جاندار ہے ' مرغی بھی جاندار ہے ' بکری بھی جاندار ہے ' گائے بھی جاندار ہے۔ ہاں اگر آپ خربوزہ کاٹیں ' تربوز کاٹیں اور آپ نے بسم اللہ کہہ کے اگر آپ نے اس کو کاٹا ہے۔ تو بغیر اللہ کا نام لئے ہوئے بھی آپ کے لئے حلال اور جائز ہے۔ کیونکہ یہ اصول کے مطابق ' نباتات حیوانات کی غذا ہے۔ یہ نباتات میں شامل ہے۔ کیونکہ یہ اصول کے مطابق ہے

پھل اگر آپ نے اللہ کا نام لئے بغیر بھی کاٹا ہے تب بھی آپ کے لئے حلال اور جائز ہے۔ اور لیکن اگر آپ کسی جاندار کو خوراک بنانا چاہتے ہیں ' وہ بھی جاندار ہے تو آپ بھی جاندار ہیں۔ اگرچہ حیوانات میں آپ کی قسم اونچی ہے۔ مگر وہ بھی بہرحال جاندار حیوانات میں داخل ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ حیوان کے لئے حیوان (کھانا) جائز نہیں۔ جب تک کہ وہ اللہ کا اجازت نامہ حاصل نہ کرے۔ اور جب ایک مسلمان یہ پڑھ کر ذبح کرتا ہے بسم اللہ ' اللہ اکبر ..... تو اس نے اللہ سے خصوصی اجازت حاصل کر لی ہے۔ کہ ان حیوانات کو تیرے حکم سے اپنی خوراک اپنی غذا بنا رہا ہوں۔ اگر اس نے اس موقع پر خدا کا نام نہیں لیا ہے۔ تو اللہ سے حیوانات کو خوراک بنانے کی خصوصی اجازت حاصل نہیں کی۔ اس لئے یہ اس کے لئے حرام ہو گا۔ اور ناجائز ہو گا۔ یہ موقع ایسا ہے کہ حکم دیا ہے کہ بسم اللہ کہہ کر اللہ کے نام کو پکارو ' آیت رحمت کی تلاوت نہ کرو۔ کیونکہ رحمت کا موقع اور ہوتا ہے۔ غضب کے موقع پر آیت رحمت تلاوت نہیں کی جاتی ہے۔ اس سورۃ کے شروع میں بھی اس لئے آیت رحمت نازل نہیں ہوئی۔ اور ذبح کے موقعے پر بھی آیت رحمت کی تلاوت کرنے کو منع کر دیا۔ لیکن

بہرحال یہ آیت رحمت ہے اور اس کو کہا جاتا ہے کہ قرآن میں داخل ہونے کا دروازہ ہے۔ اس دروازے سے آپ جب داخل ہوتے ہیں تو شروع میں آپ کی ملاقات ہوتی ہے رحمت سے "اور جب دروازے ہی کے اوپر آپ کی رحمت سے ملاقات ہو جاتی ہے تو اندر جا کر آپ کو اللہ کی کتنی برکتیں اور نعمتیں ملیں گی۔

دروازے سے اندر کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ ایک زمانے میں لوگ اپنے مکان کا دروازہ بڑا شاندار بناتے تھے تاکہ جو کوئی اس دروازے کو دیکھے وہ یہ سمجھے کہ یہ بڑے رئیس ہیں۔ یہاں کے رہنے والے بڑے صاحب ثروت ہیں۔ اس لئے دروازے کو دیکھ کر مکان اور مکین اور سامان کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ لیکن اگر کسی نے دروازہ بنایا ہو شاندار اور اندر اس نے بوریا بچھا دیا۔ اند بیٹھے قلابازیاں کھا رہے ہیں۔ تو اس نے ایک قسم کا نفاق پیدا کیا ہے۔ دروازے سے کچھ اور اندر جا کے دیکھو تو کچھ اور نظر آتا ہے۔ شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ

ایک فقیر کا قصہ

ایک فقیر، بھکاری، بھیک مانگنے کے لئے نکلا۔ اس کو ایک محلے میں بڑا شاندار دروازہ نظر آیا۔ اور اس نے یہ طے کیا کہ یہ بڑے کسی کریم اور بڑے کسی سخی کا دروازہ ہے۔ اور یہاں اگر میں نے آج بھیک حاصل کر لی تو مجھے کسی جگہ مانگنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے یہ دروازہ بتلا رہا ہے کہ اس کا مکین بڑا شاندار ہے۔ اس نے جا کر وہاں پر صدا لگائی۔ اندر سے ایک خادمہ آئی۔ خادمہ نے آکر آٹے کی ایک چٹکی دے دی۔ یہ فقیر اس آٹے کی چٹکی کو دیکھ کر غصے میں آگیا۔ اور کہنے لگا کہ یا اللہ دروازہ اتنا شاندار اور عطا اتنی حقیر، اتنی معمولی، بھی دروازے کو دیکھتا ہے کبھی اس بھیک کو دیکھتا ہے۔ اسے غصہ آیا اور گھر گیا۔ جا کر وہاں سے پھاوڑا لے کے آیا۔ دروازے کے اوپر چڑھ گیا۔ اور دروازے کو مار مار کے اینٹیں گرانا شروع کر دیں۔ مالک مکان آیا اور اس نے کہا کہ یہ کیا کر رہے ہیں۔ اس نے کہا کہ میں فقیر ہوں۔ میں نے تیرا شاندار دروازہ دیکھ کر بھیک مانگی تھی۔ یہ مجھے

عطا کی ہے یہ آٹے کی چکی ہے دیکھ ، شرم کر ۔ یہ تیری عطا ہے اور یہ...... تیرا
دروازہ ہے۔ یاد رکھ ! یا تو میری اس عطا کو اپنے دروازے کے مطابق بنا دے اور
اگر تو نہیں بناتا ہے تو میں تیرے دروازے کو نیچا کر کے اس عطا کے مطابق بنائے دیتا
ہوں۔ جس سے یہ بات معلوم ہوئی ۔ دروازے سے صحیح اندازہ ہوتا ہے کہ اندر
کیا ہے۔؟ کیا ہونا چاہئے ...... آیت رحمت سے ابتداء ہے۔ ہمارا آغاز ہے اور
جب آیت رحمت سے ابتداء ہے تو قرآن کریم کے اندر داخل ہونے کے بعد اللہ کے
کیسے کیسے انعامات ، کیسی کیسی نعمتیں ہوں گی۔ تو میں نے یہ بات عرض کی۔ یہ آیت
رحمت ہے۔ اور ایک آیت ہے قرآن کریم کی۔

بسم اللہ کا آغاز کب ہوا؟

کب نازل ہوئی ....؟ کس طرح پر نازل ہوئی۔ اس آیت کے نازل ہونے
سے پہلے طریقہ یہ تھا کہ لوگ لکھا کرتے تھے۔ باسمک اللھم بھی بعد میں آیا ہے
۔ لیکن عام طریقہ یہ تھا کہ تحریر سے پہلے یا جب بسم اللہ پڑھنا ہو باسمک
اللھم کی طریقہ سرکار دو عالم ﷺ بھی اختیار فرماتے تھے۔ یہی طریقہ مسلمان بھی
اختیار فرماتے تھے ...... یہاں تک کہ قرآن کریم کی ایک آیت نازل ہوئی قُلِ
ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ○ اللہ کو اللہ کہہ کر پکارو یا اللہ کو رحمٰن کہہ کر
پکارو۔ یہ دو نام اللہ کو اپنے ناموں میں سب سے زیادہ پسند ہیں۔ اسی لئے دو نام
اسلام میں بہت پسند ہیں۔ عبداللہ ، عبدالرحمان ، کیونکہ یہ دو نام ہیں۔ اللہ اور
رحمان ، اللہ کے مقبول اور نہایت پسندیدہ ناموں میں سے ہیں۔ ان ناموں کے اوپر
جو نام رکھا جاتا ہے وہ نام مسلمانوں کا بہترین نام سمجھا جاتا ہے۔ جب آیت نازل
ہوئی کہ اللہ کو ، اللہ کہہ کر پکارو۔ اور اللہ کو رحمان کہہ کر پکارو تو حضور اکرم ﷺ
نے مسلمانوں سے کہا کہ اب آپ باسمک اللھم نہ لکھیں نہ پڑھیں۔ بلکہ آپ
یوں طریقے سے پڑھیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کیونکہ اللہ کے ناموں
میں سب سے زیادہ پسند نام دو ہیں۔ اور یہ دونوں نام جو ہیں شامل کر دیئے جائیں
بسم اللہ اور الرحمن ابھی الرحیم نہیں ۔ یہاں تک کہ ایک آیت سورة

نمل میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی..... فرمایا۔

إِنَّهُ مِن سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ○

یہ سورۃ نمل کی ایک آیت ہے۔ مستقل آیت ہے۔ یہ آیت وہ آیت رحمت والی آیت نہیں۔ آیت رحمت ایک الگ آیت ہے اور یہ آیت سورۃ نمل کی ہے اور یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام انبیائے بنی اسرائیل میں نہایت ممتاز اور بہت بڑے جلیل القدر نبی اور پیغمبر ہیں۔ یہ وہی نبی اور پیغمبر ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت اور پیغمبری کے ساتھ ساتھ روئے زمین کی سلطنت بھی عطا فرمائی۔ ہوا پر بھی ان کی حکومت ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اتنے جلیل القدر نبی اور پیغمبر ہیں۔ ان کو یہ آیت ' آیت رحمت دی گئی ' تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اندر دو نبیوں کو اللہ تعالیٰ نے آیت رحمت عطا فرمائی۔ ایک حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ایک سرکار دو عالم ﷺ

آپ نے فرمایا ' اب اس آیت کو پورا کرو۔ اب یہ آیت اللہ نے اس طریقے پر نازل فرمائی ہے کہ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ معلوم ہوا کہ وہ تین منزلوں میں جا کر یہ آیت پوری ہوئی اور اب اس کے مطابق ہو گئی جو کہ آیت سورۃ نمل کے اندر حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی تھی۔ یہ آیت "آیت رحمت" لکھی جاتی ہے۔ سورۃ کے شروع میں ' سورۃ کا حصہ نہیں۔ اور اگرچہ تلاوت کے وقت آپ "بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ" بھی پڑھتے ہیں۔ مگر وہ کسی سورۃ کے شروع میں یا قرآن کے شروع میں لکھی نہیں جاتی۔ لکھنا جائز نہیں ' قرآن کے اندر صرف اتنا حصہ جائز ہے۔ جو نازل ہوا سرکار دو عالم ﷺ پر ..... یہاں تک کہ جب سورۃ فاتحہ آپ ختم کرتے ہیں حکم آپ کو یہ ہے کہ اس کے ختم پر آپ "آمین" کہیں۔ مگر "آمین" قرآن کا حصہ نہیں۔ اور اسی لئے سپاروں میں تو شاید کوئی لکھ دیتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم میں لکھا نہیں جاتا پڑھا جاتا ہے۔ اور أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ جو ہے لکھا بھی نہیں جاتا اور پڑھا جاتا ہے کیوں ؟

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

جب تم تلاوت کا خیال کرو اور ارادہ کرو کہ تم اللہ کی پناہ مانگو کہ شیطان رجیم کے شر سے تمہیں بچائے اور اس سے پناہ مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ تم یہ الفاظ ادا کیا کرو۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ہم شر اور آفت سے پناہ کے لئے پڑھتے ہیں۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ آداب تلاوت کے طور پر پڑھتے ہیں۔ اور اس کے بعد قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے۔ یہ وہ آیت ہے جو آیت رحمت کہلاتی ہے۔ اور نہایت اہم آیت ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ

کل امر ذی بال لم یبدا ببسم اللہ فھو اقطع و ابتر.....

ہر وہ کام دنیا کا ہو یا دین کا جس کو آپ اہم سمجھتے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ ہر کام ہی اہم ہوتا ہے۔ دیکھنے میں بعض چیزیں ہمیں معمولی معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی کہ جب کوئی مصیبت پہنچ جائے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا جائے۔

ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ کے سامنے ہوا کے جھونکے یا کسی چیز سے چراغ گل ہو گیا تو آپ نے فوراً اس ہدایت کے مطابق.....

اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

آپ نے فوراً "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○" پڑھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ تو چراغ گل ہوا ہے۔ کیا چراغ گل ہونا بھی مصیبت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہیں مصیبت کی تعریف معلوم نہیں۔ مصیبت کسے کہتے ہیں۔

کل ما یوذیک فھو مصیبۃ

جس بات سے تمہیں تکلیف پہنچ جائے۔ وہ چیز مصیبت ہے۔ چراغ گل ہونے سے بھی تکلیف پہنچتی ہے...... یہ بھی مصیبت ہے۔

ہر کام کا آغاز بسم اللہ سے

ہر کام جو بھی اہم ہے دنیا کا ہو یا دین کا فرمایا کہ آپ نے اس کے شروع میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہیں پڑھا ہے۔ وہ کام ناقص ہے۔ ناتمام ہے۔ نامکمل ہے۔ آپ دیکھنے میں یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہو گیا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی نظر میں وہ کام نہیں ہوتا۔ بالکل اسی طرح جس طرح کوئی مولوی صاحب کسی گاؤں میں گئے اور گاؤں میں جا کے مولوی صاحب نے وعظ کیا۔ اور یہ کہا کہ بغیر وضو کے نماز نہیں ہوتی تو ایک گاؤں کا آدمی کھڑا ہوا اور کھڑا ہو کر کہنے لگا "بارہا کر دیم و شد" آپ کہتے ہیں کہ بلا وضو کے نماز نہیں ہوتی۔ میں نے تو ہمیشہ پڑھی اور ہو گئی ..... ہو گئی کا کیا مطلب .....؟ ہو گئی کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اس سے لے کر آخر تک تمام ارکان ادا کئے۔ آپ اس کو ہو گئی سمجھتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول نہیں ہے۔ وہ نہیں ہوئی۔ اسی طرح جو کام بسم اللّٰہ سے اللہ کے نام سے شروع نہ کیا جائے' فرماتے ہیں کہ وہ کام ناتمام ہے۔ ناقص ہے۔ نامکمل ہے۔ اگرچہ آپ اس کو یہ دیکھتے ہیں کہ یہ کام مکمل ہو گیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ناتمام اور ناقص رہتا ہے۔ اسی لئے ہمیں حکم ہے کہ کھانا کھاؤ' خرید و فروخت کا کام کرو۔ کسی کام کا آغاز کرو' مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ یہ کہے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہم نے دنیا کی دوسری قوموں کو بھی دیکھا ہے۔ کہ جب وہ کھانے کی میز پر بیٹھتے ہیں تو اپنے بچوں کو اپنے مذہب کے مطابق حکم دیتے ہیں کہ سب سے پہلے خدا کا نام لو' پھر کھاؤ' ہم اور آپ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ یہود و نصاریٰ نے شاید اپنا دین چھوڑ دیا ہے ..... نہیں ..... یہ سمجھ کر کہ انہوں نے اپنا دین چھوڑ دیا ہے۔ ہم اور آپ بھی چھوڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ آپ دیکھئے کہ ان بچوں نے اور ان کی عورتوں نے اب تک دین نہیں چھوڑا ہے۔

وہ کھانا کھانے بیٹھیں گے تو ان کے بڑے یاد دلائیں گے کہ سب سے پہلے دعا کرو۔ اللہ کا نام لو پھر کھانا کھاؤ۔ ہم میں اور آپ میں کتنے ہیں جو اپنے بچوں کو دسترخوان پر بیٹھیں گے تو کہیں گے۔ پہلے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھو.... بلکہ شاید ایسے لوگ تو مل جائیں گے۔

ایک دلچسپ قصہ

جیسے ایک صاحب نخاس بازار جا رہے تھے گھوڑا خریدنے کے لئے، جیب میں ان کے رقم تھی۔ راستے میں کسی نے پوچھا کہ چوہدری صاحب! کہاں جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں نخاس بازار جا رہا ہوں۔ گھوڑا خریدنے کے لئے انہوں نے کہا کہ آپ یہ کہیں انشاء اللہ اس نے کہا ان شاء اللہ کی کیا بات ہے۔ نخاس بازار میں گھوڑے موجود ہیں۔ جیب میں میری رقم موجود ہے۔ انشاء اللہ کی کیا ضرورت ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ارے میاں دسترخوان پر نعمتیں رکھی ہوئی ہیں۔ کھانا رکھا ہوا ہے۔ ہم کھانے کے لئے تیار بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ کیا آپ کہہ رہے ہیں۔ کہ بسم اللہ بھی پڑھئے..... نخاس بازار میں گھوڑے ہیں، جیب میں رقم ہے۔ انشاء اللہ کی کیا ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ صاحب! میں آپ سے بحث نہیں کرنا چاہتا۔ حضور ﷺ کی تعلیم تھی، میں نے آپ کو بتادی۔ آپ جانیں آپ کا کام جانے، چوہدری صاحب نخاس بازار گئے۔ گھوڑے تلاش کئے۔ ایک گھوڑا پسند آیا۔ جب بھاؤ تاؤ اس کا کر لیا۔ جیب میں ہاتھ ڈالا، رقم نکالنے کے لئے، تو وہ اتفاق سے راستے میں کہیں گر گئی تھی۔ کہنے لگے۔ رقم کہیں گر گئی ہے میں تلاش کر کے ابھی آتا ہوں......

وہی صاحب پھر مل گئے۔ انہوں نے کہا کہ چوہدری صاحب گھوڑے خرید لائے۔ کہنے لگے کہ میں آپ سے بات کر کے جو یہاں سے چلا۔ انشاء اللہ میں نخاس گیا وہیں گھوڑے کے واسطے سے بات کی 'انشاء اللہ'' اور میں نے جو وہاں گھوڑے کی ان شاء اللہ...... ارے اب کیا ہوتا ہے ان شاء اللہ سے..... اب تو چڑیاں چگ گئیں کھیت..... اب بات بات پر انشاء اللہ کہتا ہے۔ یاد رکھئے خدا اور خدا کے

رسولؐ کی جو تعلیم ہے۔ ہمیں اور آپ کو چاہئے سمجھ میں نہ آئے مگر خدا کی قسم وہ تعلیم اپنی جگہ پر درست ہے۔ اور اگر ہم نے اس پر عمل نہیں کیا تو اس کے نتائج ایسے ہوتے ہیں جیسے ابھی آپ کے سامنے ہے۔ اکبر الہ آبادی مرحوم کا شعر یاد آیا فرمایا کہ

رسول لاٹھی کی چٹان اور چمکی رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

اس میں کوئی فرق نہیں آتا۔ ہر کام کے شروع میں آپ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھیں۔ مکان بنا رہے ہیں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھیں ...... اور کیوں پڑھیں ...... اگر آپ نے ان الفاظ پر غور کر لیا ہے تو میں یہ کہتا ہوں کہ آپ اپنے دل میں یہ طے کریں گے کہ واقعی اسلامی تعلیمات سے بڑھ کر حکیمانہ تعلیمات دنیا میں کبھی سامنے نہیں آئی۔ ایسی حکیمانہ تعلیم ہے ہر موقع پر جو پڑھنے کو بتایا گیا ہے۔ آپ صبح کو سو کر اٹھیں گے تو کیا پڑھنے کو بتایا گیا ہے۔

نیند سے جاگنے کی دعا

الحمد للّٰہ الذی احیانی بعد ما اماتنی والیہ النشور...

قربان جائیے ...... رات دس بجے آپ سو گئے تھے۔ ۵ بجے اٹھ گئے۔ آپ کو پتہ ہے کہ ۱۰ بجے سے لگا کر ۵ بجے تک کس حالت میں تھے۔ کس کیفیت میں تھے۔ اس کا نام ہے موت، اسی لئے نیند کو کہتے ہیں "اخت الموت" یہ موت کی بہن ہے۔ فرق اتنا ہے کہ ایک روح انسان کی جسم سے جدا ہوتی ہے تو اس کا نام رکھا ہے خواب اور دوسری روح جب انسان کی جسم سے جدا ہوتی ہے تو اس کا نام رکھا ہے موت، ایک روح جسم سے جدا ہونے کے بعد چند گھنٹوں کے بعد دوبارہ آپ کے ساتھ لگ جاتی ہے۔ اس کا نام آپ نے رکھا ہے بیداری اور جب وہ روح آپ کے جسم سے لگ جائے گی جو ایک مرتبہ جدا ہو گئی ہے۔ تو اس کا نام رکھا ہے قیامت ...... قبروں سے اٹھایا جانا۔ بالکل اسی طرح جیسے انسان بستر سے اٹھتا ہے۔

اسی طریقہ سے مردے اپنی اپنی قبروں سے قیامت میں اٹھائے جائیں گے۔ تو فرمایا کہ اس موقع پر کیا یاد کیا جائے کہ "الحمد للہ الذی احیانی بعد ما اماتنی والیہ النشور۔" اس اللہ کا شکر ہے کہ جس نے ہمیں حیات دی موت مسلط کرنے کے بعد والیہ النشور اور بالکل اسی طرح جس طرح سونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے روح جسم سے لگادی اور ہمیں اٹھا دیا ہے۔ اسی طریقے سے قیامت میں اللہ تعالیٰ ہمیں قبروں سے اٹھائیں گے۔ یہ اتنی حکیمانہ تعلیم ہے جب تم اپنے بستروں سے اٹھو تو قیامت کے اٹھنے کو یاد کرو اور خدا کا شکر ادا کرو کہ اللہ نے کس طریقے سے تمہارے جسم کے ساتھ تمہارے روح کو لگا دیا..... آئینہ دیکھو، آئینہ دیکھتے وقت یہ نفسیات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ بد شکل سے بد شکل آدمی بھی اپنی صورت دیکھ کر کبھی یہ نہیں کہتا کہ میری شکل خراب ہے۔ بدسے بد صورت آدمی بھی اپنی شکل کو کہتا ہے کہ میں یوسف تو نہیں ہوں لیکن بہرحال شکل اچھی ہے۔ ہر آدمی کا اپنے بارے میں یہ خیال ہے۔ اسی لئے لکھا ہے کہ۔

ایک حبشی آدمی سوڈان کا رہنے والا تھا۔ اس نے تمام عمر میں آئینہ نہیں دیکھا تھا۔ کبھی راستے میں اسے کوئی آئینہ پڑا مل گیا۔ اس نے جو اٹھایا اور اٹھا کے اپنی شکل دیکھی تو زندگی میں پہلی مرتبہ شکل نظر آئی۔ لیکن یہ نہیں کہتا کہ میری شکل خراب ہے۔ آئینے سے کہتا ہے کہ کم بخت اتنا برا تھا جب تجھے کوئی یہاں ڈال گیا۔ یہ کہہ کر آئینے کو پھینک دیا یہ نہیں سمجھا کہ میری شکل ایسی ہے۔

جب آپ کی نفسیات یہ ہیں تو اس موقع پر کیسی حکیمانہ تعلیم دی ہے۔ آئینہ دیکھو تو پڑھو اللھم حسنت خلقی کما احسنت خلقی.....

اے اللہ! جس طرح تو نے میرے چہرے کی بناوٹ کو بڑا حسین بنایا ہے، جس طرح تو نے میرے قالب کو خوبصورت بنایا ہے، اسی طرح میری عادتوں کو بھی خوبصورت بنا دے، میری روح کو بھی خوبصورت بنا دے۔

بسم اللہ پڑھنے کی حکمت

اندازہ لگایئے، کیسی حکیمانہ تعلیمات ہیں۔ اسلام کی...... تو میں نے یہ

نمونے کے طور پر عرض کیا ہے جب تم کام شروع کرو ان تین صفات کو اپنی زبان سے ادا کرو " اللہ رحمن رحیم " اور یہ تین کلمات ایسے ہیں کہ جیسے تین ناکے ہوتے ہیں۔ تین ناکوں سے گزرے بغیر تمہارا کام ہو سکتا نہیں ..... کیوں ...... اللہ کا لفظ کہہ کے بتایا وہ خالق کائنات ہے۔ سارے عالم کو پیدا کرنے والا ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔ " خالق کل شیئی " اور جب آپ کوئی کام کرنے کے لئے بیٹھتے ہیں تو سب سے پہلے تو سامان کی ضرورت ہے۔ کھانے بیٹھیں گے .... کیا کھائیں گے ..... بھائی گندم ہوگی تو کھائیں گے ...... مکان بنانا آپ شروع کریں گے ..... ارے بھائی ' اینٹیں ہوں گی جب ہی تو بنائیں گے ' زمین ہوگی ' سیمنٹ ہوگا ' سریا ہوگا ..... تب ہی تو بنائیں گے ۔ ...... سب سے پہلے سامان کی ضرورت ہے ..... اے انسان اس کام کو کرنے سے پہلے اس خالق کائنات کو یاد کرو کہ جس نے یہ سارے اسباب اور سامان پیدا کئے۔ اگر اللہ تعالیٰ ساز و سامان کو پیدا نہ کرتا تو آپ کسی کام کی ابتداء نہیں کر سکتے۔

توفیق الٰہی کی مثال

ایک رئیس اپنے ملازم کو لے کر کہیں چلے۔ راستے میں کہیں مسجد نظر آگئی تو ملازم نے کہا ..... کیونکہ لوگ تو سمجھتے ہیں کہ یہ تو فورتھ کلاس (درجہ چہارم) کے لوگوں کا کام ہے۔ کہ جا کے نماز پڑھیں ' امراء کا کام تو نہیں ہے ..... میں نماز پڑھ آؤں ' اس نے کہا کہ جلدی سے نماز پڑھ کے آ۔ وہ آقا اور امیر دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ بندوق لئے ہوئے ہاتھ میں ..... نوکر مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے گیا ہے ..... آپ چاہے مانیں نہیں ..... لیکن ایسا نظر آ رہا ہے کہ کوئی معتریان میں سے ' اللہ کی شاہی محل کے اندر گیا ہے اور ایک نوکر ہے جو باہر دروازے پر پہرہ دے رہا ہے۔ وہ کھڑا رہا باہر ..... یہ بے چارہ اندر خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے۔ مسجد خالی ہے۔ جب دیر گزر گئی تو اس نے آواز دی اور کہا رمضانی آتا نہیں ..... اتنی دیر ہو گئی ہے۔ وہ اندر سے کہتا ہے کہ جی حضور میں تو آنا چاہتا ہوں۔ آتا نہیں آنے دیتے ' بڑے ناراض ہوئے ..... ارے

بالکل' بے وقوف' مسجد خالی پڑی ہوئی ہے تجھے کون نہیں آنے دیتا۔ تو اس نے کہا "حضور جو آپ کو باہر سے اندر نہیں آنے دیتا" وہ اندر سے مجھے باہر نہیں جانے دیتا۔۔۔ آخر کوئی طاقت تو ہے' آپ باہر کھڑے ہو گئے ہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے کھڑا رکھا ہے' تمہارا قدم نہ رکھنا۔ اسی طاقت نے مجھے گود میں لے کے بٹھایا ہے۔ اور وہ طاقت مجھے باہر نہیں جانے دیتی۔

معلوم ہوا کام توفیق سے ہوتا ہے اسباب و سامان ہو تو کیا ہوتا ہے۔ فرمایا کہ

بود مورے ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد

قافلہ جا رہا ہے حاجیوں کا' چیونٹیوں نے دیکھا کہ یہ لوگ حج بیت اللہ کے لئے جا رہے ہیں۔ میں اگرچہ ضعیف درجے کی مخلوق ہوں۔ لیکن تمنا تو میرے دل میں بھی ہو سکتی ہے۔ میں بھی حج بیت اللہ کو جانا چاہتی ہوں۔ چیونٹی کہتی ہے۔

بود مورے ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد
دست بر پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

جب اس کے دل میں تمنا پیدا ہوئی..... اللہ تعالیٰ نے کہا' یہ ہمارا کام ہے تمہارے دل میں تڑپ پیدا ہو' پورا کرنا ہمارا کام ہے۔ ایک کبوتر اڑ کے حرم جا رہا تھا۔ خدا نے حکم دیا یہاں اتر جا' وہ اتر گیا اور چیونٹی کو کہا کہ اس کے پاؤں میں لپٹ جا' وہ جا کر چیونٹی کو حرم میں چھوڑ دیا۔ فرمایا

بود مورے ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد
دست بر پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

یہ ہے توفیق' اگر تمہیں توفیق بھی چاہئے تو خالق کائنات کے علاوہ اللہ کی اور صفت پکارو۔ اس کا نام ہے رحیم..... رحمان کے معنی یہ ہیں سارے اسباب اور سامان ہیں۔ مگر ان اسباب اور سامان کو استعمال کرنے کی توفیق دینا' یہ اس اللہ کا کام ہے۔ جس کی صفت ہے رحیم' گویا تم دوسرے لفظ سے یہ کہہ رہے ہو..... اے اللہ! ساز و سامان کو پیدا کرنے والا بھی تو ہے اور اس سامان کو استعمال کرنے کی توفیق دینے والا بھی تو ہے۔ توفیق بھی دے دی' ساز و سامان بھی مہیا ہو گیا کام پورا ہو گیا' مگر پورا نہیں ہوا..... کیوں.....؟ ہر کام کی ایک ترتیب ہوتی

ہے۔ ہر کام کا ایک مقصد ہوتا ہے۔ مکان بنایا کاہے کے لئے ..... رہائش کے لئے لیکن اگر شداد کی طرح مکان بن کے تیار ہو جائے اور قدم رکھنا بھی نصیب نہ ہو تو فائدہ کیا ہوا.....؟

شداد نے جنت کے مقابلے میں باغ بنوایا تھا اور جب وہ تیار ہو گیا۔ افتتاح کرنے کے لئے آرہا ہے۔ ایک قدم اندر ہے ایک قدم باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اسی وقت اس کی روح کو قبض کیا جائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ پوچھیں گے۔ اے ملک الموت! تجھے کسی کی روح کو قبض کرتے ہوئے رحم بھی آیا۔ وہ کہے گا مجھے دو مرتبہ..... رحم آیا ہے۔ ایک تو اس وقت رحم آیا جب کہ ایک کشتی طوفان میں ٹوٹ گئی۔ اس کشتی میں ایک عورت کا بچہ پیدا ہوا تھا۔ اور تختے کے اوپر وہ عورت اور بچہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ تختہ تیرتا چلا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس عورت کی روح قبض کر لے۔ ملک الموت کہیں گے اس وقت میرے دل میں یہ ترس پیدا ہوا کہ یہ بچہ ایک دن کا ہے اور کوئی ہے نہیں۔ ماں اس کا سہارا ہے۔ ماں کی روح قبض کر لی جائے' اس بچہ کا انجام کیا ہو گا۔ ایک مجھے اس وقت ترس آیا۔ دوسرا ترس مجھے جب آیا کہ جب ایک آدمی نے ساری عمر خرچ کر کے جنت کے مقابلے میں ایک باغ بنوایا' اور وہ شداد ہے۔ مگر جب وہ افتتاح کرنے کے لئے گیا ہے تو قدم رکھنے سے پہلے ہی حکم دیا گیا کہ اس کی روح قبض کر لی جائے۔ اس وقت بھی مجھے بہت ترس آیا۔ کہ اس نے کتنی کوششوں اور محنت سے یہ باغ بنوایا ہے۔ باغ تو بنا لیا ہے۔ مگر اللہ کی طرف سے داخلے کی اجازت نہیں' حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تجھے دو پہ رحم نہیں آیا ایک ہی پر رحم آیا ہے۔ تجھے معلوم نہیں۔ مگر ہمیں معلوم ہے۔ یہ جو آگے چل کے شداد بنا ہے۔ یہ وہی بچہ ہے جس کی ماں کی روح قبض کر لی گئی تھی اور تختے کے اوپر اکیلا رہ گیا تھا۔ اس کو دھوپوں تلے ہم نے پال لیا تھا۔ آگے چل کر یہ شداد بن گیا ہے۔ تجھے ایک ہی آدمی پر دو مرتبہ رحم آیا ہے۔ دو پہ الگ الگ رحم نہیں آیا ہے

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مکان بنایا' رہائش کے لئے .... حلوائی جلیبی بناتا ہے سب سے پہلے میدے کی ضرورت ہے۔ گھی کی ضرورت ہے۔ کڑاہی کی ضرورت ہے' آگ کی ضرورت ہے' شیرے کی ضرورت ہے۔ اس کو ساتھ ہی ساتھ استعمال کر کے بنا بھی لیا ..... اب تھال کے تھال میں رکھے ہوئے بیٹھا ہے۔ صبح سے لے کر شام ہو گئی۔ جلیبی بن تو گئی لیکن جلیبی آخر کوئی مقصد ہوتا ہے۔ گاہک تو آئے کوئی خریدے ..... یاد رکھئے ایک بہت بڑے سے بڑا تاجر جو ہے سامان جمع کر سکتا ہے۔ دکان لے کے بیٹھ سکتا ہے۔ ڈیکوریشن (Decoration) کر سکتا ہے۔ لیکن خریدنے والے کے دل میں خیال ڈالنا کہ وہ یہاں سے خریدے' آپ کے اختیار میں نہیں' خدا کے اختیار میں ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان رزاقی ہے۔ ایک ہی سامان کی دکانیں ایک لائن میں ہیں اگر اللہ تعالیٰ صرف ایک ہی کے لئے ذہن میں ڈالیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی تو شام کو جا کے روٹی کھائے گا' باقی سب فاقے سے مر جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں ڈالتے ہیں یہاں سے خریدیں' کسی کے دل میں ڈالتے ہیں وہاں سے خریدیں اور یہ اللہ کی شان رزاقی ہے۔ جب شام کو دکان بند کر کے اٹھتے ہیں تو معلوم ہوا کہ سب کو اللہ نے روزی دی ہے۔

معلوم یہ ہوا کہ تیسری منزل یہ ہے کہ جس مقصد کے لئے کام کیا گیا وہ مقصد بھی حاصل ہو' اگر ہاتھ میں جلیبی بچ گئی ..... آپ کہیں گے سامان بھی اللہ نے دیا ہے۔ توفیق بھی اللہ نے بنانے کی دی اور جو مقصد تھا وہ بھی اللہ نے پورا کر دیا۔

اب آپ سمجھ گئے کہ دراصل کام کی تکمیل جب ہوتی ہے کہ ان تین منزلوں سے گزر جائیں۔ ایک سامان اور اسباب موجود ہوں اس کے استعمال کی توفیق ہو اور تیسرے یہ کہ جس مقصد کے لئے یہ کام کیا گیا ہو ..... وہ بھی حاصل ہو' اسی لئے فرمایا ہے۔

اللہ کے تین نام پکار پکار کر کام کرو' جس مقصد کے لئے یہ کام کیا گیا ہے۔ اس مقصد کو پورا کرنا بھی خدا کا کام ہے۔ ایک کے لئے لفظ اللہ استعمال کرو'

دوسرے کے لئے لفظ رحمن استعمال کرو، تیسرے کے لئے رحیم استعمال کرو۔

اب معلوم ہوا کہ واقعی دنیا کا کوئی کام نہیں ہو سکتا جب تک کہ ایک انسان ان تین مرحلوں سے نہ گزرے اور تین منزلوں سے اپنے آپ کو نہ گزارے۔ اسلام کی تعلیمات کتنی حکیمانہ تعلیمات ہیں تو میں نے یہ بات اس لئے عرض کی کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ یہ قرآن کریم کی آیت ہے۔ "آیۃ رحمۃ" کہلاتی ہے۔ اور آیت رحمت ہمارے اور آپ سے چھوٹی چلی جا رہی ہے۔

جب کوئی کام کرو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھو، بچوں کو سکھاؤ، اس سے آپ اپنے کام کی ابتداء اور آغاز کریں، اس لئے میں نے ایک آیت بطور درس کے پیش کی...... دعا کیجئے...... اللہ ہمیں اور آپ کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے...... (آمین)

(ازماہنامہ الخیر ملتان)

انقلاب آفریں دستورِ حیات

جشنِ نزولِ قرآن کی تقریب پر پشاور میں خطاب فرمایا

(خطبہ مسنونہ کے بعد) جشنِ نزولِ قرآن حکیم کے اس عظیم اور مبارک اجتماع کے انعقاد پر اہل پشاور مبارک کے مستحق ہیں۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے۔ اس اجلاس کا مقصد قرآن کریم کے نزول کی چودہ سو سالہ یادگار منانا ہے۔ نہ صرف پشاور بلکہ دنیا بھر کے اکثر اسلامی ملکوں میں ہر جگہ اس قسم کے اجتماعات ہو رہے ہیں۔ اس سے قبل پورے ماہ رمضان میں تراویح اور بالخصوص ستائیسویں شب کو بھی قرآن حکیم کے نزول کی سالانہ یادگار منائی جاتی ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانی صحیفے اور کتابیں سب کی سب رمضان ہی میں نازل ہوئیں۔ علماء نے لکھا ہے رمضان کی پہلی تاریخ کو حق تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام پر صحیفے نازل کئے۔ اسی طرح تورات، انجیل، زبور اور قرآن کریم بھی چھ چھ دن کے وقفے سے رمضان ہی میں نازل ہوئے۔

رمضان کی چھ تاریخ کو حضرت موسیٰ پر تورات نازل ہوئی۔ ۱۲ کو حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور اتری۔ ۱۸ تاریخ کو انجیل اور ۲۴ رمضان المبارک کو قرآن کریم نازل ہوا۔ قرآن کریم دنیا کی تمام آسمانی کتابوں کا نچوڑ، جامع اور خلاصہ ہے۔ بڑے لوگوں کی باتیں بھی بڑی ہوتی ہیں۔ چنانچہ امام رازی کا کہنا ہے کہ سب کتابوں کا خلاصہ قرآن ہے۔ اور قرآن کا خلاصہ سورۃ فاتحہ ہے۔ گویا یہ چھوٹی سی سورۃ تمام آسمانی کتابوں کا خلاصہ ٹھہری۔ پھر "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ جو اس سورت مبارکہ کے آغاز میں ہے۔ وہ سورۃ فاتحہ کا خلاصہ ہے۔ گویا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں کا اور بسم اللہ کا خلاصہ ب ہے۔ اس سے بسم اللہ شروع ہوتی ہے۔ ب کے معنی کسی چیز کو ملا دینا یا ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑ دینا ہے۔ دنیا کی جتنی آسمانی کتابیں انسان کی ہدایت کے لئے آئی ہیں ان

سب کا مقصد بچھڑے ہوئے انسانوں کو خدا سے ملا دینا ہے۔ سب کتابوں کا مقصد یہی ہے کہ انسان خدا کی طرف متوجہ ہو جائے۔ ہر سال نزول قرآن پاک کا جشن شب قدر کی صورت میں یا عید الفطر کی صورت میں منایا جاتا ہے۔ اس کا مقصد اور فائدہ یہی ہے کہ مسلمان قرآن حکیم کو سمجھیں اور اس کی بتائی ہوئی راہ پر چلیں اور اپنے اللہ کی رضا کو پالیں۔

فتنوں کا اعلان

حالات سے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان ان دنوں پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک ایسا وقت آئے گا جب مسلمانوں کو طرح طرح کے فتنوں اور آزمائشوں کا سامنا ہو گا۔ صحابہ کرام نے پوچھا ان فتنوں سے بچنے کی کیا صورت ہو گی۔؟ فرمایا! وہ اللہ کی کتاب (قرآن حکیم) ہی کے ذریعہ بچ سکتے ہیں۔ نزول قرآن کے چودہ سو سالہ جشن کی تقریب خاص طور پر اسی لئے منائی جا رہی ہے کہ مسلمان کو قرآن کریم کی طرف متوجہ کیا جائے۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے۔ اور اس پر کاربند ہو کر دینی اور دنیوی ترقی کرے ..... آج کی یہ تقریب دو نشستوں میں منقسم ہے۔ پہلی محفل حسن قرأت کی تھی۔ قرأت ہی کو لیجئے۔ تو ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی کتاب اتنے اچھے لحن سے نہیں پڑھی جا سکتی۔ جتنی قرآن کریم ..... دوسری نشست کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم کے بارے میں بیان کیا جائے کہ قرآن کیا ہے۔؟ ہم قرآن سے کس طرح استفادہ کر سکتے ہیں۔ اور چودہ سو سال میں اس سے کیسے کیسے نتائج مرتب ہوئے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں اللہ پاک نے اپنے نبیوں پر وحی کا سلسلہ ہزاروں سال پہلے شروع کیا۔ لیکن چودہ سو سال ہوئے قرآن حکیم کے نازل ہونے کے بعد یہ سلسلہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ گویا قرآن انسانی ہدایت اور نجات کے لئے آخری آسمانی کتاب ہے۔

وحی کی ضرورت

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وحی کی ضرورت کیا ہے۔ کیا ترقی کے اس دور میں ایک انسان اپنی عقل کے ذریعے اپنی زندگی کی راہیں متعین نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا۔ اسے عمدہ انداز سے پیدا کیا۔ آنکھیں، کان، ہاتھ وغیرہ (حواس خمسہ) دیئے۔ اسے احساس کی قوت عطا فرمائی۔ تمام احساسات حافظہ کے اندر ریکارڈ ہو جاتے ہیں۔ جو چیز بھی دیکھی، سنی، چکھی، یا سونگھی ہو اس کی لذت اور شکل و صورت حافظے میں محفوظ رہتی ہے۔ اسی کو عقل کہا جاتا ہے۔ گویا جب عقل ملی تو انسان نے اپنے لئے بہت سے منصوبے اور راستے تلاش کر لئے۔ لیکن یاد رکھئے۔ انسان اپنی عقل سے سب کچھ کر سکتا ہے۔ لیکن اپنے پیدا کرنے والے کی حقیقت کو معلوم نہیں کر سکتا۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے یہ جلسہ گاہ اور پنڈال بجلی کے ہزاروں قمقموں سے جگمگ نور بنے ہوئے ہیں۔ روشنی کا یہ سارا انتظام انسان نے اپنی عقل ہی کے ذریعے کیا لیکن اس کے دل کی کوٹھری تاریک ہی رہی۔ انسان کی پیدا کردہ ساری روشنی بھی دل کو ضیاء بخشنے سے قاصر رہی۔ اس لئے کہ دل کی روشنی کا سامان قطعی نبی کے پاس ہوتا ہے۔ عقل محض کے ذریعے خدا کی مرضی اور منشاء معلوم کرنا تو ایک طرف رہا۔ ایک انسان دوسرے انسان کا منشا اور مدعا بھی معلوم نہیں کر سکتا۔

علی حزیں ایک مشہور شاعر ہوئے ہیں۔ ان کا ایک ملازم تھا۔ رمضان بڑا مزاج دان اور مزاج شناس آقا نے ایک بار پوچھا

امشب چہ قدر رسیدہ باشد

نوکر نے فی البدیہہ جواب دیا

زلفش بہ کمر رسیدہ باشد

یہ تھا مزاج آشنا نوکر .... مالک کا نبض شناس ..... ایک بار وہ کہیں ادھر ادھر تھا۔ اور دوسرا نوکر علی حزیں کے پاس حاضری دے رہا تھا۔ علی حزیں اس وقت اپنے دوستوں کے ساتھ شطرنج کی بازی میں مصروف تھا۔ کھانے کا وقت ہو چلا تھا۔ علی حزیں نے اچانک نوکر کی طرف بڑی ترش روئی کے ساتھ

دیکھا۔ نوکر تکتا گیا کچھ بھی نہ سمجھ سکا...... تھوڑی دیر کے بعد نانک نے اسے پھر ترش روئی کے ساتھ دیکھا۔ وہ پھر بھی کچھ نہ سمجھا...... البتہ بھائی بھاگ رمضانی کے پاس پہنچا اور اس سے اس بات کا تذکرہ کیا۔ وہ کہنے لگا آسان بات ہے ترش روئی سے دیکھنے کا مقصد یہ تھا کہ تم فوراً باغ سے لیموں توڑ لاتے...... ایسے اشاروں کو صرف نبض شناس اور مزاج داں لوگ ہی سمجھا کرتے ہیں۔ جب ایک انسان عقل کے ذریعے دوسرے انسان کا مقصد نہیں سمجھ سکتا۔ تو پیدائش کائنات کی غرض وغایت اور تخلیق انسان کا مقصد کب سمجھ سکتا ہے۔ انہی باتوں کو سمجھانے کے لئے حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام پر صحیفوں کے نزول کا سلسلہ شروع کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام' داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کتابیں نازل کیں اور محمد رسول اللہ ﷺ کو قرآن حکیم دے کر مبعوث فرمایا۔ قرآن پاک نے تمام آسمانی کتابوں کی تکمیل کر دی۔

قرآن پاک کی تکمیلی حیثیت

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ جوں جوں انسانیت ترقی کرتی گئی اس کے مطابق کتابوں اور صحیفوں کی تعلیمات میں بھی ترقی ہوتی گئی...... حضرت آدم علیہ السلام پر جو صحیفے نازل ہوئے۔ ان میں لکڑی اور لوہے کے استعمال کے بارے میں ہدایتیں دی گئی ہیں۔ آج کل کے لڑکے جو صحیفے پڑھیں تو بے ساختہ کہہ اٹھیں کہ اس سے زیادہ تو ہمارا پروفیسر اور لیکچرار بھی جانتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں...... یہ بات ملحوظ خاطر رہنی چاہئے کہ اس وقت انسانیت پر طفلی کا عالم تھا۔ اس لئے اسے ابتدائی قاعدے کی ضرورت تھی۔ پھر جب انسانیت کے شعور میں کچھ اضافہ ہوا تو اسے پرائمری کی کتابیں دی گئیں۔ لیکن جب انسانیت اپنے عالم شباب یا نقطہ عروج کو پہنچ گئی تو آسمانی کتب بھی وہ بھیجی گئی جس نے دنیا کے تمام مذاہب کی تکمیل کر دی۔ اس کے بعد کسی کتاب کی ضرورت باقی نہ رہی۔ چنانچہ قرآن حکیم کا معیار کمال یہی ہے کہ اس کی بنیادی حقیقتوں میں چودہ سو سال کے بعد بھی سرمو فرق نہیں آنے پایا۔ چودہ سو سال پہلے اگر قرآن کریم نے یہ دعوے کیا تھا کہ فقط اللہ ہی کو یہ علم

ہے کہ شکم مادر میں کیا ہے۔ تو آج سائنس کی چودہ سو سالہ ترقیات کے باوجود یہ معلوم نہیں کیا جا سکا کہ ارحام میں بچہ ہے یا بچی۔ ایکس رے اور طرح طرح کی مشینیں نکل آئی ہیں۔ جن کی مدد سے یہ بتلایا جا سکتا ہے کہ ہڈی کو کہاں ضرب آئی ہے۔ پھیپھڑے میں کیا نقص ہے۔ گردے میں پتھری ہے یا نہیں۔؟ لیکن کوئی ایسی مشین ایجاد نہ ہو سکی جو شکم مادر میں بچے کے متعلق کچھ بتا سکے ..... قرآن کریم کی اس آیت کی صداقت بدستور ہے۔ اس لئے کہ یہ کلام اللہ کا کلام ہے۔ جو لازوال ہے۔ اور ناقابل تبدیلی' بقول شاعر

صدیوں فلاسفی کی چنا چنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

ڈاکٹروں سے پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ شکم مادر میں بچے کی نشست کا انداز ہی کچھ ایسا ہوتا ہے کہ ایکسرے کی کوئی مشین یہ نہیں بتا سکتی کہ پیدا ہونے والا بچہ ہے یا بچی .... اس طرح سے اور حقائق بھی ہیں۔ اگرچہ بچے کا خون باپ کے خون سے ملایا جائے تب بھی کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے پاکستان کے ایک باشندے کا خون افریقہ کے ایک باشندے کے خون سے ملتا جلتا ہو' رہی شکل و شباہت تو بچہ کبھی اپنے ماموں پر ہوتا ہے کبھی نانا پر' کبھی چچا پر کبھی کسی رشتہ دار پر ...... ڈاکٹروں کے محض تخمینے ہی تخمینے ہیں۔ ویسے ہی جیسے تخمینے محکمہ موسمیات بتایا کرتا ہے۔ یہ بتایا ہے کہ ہوا کے رخ' اس کے درجہ خنکی وغیرہ سے موسم کا حال بتایا جا سکتا ہے۔ لیکن کیا معلوم اللہ ہوا کا رخ ہی بدل دے۔ اور گرج چمک ہی بجائے گرم لو چلنے لگے۔

قرآن کریم اخلاق و آداب کا جامع ہے

ہمیں اللہ پاک کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ اللہ نے ہمیں وہ کتاب دی جس میں تمام مضامین کو بیان کر دیا گیا اور وہ مضامین بھی ایسے ہیں جنہیں دنیا کے سارے فلسفی مل کر جھٹلا نہیں سکتے۔ قوانین کو لیا جائے تو تمام بنیادی قوانین قرآن حکیم میں موجود ہیں۔ اخلاقی مسائل کو لیا جائے تو تعلیم اخلاق کا سب سے بڑا سرچشمہ قرآن

کریم ہے۔ اور اس قرآنی اخلاق کی حامل ہی کریم ﷺ ہی کی امت ہے ...... آج جو لوگ اخلاق تعلیم دینے کے دعوے دار ہیں وہ خود اخلاق کے معنی سے بھی واقف نہیں۔ فلسفہ یورپ میں صرف باتیں ہی باتیں ہیں۔ عملاً" کچھ بھی نہیں ...... اس کے برعکس قرآن کو ماننے اور پڑھنے والے اخلاقی قدروں کے سچے علمبردار ہیں۔ گفتگو کے آداب' کلام کی باریکیاں' بڑوں کا ادب' چھوٹوں پر شفقت' انسانیت کی عزت و احترام نفس انسان کی عظمت و مرتبت کون سی بات ہے جو قرآن حکیم نے نہ سکھائی ہو۔ صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین تو خیر قرآنی اخلاق کے زندہ نمونے ہوتے ہیں۔ آج سے سو سال پہلے تک مسلمانوں میں قرآنی اخلاق کا اتنا گہرا اثر ملتا ہے کہ بڑے بڑے روساء اپنے بچوں کو شریف اور وضعدار خاندانوں میں تربیت کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ نئی دہلی میں ایک بہت بڑے افسر تھے۔ نہایت بلند اخلاق منکسر المزاج' تہجد گزار بڑے مہذب' بڑے شائستہ طبیعت کے مالک' انہیں دیکھ کر مجھے تعجب ہوتا تھا کہ اتنے بڑے افسر اور اس درجہ خاکسار؟ لیکن ایک مرتبہ انہوں نے خود ہی بتایا کہ بچپن میں ان کے والدین نے انہیں حکیم اجمل خان مرحوم کے مکان پر چھوڑ دیا تھا۔ کہ وہ ان سے اخلاق کی عملی تربیت حاصل کریں۔ چنانچہ ان میں حکیم صاحب کی ساری خوبیاں موجود تھیں۔

گویا قرآن بہترین علم اخلاق ہے۔ آداب مجلس ہی کو لیجئے۔ ارشاد ہوتا ہے ...... "اے ایمان والو ! اگر تمہاری مجلس میں کوئی آئے تو اس کے لئے جگہ کر دو' اللہ تمہارے لئے جنت میں جگہ کر دے گا۔" یہ اس لئے ارشاد ہوا کہ ہمیں کسی کو حقیر سمجھ کر مجلس میں نہ بٹھانے کی جرات نہ ہو۔ اسی طرح انسان اور انسانیت کا احترام قرآن حکیم میں اس حد تک سکھایا گیا ہے۔ کہ اگر مجلس میں تین آدمی بیٹھے ہوں تو ان میں سے دو آدمیوں کو آپس میں سرگوشی بھی نہیں کرنی چاہئے۔ تاکہ تیسرے کو یہ گمان نہ گزرے کہ شاید اس کے خلاف کوئی بات کی جا رہی ہے۔ گویا قرآن اور اسلام کو کسی کی اتنی بھی دل شکنی گوارا نہیں ..... قرآنی اخلاق سے آراستہ ہو کر ہی عرب کے شتربان تھوڑی ہی مدت میں دنیا کے سب سے بڑے

حکمران بن گئے۔ دنیا کی کوئی کتاب اور کوئی تعلیم اتنی قلیل مدت میں اتنا بڑا انقلاب ...... اخلاقی انقلاب ...... برپا نہیں کر سکی۔ کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے۔

درخشانی نے تیری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

۲۳ سال کی مدت قوموں کی زندگی میں ایک دقیقہ کا بھی درجہ نہیں رکھتی۔ بیروت کے ایک عیسائی عالم نے اسی ہمہ گیر انقلاب کی بدولت قرآن کریم کی صداقت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرآن کا آسمانی کتاب ہونا برحق ہے۔ اس لئے کہ انسان کی لکھی ہوئی کتاب کبھی اتنا ہمہ گیر اور دیرپا انقلاب ہرگز برپا نہیں کر سکتی ...... جذبات کو ابھارنے کی جتنی قوت قرآن کریم میں ہے۔ اس کا کوئی تحریر مقابلہ بھی کیا کرے گی۔ ایک بار جس نے قرآن کریم کے معنوں پر غور کر لیا۔ اس کی دنیا ہی بدل گئی ...... ایک وقت تھا جب فضیل بن عیاض ڈاکو تھے۔ اور ڈاکو بھی ایسے مشہور کہ اعلان کرکے ڈاکہ ڈالتے تھے۔ ایک رات وہ اسی نیت سے مکانوں کی چھتوں سے گزر رہے تھے کہ ایک روزن سے انہیں کچھ آواز آئی۔ انہوں نے کان روزن سے لگا دیئے۔ گھر میں کوئی شخص قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا۔ آیت کا مطلب تھا ...... "کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ تو اللہ کے قرآن کے آگے جھک جائے" ان الفاظ میں کیا تاثیر تھی کہ تیر کی طرح فضیل کے دل میں اتر گئے۔ ایک دم نعرہ مارا ...... "ہائے میرا اللہ" ...... نہ صرف اسی وقت انہوں نے چوری سے توبہ کر لی۔ بلکہ اپنی ایسی اخلاقی اصلاح کی کہ آج ان کا شمار علمائے امت میں ہوتا ہے۔

امام اصمعی کا واقعہ ہے۔ وہ جنگل سے گزر رہے تھے کہ ڈاکوؤں نے آن گھیرا اور ان کی تلاشی لینے لگے۔ وہ ذرا نہ گھبرائے۔ ڈاکوؤں سے پوچھا تم ایسا کام کیوں کرتے ہو۔ انہوں نے کہا۔ "رزق کے لئے" ...... آپ نے وہ آیت قرآنی تلاوت کی جس کا مفہوم ہے۔ "اللہ تعالیٰ نے تمہارا رزق آسمانوں پر مقرر کر دیا

ہے۔ وہ تمہیں حل کر دے گا۔" ڈاکو اس آیت کے سنتے ہی انہیں چھوڑ کر چلے
گئے۔ تین سال کے بعد جب امام اصمعی خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے تو کوئی فرد
محبت سے ان سے لپٹ گیا۔ وہ پہچان نہ سکے۔ اس پر اس شخص نے بتایا کہ آپ کو
ڈاکوؤں کا واقعہ یاد ہے ..... میں انہیں ڈاکوؤں میں سے ایک ہوں۔

ہماری حالت

الحمد للہ ! پچھلے تیس سالوں میں ہمارے ہاں عظیم الشان مادی اور صنعتی
ترقی ہوئی ہے۔ تاہم یہ امر تکلیف دہ ہے کہ اخلاقی اور روحانی طور پر ہم پہلے سے
بھی گر گئے ہیں۔ طرح طرح کی اخلاقی اور روحانی بیماریاں ہم میں گھر کر چکی ہیں۔ ان
تمام بیماریوں کا واحد علاج یہی ہے کہ ہم قرآن کریم کا دامن مضبوطی سے تھام لیں۔
ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ پاک نے قرآن حکیم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک کو ہمیشہ محفوظ رکھے گا۔ لیکن اس نے ہمارے بچانے
کا ذمہ نہیں لیا۔ اگر ہم اپنے آپ کو بچانا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہئے کہ قرآن پاک کو
سینوں سے لگا لیں۔ اس صورت میں اللہ پاک قرآن حکیم کو بچائے گا۔ تو ساتھ
ہمیں بھی بچائے گا۔

اخلاقی اصلاح کا کام ہر شخص کا اپنا فرض ہے کہ ہر کوئی قیامت میں اپنے
متعلق جواب دہ ہو گا۔ اس لئے ہر ایک کو ہر وقت اس کوشش میں لگا رہنا چاہئے کہ وہ
آپ کو اخلاقی اور روحانی اعتبار سے اونچا کرے۔

جشن نزول قرآن کی اس تقریب کا مقصد مسلمان کو قرآن کریم کی طرف
بلانا ہے۔ اور قرآن صرف پڑھنے کے لئے نہیں بلکہ عمل کے لئے ہے۔ اگر ہم
قرآنی احکام و اوامر کی پابندی کو اپنے اوپر لازم کر لیں۔ تو یقیناً ہماری دنیا اور
آخرت دونوں سدھر جائیں ..... بعینہٖ اسی طرح جس طرح قرون اولیٰ کے مسلمان
قرآن کریم پر عمل پیرا ہو کر دین اور دنیا دونوں میں سرفراز ہو گئے تھے ..... اللہ
اپنے حبیب پاک کے صدقے ہمیں اپنی مقدس کتاب پر عمل پیرا ہونے کی توفیق
دے۔ اور آفات ارضی و سماوی سے محفوظ رکھے ..... آمین ۔ (ماہنامہ الفرقان)

رازق حقیقی صرف خدا ہے

بموقعہ خطبہ جمعہ ۲۶ مارچ ۱۹۷۶ء پشاور سٹیڈیم پشاور

جمعہ کی وجہ تسمیہ

بزرگان محترم! برادران عزیز! اس وقت قرآن کریم کی چند آیتیں میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں۔ یہ سورۃ جمعہ کی آیتیں ہیں۔ قرآن کریم میں یہ نام دونوں پر پیش ہے۔ جُمُعَہ اور جمعہ بھی عربی کا لفظ ہے۔ معنی دونوں کے ایک ہیں۔ یعنی سات دنوں میں اس دن کا نام ہے جو جمعرات کے بعد، یوم خمیس کے بعد اور یوم سبت سے پہلے بیچ کا دن ..... یہ میں نے اس لئے کہا کہ عرب میں ایک زمانے میں اس دن کو یوم عروبہ کہا جاتا تھا۔ اور یوم جمعہ نہیں کہا جاتا تھا۔ خاندان قریش کے ایک بڑے سردار ہیں جن کا نام تھا اس وقت کعب بن لؤی۔ سب سے پہلے انہوں نے اس دن کو یوم جمعہ کہا اور اسی وقت سے اس کا نام جمعہ شروع ہوا۔ یہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت اور آپ کی تشریف آوری سے بہت پہلے کا قصہ ہے۔

قرآن کریم میں یہ دن مقدس اور بابرکت دن ہے۔ اجتماع کا دن ہے۔ اور اسی نام پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک مستقل سورۃ نازل فرمائی ہے۔ جس کا نام بھی سورۃ جمعہ ہے۔ اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قوموں اور ملتوں کو یہ اختیار دیا کہ ان سات دنوں میں سے کسی ایک دن کو افضل الایام اور سید الایام مقرر کریں۔ مگر قوموں نے اور ملتوں نے اس کے انتخاب میں غلطی کی اور حضور اکرم ﷺ نے اس کا صحیح انتخاب کیا۔ یہ بات جو میں نے کی کہ صحیح انتخاب کیا جمعہ کی تفصیلیں بعد میں آئیں۔

سب سے پہلا جمعہ

اور سب سے پہلے مدینہ کے مسلمانوں نے جبکہ حضور ﷺ بھی مدینہ میں تشریف نہیں لے گئے تھے۔ انہوں نے جمعہ کے دن جمع ہو کر نماز پڑھی۔ انہوں نے

بھی اس طریقے پر انتخاب کیا۔ جیسے قوم یہود نے یوم جمعہ کا اور ہفتہ کا انتخاب کیا۔ نصاریٰ نے اتوار کا انتخاب کیا۔ ان دونوں قوموں کے فیصلے بھی الگ الگ ہیں۔ یہود نے کہا کہ اللہ نے زمین اور آسمان چھ دن میں بنائے ہیں۔ اور یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں۔ سب جنتی مانتے ہیں۔ قرآن کریم نے کہا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

ان چھ دنوں میں سے اتوار کے دن تخلیق کائنات کی ابتداء ہوئی۔ اتوار ' پیر ' منگل ' بدھ ' جمعرات ' جمعہ ..... جمعہ کو تخلیق کائنات سے فراغت ہوئی۔ یہود نے کہا کہ اللہ میاں چھ دن کام کرنے کے بعد تھک گئے اور ساتویں دن انہوں نے اپنا قال رکھا ہے۔ یہ ان کے آرام کا دن ہے۔ یہ ان کی فراغت کا دن ہے۔ لہذا ہفتہ کا دن فراغت کا دن ہے۔ اور اسی دن کو تمام دنوں میں سے افضل بنایا جائے۔ اور اس کو اجتماع اور بندگی کا دن بنایا جائے۔ نصاریٰ نے کہا کہ اتوار کے دن سے تخلیق کائنات کا کام شروع ہوا ہے وجود کی ابتداء یہاں سے ہوئی ہے۔ لہذا ہم اس دن کو ہی مقدس قرار دیتے ہیں۔

مسلمانوں کا انتخاب

سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں نے جمعہ کا انتخاب صحیح کیا کیوں؟ اس لئے کہ اجتماعی عبادات کا دن وہ ہے کہ جس دن اللہ نے اس مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ کہ جن مخلوقات پر عبادت فرض ہے۔ عابد مخلوق کو اللہ نے پیدا کیا۔ یہ حضرت آدم کی پیدائش کا دن ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اتوار سے تخلیق کائنات کا کام شروع ہوا اور جمعہ کو ختم ہو گیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کا دن ایسا دن تھا کہ اللہ نے اس کائنات میں جتنی مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ وہ سب جمعہ کے دن جمع ہو گئے۔ لہذا معلوم ہوا کہ اجتماعی طور پر بندگی کا دن جمعہ کا دن ہے۔

جمعہ اور اذان

جمعہ کی نماز کے لئے اذان اور ندا دی جاتی ہے ' بلایا جاتا ہے۔ اور اس

کی ابتداء بھی مدینے میں سے ہوئی۔ اس کی پوری تاریخ مختصر سے وقت میں بیان نہیں کی جاسکتی۔ ہر نماز کے لئے دو اذانیں ہوتی تھیں۔ ایک اذان تو ہم اور آپ اذان کہتے ہیں۔ اور دوسری اذان کو ہم اور آپ اقامت کہتے ہیں۔ ایک اذان وہ ہے کہ جو لوگوں کو اطلاع کرنے کے لئے دی جاتی ہے۔ کہ جماعت کا وقت ہو گیا اور ایک اذان وہ ہے کہ جو جماعت کے کھڑا ہونے کے وقت دی جاتی ہے۔ صرف اس میں قد قامت الصلوۃ کا اضافہ ہوتا ہے۔ یہ دوسری اذان ہے۔ دو اذانیں ہو گئیں۔ اور جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے۔ کہ اس کی ابتداء مدینہ سے ہوئی۔ کیونکہ مسجد مدینہ میں بنی ' جماعت کے ساتھ اذان کا اہتمام مدینہ میں ہوا۔ جماعت کے لئے اعلان کا انتظام مدینہ میں ہوا اور جمعہ کی ابتداء اور جمعہ کا آغاز بھی مدینہ میں ہوا۔ سرکار دو عالم ﷺ ہجرت فرما کر مکہ سے جب مدینہ تشریف لائے تو پیر کے دن آپ مدینہ تک پہنچ گئے۔ پیر ' منگل ' بدھ ' جمعرات چار دن آپ نے قیام فرمایا۔ وہاں جہاں آج مسجد قبا ہے۔ اور اس کے بعد بعض قبیلے کے مسلمان آئے اور انہوں نے یہ کہا آپ کے تشریف لانے سے پہلے ہم جمعہ کے دن جمع ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔ ہماری خواہش یہ ہے کہ آپ تشریف لے چلیں۔ اور آپ کل جو جمعہ ہے وہ جمعہ کی نماز آپ پڑھائیں۔ سب سے پہلا جمعہ سرکار دو عالم ﷺ نے مدینہ کے اندر پڑھایا۔ اور یہاں سے جمعہ کی ابتداء ہوئی۔

جب جمعہ کی نماز حضور اکرم ﷺ نے پڑھائی اور جماعت کے ساتھ نماز ہونے لگی تو اب سوال یہ تھا کہ جماعت کے لئے لوگوں کو کس طرح بلایا جائے .....؟ کسی نے کہا کہ آگ جلائی جائے کسی نے کہا کہ گھنٹہ بجایا جائے۔ کسی نے کہا کہ ناقوس بجایا جائے۔ لیکن شریعت اسلامیہ ایک ایسی شریعت ہے کہ

شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری

کبھی کسی ملت اور قوم کے ساتھ اس نے مشابہت کا طریقہ اختیار نہیں کیا اس لئے وہ قصہ آپ نے سنا ہو گا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص ناقوس بجا رہا ہے۔ خواب میں انہوں نے کہا کہ اے ناقوس والے ادھر

آؤ۔ کیا بات ہے..... ؟ ناقوس بیچتے ہو۔ اس نے کہا بیچتے ہیں ' کیا کرو گے لے کر ......؟

انہوں نے کہا کہ اگر یہ ناقوس تم مجھے دے دو تو میں اس ناقوس کے ذریعے سے نماز کے لئے لوگوں کو جمع کروں گا۔ ناقوس بیچنے والے نے کہ دیکھو اگر میں تمہیں اس سے بہتر کوئی طریقہ بتا دوں تو وہ کیسا ہے۔؟ انہوں نے کہا بتاؤ!۔ اس نے پوری اذان اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اشہد ان لا الہ الا اللہ . پوری اذان کے کلمات بتائے اور کہا کہ یہ بہتر ہے کہ ان کلمات کے ذریعے سے تم لوگوں کو جمع کرو۔

سرکار دو عالم ﷺ سے یہ خواب بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ خواب سچا ہے۔ اور فرمایا کہ اللہ کی طرف سے بھی یہی حکم ہے کہ ان کلمات کے ذریعے سے لوگوں کو جمع کیا جائے۔ لیکن جمع کرنے کے لئے ایک اذان جماعت کھڑی ہونے کے لئے ایک اذان ' دو اذانیں ہوئیں۔ یہاں تک کہ زمانہ " یا حضرت عثمان غنی ؓ کا ' اور حضرت عثمان غنی ؓ سے پہلے دور صدیقی میں۔ دور فاروقی میں یہ ہوتا تھا کہ ایک اذان جمعہ کی ہوتی تھی جیسے کہ عام نمازوں کے لئے ہوتی ہے۔ ایک اذان ہوتی تھی جب جماعت کھڑی ہوتی۔ منبر کے سامنے جو اذان دی جاتی ہے یہ اذان اس وقت نہیں تھی۔ لیکن بازاروں میں ' مکانوں میں ' گلیوں میں صحابہ ایک دوسرے کو اعلان کرکے بتاتے تھے۔ اذان ہو چکی ہے۔ جماعت کا وقت قریب آ رہا ہے۔ آپ لوگ چلیں مسجد کے اندر ' آپ لوگ اپنا کاروبار بند کریں ' وقت ہو رہا ہے آپ چلیں ' یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق ؓ بھی یہ اعلان فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عثمان غنی ؓ کے زمانے میں یہ مشورہ ہوا کہ یہ جو عام طور پر لوگوں کو بازاروں میں اور گلی کوچوں میں جا کر اعلان کیا جاتا ہے۔ ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ایک اذان کے طور پر اطلاع لوگوں کو دی جائے۔ اور یہ دوسری اذان اس وقت جبکہ خطیب خطبہ شروع کر دے۔ حضرت عثمان غنی ؓ کے زمانے سے یہ تیسری اذان جس کو دوسری کہنا چاہئے شروع ہوئی ' تیسری اس لئے کہ سب سے آخر میں

شروع ہوئی۔ دوسری اس لئے کہ نمبر میں دوسری ہے۔ تیسری جب ہوگی جب جماعت کھڑی ہوگی۔

اذان کے بعد صرف نماز

مجھے یہ بتانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ میں جو بات کہہ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا ارشاد یہ ہے کہ جس وقت اذان دی جائے جمعہ کے لئے تو کاروبار اور ہر قسم کا مشغلہ سب حرام، سب ناجائز، کوئی مصروفیت اب جائز نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ نماز کے لئے چلو۔ یہ کونسی اذان ہے۔ تو وہ اذان ہے بعضوں نے تو یہ کہا کہ اذان وہی ہے جو سب سے پہلے ہے لیکن بعضوں نے کہا کہ نہیں یہ وہ اذان ہے جو خطیب کے سامنے منبر کے اوپر جب خطیب بیٹھ جاتا ہے تو منبر کے سامنے سے پڑھے اور تیسری اذان نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ خطبہ ہو چکا ہے۔ اور اب تو جماعت کھڑی ہو گئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ خواہ وہ پہلی اذان ہو خواہ وہ دوسری اذان ہو، درحقیقت جو نداء دے دی جائے "اذان دے دی جائے تو یاد رکھئے کہ اب کوئی کاروبار اور کوئی مشغلہ جائز نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ مسلمان نماز کی طرف جائے اور نماز کے لئے تیاری کرے اور صرف یہی نہیں آپ سمجھیں کہ خرید و فروخت ناجائز ہے۔ یہ تو عنوان ہے۔ بعض اوقات ایک عنوان ہوتا ہے۔ مراد اس کے تمام افراد ہوتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ رشوت کا مال نہ کھائیں۔ باطل طریقے سے جو مال آتا ہے وہ آپ نہ کھائیں۔ لیکن اگر کوئی صاحب یہ کہے کہ میں کھاتا نہیں ہوں۔ میں تو اس پیسے کے کپڑے بناتا ہوں۔ میں کھاتا نہیں ہوں میں اس کا مکان بناتا ہوں۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ لا تاکلوا جو قرآن کریم نے کہا ہے اس کا مطلب کھانا نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب ہے اپنے کام میں لانا اور استعمال کرنا۔

اسی طرح مقصد قرآن کریم صرف یہ نہیں ہے کہ کاروبار اور خرید و فروخت بند کر دو حتیٰ کہ کھانا پینا بھی جائز نہیں۔ حتیٰ کہ اگر آپ اس وقت بیٹھے کوئی کتاب پڑھا رہے ہوں "کوئی درس دے رہے ہوں" یہ بھی جائز نہیں ہے کیونکہ

جب نماز دے دی گئی تو سوائے اس کے کہ اجتماع کی طرف اور نماز کی طرف جاؤ کسی اور مشغلہ کی اجازت نہیں ہے۔

ایک اجتہادی غلطی کی اصلاح

ایک مرتبہ ایسا ہوا اور میں وہی بات کہنا چاہتا ہوں کہ سرکار دو عالم ﷺ خطبہ دے رہے ہیں۔ ایک قافلہ آیا ہے مال تجارت لے کر اور مسجد کے باہر قافلہ کی طرف سے اعلان ہوا کہ خریدنے والو جلدی آؤ سامان آگیا تو بہت سے صحابہ اٹھ کے چلے گئے اور خرید و فروخت میں لگ گئے۔ بعضوں نے سوچا کہ ممکن ہے کہ چیز ختم ہو جائے ہمیں نہ ملے۔ لہٰذا وہ اٹھ کے چلے گئے۔ خطبہ ہو رہا ہے۔ قرآن کریم کی آیتیں نازل ہوئیں' فرمایا۔

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً.....وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ

یوں تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ صحابہ کرام جو دنیا کے ایسے حریص نہیں تھے۔ دنیا کے شیدائی اور دنیا کے لالچی نہیں تھے۔ یہ واقعہ کیا ہوئی کہ سرکار دو عالم ﷺ خطبہ پڑھ رہے ہیں۔ اور وہ چلے گئے خرید و فروخت کے لئے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ایک زمانہ ایسا تھا کہ جمعہ کا خطبہ جمعہ کی نماز کے بعد ہوتا تھا۔ جیسے عید کا خطبہ عید کی نماز کے بعد ہوتا ہے۔ تو اس وقت لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ اصل عبادت تو ہو چکی ہے۔ اب تو وعظ ہو رہا ہے۔ اور اب اگر ہم اٹھ کے چلے جائیں تو یہ ہم نے عبادت کو نہیں چھوڑا زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ جو پند و نصیحت آپ فرما رہے تھے ہم اسے چھوڑ بیٹھے۔ یہ ان کی سمجھ کی غلطی تھی اور اگر یہ سمجھا جائے کہ خطبہ جمعہ کی نماز سے پہلے ہوتا تھا اور پھر بھی وہ اٹھ کر چلے گئے تو ان کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ یہ جو خطبہ ہے' یہ وعظ ہے' یہ تقریر ہے' یہ speech ہے۔ اس کو وہ یہ نہیں سمجھے کہ یہ داخل عبادت ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جس طریقہ سے ہم نماز چھوڑ کے چلے گئے۔

خطبہ جمعہ عبادت ہے

اس سے ایک بڑی اہم بات سامنے آئی وہ یہ کہ اگر یہ speech اگر یہ
تقریر، اگر یہ ہے وعظ، تو ہر آدمی یہ کہے گا کہ صاحب جو زبان ہماری ہے اس میں
وعظ کہئے گا۔ اگر پشاور میں جمعہ کا خطبہ ہو تو پشتو میں کہئے۔ اگر پنجاب میں ہو تو پنجابی
میں کہئے۔ اگر سندھ میں ہو تو سندھی میں کہئے۔ یہ اگر لندن میں ہو تو انگریزی میں
کہئے۔ یہ کہاں سے آپ نے کہہ دیا ہے کہ خطبہ جمعہ عربی ہی میں ہونا چاہئے۔ یہ تو
speech ہے۔ لیکن اگر اس کی حیثیت صرف speech، اور تقریر، پند و نصیحت کی
ہوتی تو قرآن کریم یہ کبھی نہ کہتا کہ دیکھئے وَإِذَا رَأَوْا..... وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ
جانے والوں نے غلطی کی، خبردار! تم کو خطبہ سننا چاہئے۔ اور سرکار دو عالم ﷺ
کھڑے ہوئے خطبہ دے رہے ہیں۔ اور تم چھوڑ کے چلے گئے۔ قرآن کریم نے
تنبیہ کی اس سے معلوم ہوا کہ اس کی حیثیت صرف وعظ کی نہیں ہے۔ اس کی
حیثیت صرف پند و نصیحت کی نہیں ہے۔ speech بھی نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت
ایسی ہے جیسے کہ ظہر کی چار رکعتوں میں سے دو رکعتیں خطبہ میں تبدیل ہو گئیں اور
دو رکعتیں نماز میں...... یہی وجہ ہے کہ خطبہ شروع ہو بولنا جائز نہیں۔ ہاتھ سے
کھیلنا اور کچھ کرنا جائز نہیں۔ کوئی سلام کرے تو سلام کا جواب دینا جائز نہیں۔ جس
کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس کی حیثیت صرف یہ ہوتی کہ جیسے پند و نصیحت اور وعظ
ہے تو وعظ ہو رہا ہے۔ کسی نے سلام کیا آپ نے جواب دے دیا لیکن معلوم ہوا کہ
یہ خطبہ خطبہ جمعہ جو ہے۔ یہ درحقیقت دو رکعتوں کے قائم مقام ہے۔ یہ بالکل
ایسے ہی ہے کہ جیسے آپ نماز میں ہیں۔ صرف اتنی بات ہے کہ ان دو رکعتوں کی
ہیئت بدلی ہوئی ہے۔ ورنہ حقیقت میں یہ ظہر کی دو رکعتوں کے قائم مقام ہیں۔ یہی
وجہ ہے کہ قرآن کریم عربی میں پڑھ رہے ہیں۔ اور جائز نہیں کہ دنیا کی کسی زبان
میں آپ تلاوت کریں۔ اسی طریقے سے جائز نہیں کہ عربی کے بغیر آپ خطبہ
پڑھیں۔ کیونکہ خطبہ کی حیثیت صرف پند و نصیحت وعظ کی نہیں تھی۔ بلکہ یہ دو
رکعتوں کے قائم مقام ہے۔ دوسری بات اس سلسلہ میں کہنے کی یہ تھی کہ 'خدا تعالیٰ'
نے فرمایا کہ تم یہ سمجھ کر کے کبھی ایسا نہ ہو کہ سامان بک جائے۔ مجھے نہ ملے'

کہاں گئے کیا یہ ایک الگ بات ہے میرے دوستو! کہ اگر ہم واقعتاً اس بات کو
یوں سمجھ لیں تو میرا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں ہمیں اور آپ کو
بادشاہت دے دی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقسیم روزی کا جو نظام ہے جو لوگ اس
نظام کو سمجھے ہوئے ہیں انہیں کوئی پریشانی نہیں ہے۔

حقیقی رازق اللہ ہے

آپ کے ملک میں ڈاک تقسیم کی جاتی ہے۔ بعض ملکوں میں ڈاک تقسیم
نہیں کی جاتی ہے۔ ان کے یہاں p.o.box ہیں۔ وہیں سے جا کے لاتے ہیں۔ لیکن
آپ کے ملک میں ڈاک تقسیم کی جاتی ہے۔ اور آپ اپنے ملک کی ڈاک کا نظام اگر
جانتے ہیں اور آپ سے کوئی شخص آ کے یہ کہے کہ صاحب آج آپ کے نام کا ایک
منی آرڈر آیا ہے۔ آپ نے یہ سنا کہ منی آرڈر آیا ہے آپ جلدی سے گھر سے
نکلے۔ تالا لگایا اور جنرل پوسٹ آفس چلے گئے۔ کیوں؟ میرے نام کا منی آرڈر آیا
ہے۔ جنرل پوسٹ آفس گئے تو معلوم ہوا کہ وہ پوسٹ مین (post man) تو لے
کے چلا گیا' کہاں گیا....؟ یہ نہیں معلوم' اب آپ سارے شہر میں اس پوسٹ مین
کی تلاش کریں۔ دیکھئے کتنی تکلیف اٹھائی' آپ گھر سے جنرل پوسٹ آفس گئے'
تھک گئے' آپ تھک گئے' ہار گئے' بالکل جب آپ اپنے گھر آئے تو آپ کو یہ پتہ
چلا کہ پوسٹ مین یہاں آیا تھا۔ آپ موجود نہیں تھے۔ تو وہ یہاں سے چلا گیا۔ آپ
کو بڑی پریشانی ہوئی۔ منی آرڈر بھی آپ کو نہیں ملا۔ لیکن یہ ساری پریشانی آج
آپ نے اس لئے اٹھائی ہے۔ آپ ڈاک کی تقسیم کے نظام سے واقف نہیں' اگر
آپ کو یہ معلوم ہو کہ یہ منی آرڈر میرے ہی لئے ہے۔ صرف اتنا کام مجھے کرنا
چاہئے۔ اگر میں نے وہ بھی نہیں کیا تو یہ میری غلطی ہو گی۔ کہ منی آرڈر وصول
کرنے کے لئے جو کام کیا کرتے ہیں ایک تو یہ کہ میں اپنے گھر پہ موجود ہوں۔
دوسرے یہ کہ میرے پاس قلم دوات ہو۔ تیسرے یہ کہ اگر میرا کوئی شناخت
کرنے والا آدمی ہو جو یہ بتائے کہ صاحب عبدالکریم یہی آدمی ہے۔ بس اتنا کرنے

کا کام ہے۔ واقعی واقعی وہ میں نے کر لیا۔ لیکن سارے شہر میں گھومتا پھروں۔ چست آفس جاؤں۔ اور یہ ساری تکلیفیں اٹھاؤں یہ وہ نادان اور بے وقوف کرتا ہے کہ جس کو رزق کی تقسیم کے نظام سے واقفیت نہیں ہے۔

اسی طریقہ پر اگر کسی کو یہ معلوم ہو کہ درحقیقت روزی پہنچانا اللہ کا کام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس وقت بھی روزی پہنچائی جبکہ ایک انسان شکم مادر میں تھا۔ جہاں دنیا کا کوئی فلسفی اور حکیم غذا نہیں پہنچا سکتا۔ وہاں بھی اللہ نے غذا پہنچائی۔ غذا پہنچانا اللہ کا کام ہے صرف یہ ہے کہ اس کے حاصل کرنے کے لئے جو تدابیر اور جو طریقے ہمیں اسلام نے بتائے ہیں وہ ہمیں ضرور اختیار کرنے چاہئیں۔ اگر ہم نے وہ اختیار نہ کئے تو ہم اللہ کے نافرمان ٹھہرے اور بس...... جو آدمی صبح سے لے کر شام تک سرگرداں اور پریشان رہے۔ اور اس کی پریشانی سے اس کی روزی میں اضافہ نہیں ہوتا۔ صرف اس لئے ہے کہ وہ نظام سے ناواقف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم نے یہ غلط کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں روزی پہنچائے گا۔ یہ تمہارا خیال غلط ہے۔ کہ اگر وہ سارا کا سارا سامان بک گیا تو کھانے کے لئے کہاں سے آئے گا۔ یہ نہیں سوچنا چاہئے۔

تو میرے دوستو! قرآن کریم کی یہ آیت ہمیں دو باتیں بتا رہی ہے ایک تو یہ ہے کہ جمعہ کا خطبہ جو ہے یہ درحقیقت دو رکعتوں کے قائم مقام ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نظام تقسیم رزق کا رکھا ہے۔ اس کے حاصل کرنے کے لئے جتنی پابندیاں اللہ نے ہم پر عائد کی ہیں ہمیں وہ کرنی چاہئیں لیکن ذہنی طور پر پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک سے رزق کا وعدہ کیا ہے۔ کسی کو کم اور کسی کو زیادہ وہ ضرور پورا ہو کے رہے گا۔ فرمایا کہ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ بس یہ اس آیت کا حاصل تھا۔ وقت ہو گیا۔ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(از ماہنامہ البلاغ)

احسان خداوندی

بموقعہ جلسہ سیرت النبیؐ بمقام چوک فوارہ پشاور ۸ مارچ ۱۹۸۰ء

جناب صدر اور معزز حاضرین !

گزشتہ رات مختصر سے وقت میں میں نے قرآن کریم کی یہی آیات تلاوت کی تھیں۔ جو سورۃ آل عمران کے اندر ہے جس میں حضورؐ کی تشریف آوری کا اور آپؐ کی بعثت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور نہ صرف بعثت کا ذکر ہی نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر اپنے احسان کا ذکر کر رہے ہیں۔ کہ اے مسلمانو! اے اہل ایمان تم پر ہم نے بہت بڑا احسان کیا ہے کہ حضورؐ کو نبی اور رسول بنا کر بھیجا ہے۔ احسان کا یاد دلانا یہ بھی احسان ہے۔ اگر ہم اور آپ آپس میں اگر اپنے احسانات کو دہرائیں۔ اور یاد دلائیں تو علماء اخلاق نے اس کو پسند نہیں کیا ہے۔ احسان جتانے کو بد اخلاقی میں شمار کیا ہے۔ قرآن کریم نے، اسلام نے ہم کو تعلیم دی ہے کہ احسان کرو تو احسان کے طریقے پر کرو۔ احسان جتلاؤ نہیں اور احسان کا معاوضہ بھی نہ لو۔

ام المومنین رضی اللہ عنہا کا عمل

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ جب خیرات، صدقہ یا اور کسی طریقے سے کچھ امداد کسی غریب کی فرماتی تھیں اور کسی قاصد کے ہاتھ بھیجتی تھیں۔ تو یہ تاکید فرماتی تھیں کہ اس کو قبول کرنے کے بعد اگر کوئی مسکین اور یتیم اور غریب دعا کرے تو وہ دعا یاد کر کے لانا کہ وہ کیا کہتا ہے۔ جب وہ قاصد واپس آتا تھا تو آپ اس سے پوچھتی تھیں کہ جب اس نے ہمارا صدقہ قبول کیا۔ کیا دعا دی؟ کیا الفاظ تھے۔ قاصد وہ الفاظ دہرا دیتا تھا۔ تو حضرت عائشہ صدیقہؓ بعینہٖ انہیں الفاظ کو اس قبول کرنے والے کے حق میں لوٹا دیا کرتی تھیں۔ کسی نے سوال کیا کہ آپؓ کیا کرتی ہیں۔ ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے حضور اکرم ﷺ نے بتایا ہے کہ جس احسان کا بدلہ دنیا میں مل گیا اس احسان کی جزا آخرت میں

نہیں ملے گی۔ جب کوئی آدمی میری طرف سے صدقہ لے کے جاتا ہے اور قبول کرنے والا دعا دیتا ہے تو مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ جو قبول کرنے والے نے دعا دی ہے یہ کہیں دنیا کا بدلہ نہ ہو جائے اور جس کی وجہ سے میں آخرت کی جزاء سے محروم نہ ہو جاؤں۔ اس لئے یہ الفاظ یاد کرکے اس کے حق میں دہرا رہی ہوں۔ تاکہ آخرت میں مجھے بدلہ مل جائے۔

احسان ور احسان

میں نے عرض کیا یہ ہمارے اور آپ کے مابین مخلوق اور مخلوق کے درمیان معاملہ ہے۔ خالق اور مخلوق کے درمیان نہیں ' اللہ تعالیٰ جب اپنے بندوں پر احسان کا ذکر فرماتے ہیں تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کیونکہ اس احسان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہمیں متنبہ کیا جائے۔ کہ ہم اس احسان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔

تکلیف کے بعد راحت

جب مسلمان ہجرت کرکے مکہ سے مدینہ تشریف لے آئے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ہجرت فرمائی اور ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے۔ اور مدینہ میں آکر آنحضور اکرم ﷺ نے مواخات قائم کی۔ مواخات کے معنی یہ تھے کہ آپؐ نے نام لے لے کر فرمایا۔ زید' عمر کا بھائی ہے ' عمر بکر کا بھائی ہے ' بکر خالد کا بھائی ہے۔ آپؐ نے سب کو بھائی بھائی بنا دیا..... اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی نے اپنا مکان پیش کر دیا' کسی نے اپنی دکان پیش کر دی۔ حتیٰ کہ کسی کے یہاں دو بیویاں تھیں۔ اس نے ایک کو طلاق دے کر یہ کہا کہ آپ ں عورت سے خود نکاح کر لیجئے تاکہ آپ بغیر بیوی کے نہ رہیں۔

مسئلہ حل ہو گیا' تھوڑے دنوں میں مسلمان اطمینان کی زندگی گزارنے لگے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنا احسان یاد دلا رہے ہیں۔ فرمایا

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ

يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ (القرآن)

اے ہجرت کرنے والے مسلمانو! مدینہ میں اطمینان کا سانس لینے والے مسلمانو! تمہیں وہ وقت یاد رکھنا چاہئے جب تم مکہ کے اندر تھے تمہاری تعداد تھوڑی تھی۔ کمزور تھے اور ہر وقت تمہیں یہ خطرہ لگا رہتا تھا کہ کسی وقت بھی دشمن ہم پر حملہ کر دے اور ہمیں اچک کر لے جائے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ٹھکانا دے دیا۔ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ اور اللہ نے اپنی نصرت اور اپنی مدد سے تمہیں مستحکم اور مضبوط بنایا۔ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ طیبات کے دو ترجمے ہیں۔ اور ہر ایک کا مذاق الگ الگ ہے۔ اپنے اپنے مذاق کے مطابق طیبات کے معنی سمجھئے۔ طیبات کے ایک معنی ہیں' عمدہ و اعلیٰ درجہ کی چیزیں' پاکیزہ قسم کی چیزیں' جو چیزیں تمہیں دور غلامی میں میسر نہیں آتی تھیں۔ اللہ نے اب آزادی کے دور میں اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں تمہیں عطا کیں۔ یہ بھی اللہ کا ایک انعام ہے.....

لیکن بعضوں کا مذاق یہ ہے کہ دراصل اعلیٰ قسم کی نعمتیں مل جانا اتنی بڑی نعمت نہیں ہے طیبات کا ترجمہ یہ کیا جائے کہ اب اللہ تعالیٰ نے تم کو رزق حلال عطا فرمایا۔ کافر کے تحت جب تم تھے' ہو سکتا تھا کہ سود سے چھٹکارا نہ ہو سکتا کہ کمائی تمہاری حلال نہ ہوتی۔ لیکن آج اللہ نے رزق طیب اور رزق حلال عطا فرمایا۔ یہ سب چیزیں ہم آج کیوں یاد دلا رہے ہیں۔ فرمایا کہ

وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

اگر مکہ کی تکلیفیں آپ کو یاد نہ رہیں تو مدینہ میں آکر جو آپ کو راحت اور آرام ملا ہے آپ اس پر خدا کا شکر بھی ادا نہ کر سکیں گے۔ اس لئے وہ تکلیفیں یاد رکھئے تاکہ مدینے میں آکر نعمتوں کا شکر ادا کریں۔ معلوم ہوا کہ یہ احسان جتلایا جا رہا ہے اس لئے کہ آپ میں جذبہ شکر پیدا ہو جائے۔ فرمایا کہ

سب سے بڑا احسان

اللہ کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اللہ نے زمین آسمان پیدا کئے۔ ساری کائنات پیدا کی۔ ہمیں اور آپ کو اللہ نے دنیا میں پیدا کیا۔ یہ بھی تو احسان ہے اور

کہیں کہیں اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔ مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارا پیدا ہونا زمین و آسمان کا پیدا ہونا یہ سب کا سب طفیل ہے اور صدقہ ہے سرکار دو عالم ﷺ ہی کا کسی نے صحیح کہا۔ فرمایا کہ

ہوتا نہ تیرا نور گر تجھ سے ہی نہ ہوتا جلوہ گر

تیرے سبب یہ سب بنا صلی علیٰ محمد

سرکار دو عالم ﷺ کی بدولت ہمیں اور آپ کو وجود بھی رہا ہے اور زمین و آسمان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔ پھر بھی ہماری پیدائش کا ذکر اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بطور احسان کے فرمایا...... فرمایا کہ......

يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ (۸۲-۶)

صرف پیدا ہی نہیں کیا اگر ہمیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ ایک چٹان کی شکل میں پیدا کر دیتے ...... نہیں' فرمایا کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو جسم اس کا قالب اتنا حسین بنایا ہے کہ دنیا میں اس سے بہتر کوئی حسین مخلوق پیدا نہیں کی۔ فرمایا کہ

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ

انسان کو بہترین حسین قالب دے کر پیدا کیا

انسان' چاند سے حسین ہے

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ اگر تو چاند سے زیادہ حسین نہیں تو تجھ پر تین طلاق' یہ بے چاری روتی ہوئی آئی۔ امام صاحب کی خدمت میں اور یہ کہا کہ مجھ پر تو طلاق ہو گئی کیونکہ میں چاند سے زیادہ تو کیا حسین ہوتی' میں تو چراغ سے بھی زیادہ حسین نہیں ہوں۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تو اپنے شوہر کے پاس جا کے رہو۔ خدا کی قسم! تو چاند سے زیادہ حسین ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ ساری کائنات میں جتنی مخلوقات اللہ نے پیدا کی ہیں سب سے زیادہ حسین انسان

کو پیدا کیا ہے۔ خدا کی قسم تو چاند سے زیادہ حسین ہے تجھ پر طلاق نہیں ہوئی۔

سوچئے ! چاند میں روشنی تو ہے۔ لیکن چاند کے سر پر وہ اعلیٰ قسم کی زلفیں بھی موجود ہیں کہیں کہیں اس کے چہرے کے اوپر یہ بادام کی طرح نرگسی آنکھیں موجود ہیں کہیں اس کے منہ ہے کہیں اس کی بھنویں ہیں۔ کہیں اس کے دانت ہیں' کہیں قد و قامت ہے...... نہیں...... حسن کی ایک چیز چاند کے اندر موجود ہے۔ وہ ہے چمک اور روشنی...... لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے چاند سے زیادہ حسین بنایا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارا کتنا بڑا احسان ہے کہ تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اندر جسم اور قالب اعلیٰ درجہ کا دیا۔ اور جسم اور قالب میں جو مشین ہم نے رکھی ہے وہ مشین بھی ایسی اعلیٰ درجہ کی ہے۔ جو جوہر اس کے اندر سے نکلتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے کیسے کمالات انسان کو عطا فرمائے ہیں۔ اس سے زیادہ فرمایا کہ اَلَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ فِیْٓ اَیِّ صُوْرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ

اور اس میں کبھی غور نہیں کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے۔ کروڑہا انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پیدا کر دیا ہے۔ لیکن آج تک اللہ نے ایک انسان کو دوسرے انسان کی صورت پر پیدا نہیں کیا۔ سب کی صورتیں الگ الگ ہیں۔ آٹھ بھائی ہیں۔ سب ہم شکل ہیں لڑکے باپ کی ہم شکل' لڑکیاں ماں کی ہم شکل' مگر ان سب کے اندر باریک باریک فرق اللہ پاک نے رکھ دیا ہے جس کی وجہ سے آپ پہچان سکتے ہیں۔ یہ ماں ہے' یہ میری بہن ہے۔ یہ میری بیوی ہے' یہ میرا باپ ہے' یہ میرا بھائی ہے' اور یہ فلاں عزیز ہے۔ اگر ساری دنیا کے انسان اللہ تعالیٰ ایک ہی شکل میں پیدا فرما دے تو نظام درہم برہم ہو جاتا کیونکہ نہ تو کوئی باپ کو پہچانتا تھا' نہ بیوی کو...... کتنا اللہ تعالیٰ کا احسان ہے آج نظام گڑبڑ ہوتا جا رہا ہے۔ کیونکہ مرد اپنی مردانگی کی نشانیاں مٹاتے چلے جا رہے ہیں۔ اور عورتیں عورت ہونے کی علامتیں ختم کرتی چلی جا رہی ہیں۔ عورتیں مردانہ لباس پہن رہی ہیں اور مرد لمبی لمبی لٹیں'

لمبے لمبے بال رکھ رہے ہیں۔ اور بعض اوقات ان کو دیکھ کے یہ شبہ ہو جاتا ہے۔

"میں نے ایک صاحب زادے سے کہا کہ تم ایسا حلیہ نہ بناؤ کہ تمہیں دیکھ کے کوئی پسند کرکے اپنے لڑکے کا رشتہ نہ بھیج دے۔"

مردانگی کی علامات

ایک واقعہ یورپ کا لکھا ہے کہ ایک نوجوان خوبصورت لڑکا تھا' جس کے لمبے لمبے بال تھے' کم عمر ہے' اتفاق سے ایسے وقت کسی ہوٹل میں چلا گیا جو وقت ہوٹل کے آمد و رفت کا نہیں تھا۔ چھٹی تھی' اس وقت منیجر نے جب اسے دیکھا تو سمجھا کہ کوئی نوجوان خاتون اور لڑکی آئی ہے۔ منیجر اسے لے گیا اور لے جا کر اپنے ایسے کمرے میں کہ جو بالکل تنہائی اور خلوت کا تھا۔ وہیں لے جا کے اسے بٹھایا اور کچھ حرکتیں ایسی ظاہر کیں..... تو اس لڑکے کو یہ خیال ہو گیا کہ اس کی نیت خراب ہے اور شاید یہ بڑی غلط فہمی میں ہے۔ اس لڑکے نے کہا کہ میں مرد ہوں عورت نہیں ہوں...... اس نے کہا کہ ہوں گے آپ مرد..... بہرحال لیکن شکل سے تو عورت معلوم ہوتی ہو..... پہلے تو لوگوں کو یہ خیال ہوتا تھا کہ مرد ہونے کی جتنی نشانیاں ہیں وہ مٹاتے چلے جا رہے ہیں...... نہیں...... اب تو عورتوں کی نشانی قائم کرتے چلے جا رہے ہیں۔

میرٹھ کالج میں ایک لڑکا بڑا ذہین اور ہوشیار تھا۔ داڑھی تو وہ اس لئے ہمیشہ صاف کرتا تھا کہ عصر حاضر کی تہذیب میں یہی اس نے دیکھا کہ سارے کلین شیو (clean shave) ہیں' اس نے داڑھی تو اس لئے اس وجہ سے صاف کر دی کہ فیشن ہے۔ مگر اس نے کہا کہ کچھ تو نشانی ہونی چاہئے۔ تو اس نے ایک مونچھ کا نشان ذرا سا ناک کے نیچے تھوڑے سے مونچھ کے بال رکھے اور اس کو کہا جاتا تھا کہ یہ ہے کرزن فیشن کرزن ایک وائسرائے آیا تھا وہ اس طریقے کی مونچھ رکھتا تھا ذرا سی ناک کے نیچے..... کرزن فیشن میں اس نے مونچھ رکھی تھی۔ حجام کے پاس آیا اور حجام سے اس نے کہا کہ میاں داڑھی وارھی بنا دو' وہ داڑھی وارھی بنانے لگا تو پتہ نہیں اس کا ہاتھ لگ گیا یا کیا وجہ تھی..... کہ یہ چھوٹی سی وہ بھی اڑ گئی۔ اب

جب وہ مکھی اڑ گئی اور اس نے آئینہ دیکھا تو اس نے ایک شعر پڑھا۔

کچھ تو فیشن کا تصدق کچھ کرم قوم کا
رفتہ رفتہ میری صورت ان کی صورت ہو گئی

ان دونوں نے مجھے خاتون کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ تو میں نے کہا آج اللہ نے جو امتیاز قائم کیا تھا وہ امتیاز ہم اور آپ مٹاتے جا رہے ہیں۔ مرد عورتوں کی وضع اختیار کر رہے ہیں۔ عورتیں مردوں کا لباس پہن رہی ہیں۔

ایک شخص کا دلچسپ قصہ

ایک صاحب کی نئی نئی شادی ہوئی اور جب ان کی بیگم تشریف لے آئیں تو شوہر صاحب فرمانے لگے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ ہم اور تم دونوں مل کے کمپنی باغ کی سیر کرنے کے لئے چلیں۔ ان کے باہر بیٹھک میں ایک مہمان ٹھہرے ہوئے تھے وہ یہ گفتگو سن رہے تھے۔ بیوی نے کہا کہ میں کس طریقے سے سیر کو جا سکتی ہوں۔ کیونکہ خاندان والے تو تمہیں اور ہم دونوں کو ہی طعن کریں گے۔ کہ ہم اپنے آزادی کے ساتھ تو نہیں جا سکتے کہ ہم اور تم ہاتھ میں ہاتھ ڈال کے ادھر چلے جائیں۔ ہمارے خاندان والے لعنت بھیجیں گے ہمارے اوپر۔ شوہر نے کہا کہ ایسا کرو کہ تم میرا مردانہ لباس پہن لو اور ہم تم دونوں مردانہ لباس میں ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر کمپنی باغ چلیں گے۔ وہاں پر لوگ سمجھیں گے کہ یہ دونوں کے دونوں آپس میں دوست چلے آ رہے ہیں۔ وہ جو باہر مہمان ٹھہرا ہوا تھا۔ اس نے یہ ساری گفتگو سنی اور معلوم ہو گیا کہ کمپنی باغ دونوں کے دونوں مردانہ لباس پہن کے جا رہے ہیں۔ یہ مہمان پہلے سے کمپنی باغ میں بنچ پر جا کے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں دیکھا کہ وہ دوست چلے آ رہے ہیں۔ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے تو وہ جو مرد تھا اس کو تو یہ پہچانتے تھے۔ یہ اٹھے اور اٹھ کے سلام کیا، مصافحہ کیا اور پوچھا آپ کی تعریف، آپ کون ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ ہمارے بہت بڑے پرانے دوست ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ آپ کے دوست ہیں، یہ کہہ کر ان کو سینے سے لگا لیا۔ اب یہ جو مردانہ لباس پہنے ہوئے خاتون ہیں یہ بے چاری بھی شرمندہ اور وہ شوہر نامدار بھی

شرمندہ اور یہ جب کی بات میں بتا رہا ہوں جب لوگوں میں کچھ غیرت تھی۔ اب تو معاف کیجئے۔ شوہروں میں اتنی غیرت نہیں ' اب تو انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں بقول اکبر الہ آبادی مرحوم

"خدا کے فضل سے بیوی میاں دونوں مہذب ہیں۔"

آج کل کا معیار تہذیب

بیوی بھی مہذب ' شوہر بھی مہذب ' مہذب کسے کہتے ہیں۔ ہم اور آپ مہذب نہیں ہیں کیونکہ ہم اور آپ اگر ایسی حرکت دیکھیں۔ ہمیں اور آپ کو غصہ آتا ہے۔ مہذب وہ ہے جو سب کچھ دیکھے اور غصہ نہ آئے۔

خدا کے فضل سے بیوی میاں دونوں مہذب ہیں انہیں غیرت نہیں آتی انہیں غصہ نہیں آتا!

جس عورت میں غیرت نہ ہو اور جس شوہر میں غصہ نہ ہو کہتے ہیں کہ یہ دونوں کے دونوں اعلیٰ درجہ کی سوسائٹی کے ہیں۔ یہ خوب بڑا مہذب آدمی ہے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیا احسان جتایا ہے۔ فرمایا

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شَاءَ رَكَّبَكَ

الگ الگ شکل الگ الگ صورت اللہ تعالیٰ نے بنائی ہیں۔ یہ بھی ایک احسان ہے۔ مگر اس سے بڑا احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے نبی کو بھیجا جس نے اپنی تعلیمات سے ہمیں انسان بنایا۔ یہ بڑا احسان ہے۔ وجود دیا یا وجود کا ذریعہ بن جانا یہ کم درجہ کا احسان ہے۔ ماں اور باپ کو اللہ تعالیٰ نے وجود کا ذریعہ بنایا ہے۔ بشرطیکہ آپ لوگ مانیں۔ اس لئے کہ آج کل نوجوان تو یہ بھی ماننے کو تیار نہیں ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا لوگ کہتے ہیں۔ بچے مت پیدا کرو ' ہم نے بچے پیدا کئے ہم فلاں نے بچے پیدا کئے۔ ارے بھئی یہ کب سے آپ لوگ پیدا کرنے لگے ہم تو کہتے ہیں کہ اللہ میاں پیدا کرتے ہیں۔ معلوم ہوا آپ پیدا کرتے ہیں...... یہ الفاظ جو انسان ادا کرتا ہے کہ ہم نے پیدا کئے ' پیدا مت کرو...... یہ ٹھیک نہیں ہیں......

پیدا کرنا خدا کے اختیار میں ہے۔

ایک دہریے کو نصیحت

ایک شخص تھا ایک آنکھ سے دیکھتا تھا۔ دوسری سے اسے نظر نہیں آتا تھا۔ اور ایسے لوگ عام طور پر ذرا شریر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ہمارے یہاں یو پی میں ایسے آدمی کو کہا کرتے تھے ڈپٹی صاحب......

ایک سکول کے ڈپٹی تھے وہ واقعی میں ایک آنکھ سے دیکھتے تھے۔ دوسری سے انہیں نظر نہیں آتا تھا..... اور وہ خدا کے قائل نہیں تھے...... سکول میں آئے آکے لڑکوں سے کہا کہ آپ خدا کے وجود کے اوپر کوئی دلیل پیش کریں۔ لڑکے بیچارے شکل دیکھنے لگے۔ ان کی لیاقت سے زیادہ سوال تھا...... ماسٹر صاحب اٹھے اور اٹھ کر کہا کہ ڈپٹی صاحب 'لڑکوں سے کیا سوال کر رہے ہیں' اگر خدا کے وجود کی دلیل مانگنی ہے تو مجھ سے مانگئے...... انہوں نے کہا اچھا 'آپ اگر خدا کے وجود کی دلیل دے سکتے ہیں تو دیجئے...... ماسٹر صاحب نے کہا کہ یہ جو آپ کا قد جو کھڑا ہوا ہے یہ کہاں سے آیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے...... انہوں نے کہا نہیں یہ غلط ہے مجھے تو میرے اپنے ماں باپ نے پیدا کیا ہے۔ انہوں نے کہا دیکھئے یہ سب تو پرانی باتیں ہیں۔ ایک بات میں جانتا ہوں مجھے ایک آنکھ سے نظر آتا ہے۔ دوسری آنکھ سے نظر نہیں آتا۔ اگر آپ کا خدا موجود ہے تو خدا سے کہئے کہ میری آنکھ ٹھیک کر دے' میں ایمان لے آؤں گا.....

ماسٹر صاحب نے کہا بہت اچھا' انہوں نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھایا اور ہاتھ اٹھا کر اس طرح ہونٹ ہلائے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ سے باتیں ہو رہی ہیں۔ تھوڑی دیر میں انہوں نے گردن ہلائی اور انہوں نے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے کہا 'اے اللہ! تیرے اوپر ایمان لانے کا مسئلہ ہے تو اس کی آنکھ ٹھیک کر دے۔ ڈپٹی صاحب نے پوچھا..... پھر کیا ہوا..... انہوں نے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے انکار کر دیا۔ کیوں..... اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔ کہ ہم نے جب اسے پیدا کیا تھا اس وقت

ہم نے اس کو دونوں آنکھیں دے کے پیدا کیا تھا۔ اور جب سے اس نے ہمارا انکار
کر دیا۔ ہم نے اس کی ایک طرف کی آنکھ خراب کر دی...... اور ہم نے اس لئے
خراب کی...... اگر تجھ کو ہے... ماں باپ نے پیدا کیا ہے تو جا کے ماں باپ سے یہ
آنکھ بنوا لے۔ اگر ماں باپ انسان کو سارا وجود دے سکتے ہیں تو کیا ایک آنکھ نہیں
بنا سکتے۔ اور جب نہیں بنا سکتے تو معلوم ہوا کہ انسان کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اللہ
نے صرف پیدائش کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ وجود کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ مگر خالق حقیقی اللہ
تعالیٰ ہے......

ماں باپ ہمارے بڑے محسن ہیں لیکن اس سے بڑے محسن ہمارے وہ استاد
ہیں جو تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے ہمیں صحیح معنی میں انسان بناتے ہیں۔ استاد کا
درجہ ماں باپ سے زیادہ ہے۔ بلکہ آپ نے علماء سے سنا ہوگا کہ حدیث میں آتا ہے
کہ

ان الجنۃ تحت اقدام امہاتکم

یقیناً" جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ آپ نے یہ کبھی نہیں
سنا ہوگا کہ جنت تمہارے باپوں کے قدموں کے نیچے ہے۔ یہ کبھی نہیں سنا ہوگا آپ
نے..... میری بچی نے ایک دفعہ یہ کہا تھا کہ جنت ہماری ماؤں کے قدموں کے نیچے
ہے اور ہمارے ابا کے پاؤں کے نیچے چپل ہے..... جنت نہیں ہے......

ماں کا رتبہ باپ سے زیادہ

کیا وجہ ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے خاتون کا درجہ بڑھا دیا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے
عورت کو فضیلت دی ہے۔ مرد کا درجہ کم کر دیا۔ کہیں کہیں ایسے بھی مواقع آتے
ہیں کہ عورتوں کو فضیلت دی گئی مردوں پر جیسے ہم اور آپ بولتے ہیں۔ "یہ مادری
زبان ہے" پوچھنے والا پوچھتا ہے کہ کیوں صاحب! ابا جان کدھر چلے گئے۔ آخر ابا
جان بھی تو وہی زبان بولتے ہیں...... تو ماں کی زبان کیوں کہلاتی ہے باپ کی زبان
کیوں نہیں...... ایک مرتبہ سکول کے بچوں سے کسی نے پوچھا کہ آپ بتائیں گے
کہ زبان کو مادری کیوں کہتے ہیں۔ بچوں کے پاس تو کوئی جواب نہیں تھا...... ایک

بچہ بڑا ذہین تھا وہ کھڑا ہوا ..... اور کہا صاحب ! زبان کو مادری اس لئے کہتے ہیں کہ ابا کے منہ میں تو زبان نہیں ' امی تو بولنے ہی نہیں دیتی انہیں ..... امی ہی بولتی رہتی ہیں اس لئے مادری کہلاتی ہے .....

بہرحال وجہ کچھ بھی ہو بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جہاں پر عورتوں کی طرف نسبت ہے۔ عورتوں کو فوقیت اور فضیلت حاصل ہے .... مرد کو نہیں .... کیوں؟..... اس گوشت کے لوتھڑے کو انسان بنانے والی تمہاری ماں ہے۔ جس نے اچھی اچھی عادتیں پیدا کیں۔ جس نے اعلیٰ درجہ کے اخلاق پیدا کئے۔ جس نے تمہاری تربیت کی ہے۔ جس نے تمہیں انسان کامل بنایا ہے ..... باپ کا اس میں کوئی دخل نہیں ۔ اس گوشت کے لوتھڑے کو انسان بنانے والی چونکہ تمہاری ماں ہے ۔ اس لئے ماں کو یہ فضیلت دی ہے کہ ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔ معلوم ہوا تعلیم اور تربیت کو بڑا دخل ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو دنیا میں پیدا کر دیتے جیسے گھاس پیدا ہوتی ہے۔ لیکن ہمارا کوئی مالی نہ ہوتا۔ ہمارا کوئی رکھوالی کرنے والا نہ ہوتا۔ ہماری اور آپ کی اصلاح کرنے والا نہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کسی نبی اور پیغمبر کو نہ بھیجتا تو آپ کو اندازہ ہے کہ ہم اور آپ خودرو گھاس کی طرح بن جاتے ۔ انسان کامل نہ ہوتے۔ علم اور تربیت ایسی چیز ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ایسا حسین بنا دیتا ہے کہ اوہو یہی وہ حضرت ہیں۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ یہ گوشت کا لوتھڑا ہو ہے۔ یہ اتنے کمالات اس کے اندر پیدا ہو جائیں گے .....

تربیت کے اثرات

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ میں نقل کر دیتا ہوں۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر عزیزی میں لکھا ہے اس سے ہمارے اور آپ کے دلوں میں ماں باپ کی قدر کے ساتھ ساتھ استاد کی قدر بھی پیدا ہو گی۔ کیونکہ معلم کی آج قدر نہیں ہے۔ اور معلم استاد ماں باپ سے زیادہ محسن ہیں۔ ماں باپ نے آپ کے لئے صرف کھانے پینے کا انتظام کیا ہے۔ پرورش کا اہتمام کیا ہے۔ ماں باپ نے بڑھایا ہے۔ معلم نے آپ کی تربیت کی ہے۔ معلم نے آپ کو

پڑھایا ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ خلفاء بنو عباسیہ کے زمانے میں ایک آدمی کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ میں کسی طریقے سے خلیفہ کی خدمت کروں۔ اگر مجھے ایسا موقع مل جائے کہ خلیفہ ہارون رشید کا خدمت گزار بن جاؤں نوکر بن جاؤں "ان کے چاہے جوتے صاف کروں" چاہے کپڑوں کی استری کروں "مگر میں ان کے ذاتی عملہ میں اور سٹاف میں ہو جاؤں" یہ میری بڑی معراج ہے.....

.... تو وہ گیا اور جا کر خلیفہ سے کہا کہ حضور! میں نوکری چاہتا ہوں۔ لیکن میں نوکری تنخواہ کی خاطر نہیں چاہتا۔ آپ کی خدمت کیلئے چاہتا ہوں۔ مجھے ایسی نوکری دی جائے کہ جس میں مجھے آپ کی خدمت کرنے کا موقع مل جائے.... خلیفہ نے کہا کہ ہماری خدمت کے لئے تو اس وقت تک موقع نہیں ملے گا جب تک کہ تو علم حاصل نہ کر لے اور تمہارے لئے علم حاصل کرنا اتنا مشکل ہے۔ بغداد کے اندر مدرسہ نظامیہ موجود ہے۔ اور یہ وہ زمانہ ہے کہ جب حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جیسے پڑھانے والے ہیں۔ جن کا سایہ بھی اگر پڑ جائے تو انسان "انسان بن جائے گا۔ یہ اس شوق میں پڑھنے کے لئے گیا وہاں پر اگر میں نے سال چھ مہینے پڑھ لیا تو خلیفہ کی خدمت گزاری کا موقع مل جائے گا اور میرے نزدیک یہ بڑی معراج ہے۔ کہ ہیڈ آف دی سٹیٹ (Head of the state) کی خدمت کرنے کا موقع مل جائے

.... داخل ہو گیا "سال بھر کے بعد خلیفہ نے اس کو امتحان کے لئے بلایا اور جب اس سے باتیں کیں تو اس نے یہ محسوس کیا کہ اوہو یہ تو ایک ہی سال میں کچھ کا کچھ بن گیا.... ہر بات کا جواب معقول دیتا ہے۔ مہذب ہو گیا ہے "اعلیٰ درجے کی تہذیب کی باتیں کرتا ہے..... خلیفہ نے کہا کہ میں نے تمہارا امتحان لگایا کہ اگر تم چاہو تو اب میرے ذاتی سٹاف میں داخل ہو سکتے ہو۔ اب میں تمہیں ملازم رکھ سکتا ہوں..... وہ چپکے لگا..... اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو الفاظ نقل کئے ہیں۔ میں ایسے شہر میں موجود ہوں" یہاں فارسی جاننے والوں کی تعداد بھی زیادہ ہے۔ میں انہی کے الفاظ نقل کئے دیتا ہوں.......

"دریغ کہ من قابل خدمت شاہ بودم"

جب میں اتنا گھٹیا درجے کا انسان تھا اور میری تمنا یہ تھی کہ کسی طریقے سے آپ کی خدمت کروں۔

وقتی کہ من قابل خدمت شما بودم — شما خدمت مرا قبول نہ کردید

اس وقت تو آپ نے میری نوکری کا انتظام نہیں کیا، میری خدمت کو قبول نہیں کیا۔

اور اب خدا کے فضل سے میں گھٹیا انسان نہیں رہا، انسان کی خدمت کی تمنا نہیں، اب خدا کی خدمت کی تمنا میرے دل میں ہے، اب آپ اگر خدمت پیش کریں تو آپ کی خدمت قبول کرنے کو تیار نہیں ہوں۔

حالا کہ من قابل خدمت خدا شدم

خدمت شما قبول نہ کردم

خلیفہ حیران ہو گیا..... اتنا گھٹیا درجے کا انسان، اتنا پست انسان..... اتنا اعلیٰ انسان ہو گیا..... کس نے کیا؟..... معلم نے کیا..... تربیت نے کیا..... جس سے معلوم یہ ہوا کہ صرف وجود کا ذریعہ بن جانا بھی احسان ہے۔ مگر اس سے بڑا احسان ہے تعلیم و تربیت۔

احسان خداوندی

اب یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو معلم بنا کر دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔ جو مربی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ ان کا بھیجنا اللہ کی نظر میں اتنا بڑا احسان ہے کہ فرماتے ہیں۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

کتنا بڑا احسان ہے کہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی اور رسول بنا کر بھیجا اور یہ

بڑا احسان ہے اللہ کا.....

تو میرے دوستو! اکل جو بات میں کہہ رہا تھا وہ پھر کہوں گا۔ حضور اکرم ﷺ اللہ کی سب سے بڑی نعمت بھی ہیں۔ اللہ کی سب سے بڑی رحمت بھی ہیں۔ اللہ کا سب سے بڑا انعام بھی ہے۔ اور آپ خود بھی ہمارے اور آپ کے لئے محسن ہیں کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ نے بھی اپنی خدمات اور اپنی تعلیمات کی وجہ سے ہم اور آپ پر اور انسانوں پر بڑے احسانات کئے ہیں۔ لہٰذا اب ہمیں اور آپ کو حضور ﷺ کے ساتھ کیا کرنا چاہئے۔ صرف سالانہ جلسہ کر لینا کافی ہے۔ یا سیرت کا کوئی مقالہ لکھ دینا کافی ہے۔ یا سیرت کے اوپر تقریر کرنا کافی ہے...... نہیں.....

حب رسول کا تقاضا

میں آپ سے یہ بات گذشتہ رات بھی عرض کر رہا تھا کہ حضور اکرم ﷺ سے محبت کرنا نہیں بلکہ آپؐ کا دیوانہ بن جانا ' آپؐ کا عاشق بن جانا...... بلکہ اس کو بھی چھوڑئیے ...... میں نے عرض کیا...... دنیا میں وہ قوم زندہ قوم کہلاتی ہے جس میں جذبات ہوں جس میں تڑپ ہو ..... وہ قوم دنیا میں مردہ کہلاتی ہے۔ کہ جس کے دلوں میں جذبات نہیں۔ فرمایا

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کرو دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ

آپ ریسرچ اور تحقیقات کے بڑے عادی ہیں...... میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں کہ جب حضور ﷺ دنیا سے تشریف لے جا رہے تھے اور وہ موقع جب ہے جب کہ آپ آخری حج ادا کر رہے ہیں۔ جس کو حجۃ الوداع ' اسی کو حجۃ الاسلام بھی کہتے ہیں...... کیونکہ یہی پہلا حج ہے۔ یہی آخری حج ہے۔ ۹ھ کے اندر حج فرض ہوا ہے۔ ۱۰ھ میں آپ نے حج ادا کیا ہے۔ ۱۱ھ میں آپ تشریف لے گئے ہیں۔ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ یہی آپؐ کا پہلا حج' یہی آپ کا آخری حج ' اسی کو حجۃ الاسلام بھی کہتے ہیں اور حجۃ الوداع بھی کہتے ہیں۔

جب آپ دنیا سے تشریف لے جا رہے ہیں اس وقت مسلمانوں کی کل تعداد کیا ہے۔ اس وقت ایک لاکھ چوبیس ہزار کی تعداد اتنی معمولی تعداد ہے کہ آج اگر کسی قوم کی یہی تعداد ہو تو آپ اسے چھوٹی سے چھوٹی اقلیت کو ماننے کو بھی تیار نہیں۔ یہ کوئی تعداد ہی نہیں۔ لیکن حضور اقدس ﷺ نے اتنے مسلمانوں میں کیا جذبہ پیدا کیا تھا۔ کیا تڑپ پیدا کی تھی.... کیا آپ نے ان کو دیوانہ بنایا تھا۔

اسلام کی تڑپ

قیصر روم کی طرف سے سفیر آتا ہے۔ آکر کہتا ہے کہ ہم مسلمانوں کو دیکھنے کے لئے آئے ہیں...... اور وہ مسلمانوں کو دیکھ کر گیا۔ جا کر اس نے کہا۔ "میں نے روئے زمین پر ایسے دیوانے نہیں دیکھے جو حضور اکرم ﷺ کے وضو کا پانی تک زمین پر نہیں گرنے دیتے۔ ایسے دیوانے میں نے نہیں دیکھے..... ترکی میں خشکی میں ایشیاء میں افریقہ میں یہی مسلمان.... پہلی صدی میں .... جہاں جہاں جا سکتے تھے جا کر اسلام کا جھنڈا گاڑ دیا۔ چین اگرچہ ہے ایشیاء میں لیکن آپ کو معلوم ہے کہ کتنا دور ہے۔

چین میں پہلی صدی ہجری کی مسجد

۱۹۵۶ء میں علماء کا ایک وفد چین بھیجا گیا۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کے علماء کا ایک وفد لے کر مجھ کو چین بھیجا گیا...... ایک مہینہ ہم نے چین کا دورہ کیا ' مسلمانوں سے ملے ' آثار و نشان دیکھے...... ہانگ کانگ سے چلے تو سب سے پہلے جو جگہ آتی ہے اس کا نام ہے کانٹون۔ بڑی مشہور جگہ ہے۔ یہی جگہ ہے جہاں کہ چین کی حکومت کا موجودہ انقلاب پیدا ہوا تو وہ کانٹون سے پیدا کیا..... ہم وہاں گئے تو دیکھا کہ ایک مسجد ہے۔ اور وہ مسجد عربوں کی طرز کی بنی ہوئی ہے۔ پورے چین کے اندر آپ جائیے۔ عبادت خانوں ' اور مسجدوں کو دیکھئے تو باہر سے وہ ایسے معلوم ہوں گے کہ جیسے چین کے اور بت پرست قوم کے پگوڈا ہوتے ہیں.... اسی طریقے کی مسجد بھی ہے۔ اندر آپ جا کے دیکھیں گے تو آپ کو منبر و محراب ملے

گی۔ تو پتہ چلے گا کہ یہ مسجد ہے۔ مگر کانٹون کی جو مسجد ہے وہ یادگاری مسجد ہے۔ کانٹون کی مسجد کے قریب قبرستان ہے۔ ایک گنبد لگا ہوا ہے بڑا پیارا...... اس مسجد کا نام ہے مسجد وقاص..... سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ...... ان کا وصال مدینے میں ہوا ہے...... یہ اور کوئی بزرگ ہیں وقاص..... لیکن اس تختی کو پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صدی ہجری کے اندر مسلمان سمندر کے راستے کانٹون میں داخل ہو گئے تھے۔ اور مسلمانوں نے وہاں پہنچ کر اللہ کا گھر بنا دیا۔ اسلام کا جھنڈا گاڑا اور یہ مسجد وقاص پہلی صدی ہجری کی مسجد ہے.....

اسلام پر عمل کا اثر

پہلی صدی ہجری میں مسلمان براعظم افریقہ میں تبلیغ کرنے کے لئے گئے ہیں۔ انہوں نے پڑاؤ ڈالا..... وہاں کے لوگوں نے بتایا...... آپ یہاں پڑاؤ نہ ڈالئے۔ یہاں بہت زہریلے قسم کے جانور ہیں۔ یہ جانور آپ کو یہاں ٹھہرنے نہیں دیں گے..... صحابہ رضی اللہ عنہ نے کہا آپ ہماری پرواہ نہ کریں۔ ہمیں ٹھہریں گے' یہیں پڑاؤ ڈالیں گے..... یہ گئے اور جا کر جنگل کے کنارے پر کھڑے ہو گئے اور کھڑے ہو کر ایک آواز لگائی...... آواز کیا تھی؟ جادو سے بھری ہوئی آواز تھی..... انہوں نے کہا۔

ايها الحشرات في الارض اے زمین کے بلوں میں رہنے والے زہریلے جانورو! یہ بات سنو'

نحن من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم

ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں اور یہاں پر ٹھہرنا چاہتے ہیں تم جگہ خالی کر دو۔

فرماتے ہیں..... لاکھوں انسانوں نے دیکھا کہ سانپ اور دوسرے جانور اپنے اپنے بچوں کو اپنے منہ میں دبائے ہوئے بلوں کو چھوڑ کر چلے جا رہے ہیں۔

میرے دوستو! ایمانداری سے بتائیے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمانوں کو کیسا [illegible] بنایا تھا سرکار دو عالم ﷺ نے۔

غیرت و حمیت جانوروں میں بھی ہوتی ہے

ایک اور حکایت یاد آگئی۔ حیوۃ الحیوان ایک کتاب ہے جس میں جانوروں کے نام، ان کی خاصیتیں، ان کی علامتیں لکھی ہیں... الف سے شروع کیا ہے تو اسد۔ اس کے معنی شیر، اب وہ اس کو لکھتے ہیں۔ کتنی قسمیں ہیں شیروں کی.... شیر نہایت شریف جانور ہے۔ شیر کی خاصیت یہ ہے کہ اگر آپ شیر سے آنکھ ملا کر نہ چلیں اور آنکھ نیچی کرکے چلیں تو شیر بھی آپ پر حملہ نہیں کرے گا۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ شیر کے اندر بڑی غیرت و حمیت ہے..... شاید کسی بادشاہ اور سلطان کے اندر بھی وہ حمیت اور غیرت نہیں ہے۔ جتنی شیر کے اندر ہے..... انہوں نے یہ لکھا ہے کہ اگر اسے پتہ چل جائے بلکہ خوشبو آجاتی ہے۔ اگر معلوم ہو جائے کہ کسی گھاٹ سے کوئی کتا پانی پی کر گیا ہے تو شیر —————— پیاس سے جان دے دے گا مگر یہ اس کی غیرت کے خلاف ہے کہ اس گھاٹ سے پانی پئے۔ حیوۃ الحیوان نے دو شعر نقل کئے ہیں۔ فرمایا کہ

اترک حبہا من غیر بغض
وذاک بکثرۃ الشرکاء فیہ

کہتا ہے میں نے تو اپنی محبوباؤں کو چھوڑ دیا اور کسی بغض کی وجہ سے نہیں چھوڑا۔ پھر کاہے کو چھوڑا۔ غیرت کی وجہ سے چھوڑا...... کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ جس محبوب کو میں چاہتا ہوں۔ یار لوگ بہت سے اس کو چاہتے ہیں..... تو جب اس کو بہت سے چاہنے والے ہیں تو میری غیرت گوارا نہیں کرتی کہ میں چاہوں.....

واترک حبہا من غیر بغض
وذاک لکثرۃ الشرکاء فیہ
وتجتنب الاسود ورود ماء
اذا کان الکلاب ولغن فیہ

اگر کسی جگہ کتا پانی پی لیتا ہے تو شیر وہاں سے پانی نہیں پیتا۔

شیر کے بارے میں بھی ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جا رہے ہیں..... لوگ جمع ہیں..... راستہ بند ہے..... آپ نے دریافت کیا..... کسی نے کہا کہ راستے کے درمیان میں شیر بیٹھا ہے۔ اس کی وجہ سے لوگ ادھر ادھر نہیں جا سکتے..... فرمایا..... اچھا..... ہٹ جاؤ..... حضرت عبداللہ بن عمرؓ آدمیوں کو چیرتے ہوئے اندر چلے گئے اور جب شیر کے قریب پہنچے تو کہا..... لیھاالاسد اے شیر..... نحن من اصحاب رسول اللہ ﷺ

اے شیر! تجھے معلوم ہونا چاہئے میں رسول اللہ ﷺ کا صحابی ہوں۔ خبردار جو تو نے نظر اٹھا کے دیکھا۔ یہ کہا اور آگے بڑھے۔ اور شیر کے کان پکڑ لئے۔ لوگوں سے کہا جو ادھر کو جانا چاہتے ہیں وہ ادھر چلیں' جو ادھر کو جانا چاہتے ہیں وہ ادھر کو چلیں۔

میرے دوستو! کیا آج ہمارے اور آپ کی اس آواز میں اثر ہے۔ یہ دور ہے 'کیا وجہ ہے۔ وہی اسلام ہے' وہی دین ہے' وہی قرآن ہے' وہی نماز ہے' وہی روزہ ہے' مگر آج ہمارے اور آپ کی آوازوں میں' ہمارے نعروں میں وہ اثر نہیں۔ فرمایا کہ

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

ہمارے دل محبت سے خالی ہو گئے۔ وہ آگ سے خالی ہو گئے اور آگ نے ٹھنڈا ہونا چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ وہ ابراہیمی ایمان نہیں اور آپ کو خبر نہیں ہیں۔ آگ نے بھی اپنی خاصیت تبدیل کر دی ہے۔

بجھی آگ عشق کی

میرے دوستو! آج دنیا میں جو آپ دیکھتے ہیں ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمانوں نے کہاں کہاں جھنڈے گاڑے' آج ہماری اور آپ کی تعداد ۹۰ کروڑ سے ۹۵ کروڑ تک..... عیسائیوں کے بعد دنیا میں سب سے بڑی آبادی مسلمانوں کی

ہے۔ اور یہ بات مجھے اس لئے کھٹی پڑی کہ عیسائی ملکوں میں یا جن ملکوں میں اسلامی نام کے علاوہ ملکی نام رکھنے کا رواج بھی ہے۔ وہاں عیسائیوں نے مردم شماری کے اندر دھاندلی کی ہے۔ بہت سے ملک ایسے ہیں۔ برما میں مسلمان کا ایک نام اسلامی' ایک نام ملکی' اور جب آپ ان سے ملکی نام پوچھیں تو کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ یہ مسلمان ہے.....

چین کے اندر مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد ہے لیکن وہاں ایک نام اسلامی جو گھر میں استعمال ہوتا ہے۔ دوسرا نام چینی' مثلاً" ہمارے ساتھ ایک صاحب تھے۔ ان کا نام عبداللہ اور چینی نام تھا ان کا "تاپو شنگ" اب آپ مجھے بتایئے کہ تاپو شنگ مردم شماری میں کون سمجھے گا کہ یہ مسلمان ہے۔ جاپان میں' چین میں' برما میں اور دنیا کے دوسرے ملکوں میں بھی ایسا رواج ہے۔ کہ وہاں پر مسلمان ملکی نام رکھتے ہیں..... میں نے برما میں ایک مرتبہ تقریر کرتے ہوئے مسلمانوں کو منع کیا تھا۔ آپ ملکی نام نہ رکھیں' اس طریقے سے آپ کی تعداد جو ہے فنا ہو جائے گی ختم ہو جائے گی۔ ہم نے ان کو بتایا کہ ہندوستان کے اندر بعض علاقے ایسے تھے جہاں مسلمان ۱۹ فیصد تھے۔ مگر خدا کا فضل ہے کہ وہاں پر کسی مسلمان نے اپنا نام رام چندر نہیں رکھا.....

تو میں نے عرض کیا مردم شماری میں عیسائیوں نے غلطی کی ہے..... افریقہ کے اندر کافی قوم جو لا مذہب ہے جن کا کوئی مذہب اور دین نہیں ان کو بھی عیسائیوں کی فہرست میں شمار کیا ہے۔ تو میں اس مسئلہ میں نہیں جاتا۔ کہ عیسائیوں کے بعد دنیا میں سب سے بڑی تعداد مسلمانوں کی ہے۔ ۹۰۔۹۵ کروڑ

میرے دوستو! جب ہماری اور آپ کی اتنی بڑی تعداد ہے تو ہم اور آپ چولہے کی بجھی ہوئی مٹی کیوں بن گئے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے' ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمان جہاں جہاں اسلام کا جھنڈا گاڑ گئے تھے ہم ۹۵ کروڑ ہوتے ہوئے ان جھنڈوں کی حفاظت نہ کر سکے.....

سوچنے کی بات یہ ہے۔ کیا وجہ ہے آپ اس مریض کے سرہانے بیٹھیں'

اس کی نبض پہ ہاتھ رکھیں اور ہاتھ رکھ کر آپ معلوم کریں کہ اس قوم کی اصل بیماری کیا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو نبض دیکھنا بھی نہیں جانتے اور وہ بیماریاں فرضی طور پہ آپ کو بتاتے ہیں۔ کسی نے آپ کی نبض پہ ہاتھ رکھا اور ہاتھ رکھ کے کہا.... ہم سمجھ گئے مسلمانوں کے تنزل کی اصل وجہ یہ ہے کہ اگر مسلمان دولت مند ہو جاتا..... نعوذ باللہ اگر مسلمان ایسا دولت مند ہو جاتا جیسا کہ یہود قوم دنیا میں دولت مند ہے ... تو کیا مسلمان دنیا میں سب سے زیادہ ترقی کرتے......

غربت وجہ زوال نہیں

اگر آپ کی تشخیص صحیح ہے تو مجھے بتایئے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے زمانے میں کتنے مسلمان ارب پتی تھے۔ ایک بھی نہیں..... ہماری بات کو تو آپ مانیں گے نہیں لیکن علامہ اقبال مرحوم کی بات تو مانیں گے۔ وہ فرماتے ہیں۔

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندہ مومن کا بے زری سے نہیں

دولت کی کمی سے مسلمانوں کو زوال نہیں ہوا..... غلط کہتا ہے... پھر

سبب کچھ اور ہے جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندہ مومن کا بے زری سے نہیں
جہاں میں جوہر اگر کوئی آشکارا ہو
قلندری سے ہوا ہے تونگری سے نہیں

جب مسلمان قوم نے قلندری اختیار کر لی تھی، دیوانے تھے، اللہ اور رسول ﷺ کے دیوانے تھے تو مسلمان دنیا میں ترقی یافتہ تھے۔ اور جب سے مسلمان تونگر اور دولت مند بن گئے یہ قوم اگر دولت مندی کی وجہ سے ترقی کرتی ..... آپ کا کیا خیال ہے، لوگ کہتے ہیں کہ پاکستان میں کسی زمانے میں ۲۲ خاندان ہیں، دولت مند..... آپ کا خیال ہے کہ ۲۲ خاندان ساری رات مصلی پہ کھڑے ہو کر تہجد پڑھتے ہیں.....ان کے ذریعہ سے اسلام کو ترقی ہو رہی ہے.... کس بے وقوف

نے آپ سے کہہ رہا ہے کہ آپ اس بیمار کی نبض دیکھئے۔ اور نبض دیکھ کے آپ غلط بیماری بتائیں۔

دین اور جدید تعلیم

بعضوں نے کہا کہ اصل بیماری یہ ہے ..... یہ قوم جاہل ہے۔ چلئے تھوڑی سی بات ہم مان لیتے ہیں کہ جاہل ہے مگر آپ کونسا علم دینا چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر یہ ساری کی ساری قوم انگریزی پڑھ لے تو یہ ترقی یافتہ ہو جائے۔

میرے دوستو! جن لوگوں نے انگریزی پڑھی' آپ کے سامنے وہ موجود ہیں ..... حضرت مولانا تھانوی علیہ کا جملہ ہے فرمایا کرتے تھے۔ "اگر مسلمان جتنی جتنی کلاسیں پاس کرتا چلا جاتا ہے اتنا ہی اسلام سے دور ہوتا جا رہا ہے۔" پاس کرتا دور ہو جاتا..... جتنا آپ کلاسیں پاس کرتے چلے جائیے۔ انگریزی میں قابلیت پیدا کرتے چلے جائیے ..... معلوم ہوا آج نماز چھوڑ دی' کل روزہ چھوڑا' پھر یہ چھوڑا' پھر وہ چھوڑا' اب آپ مجھے بتایئے۔ فرمایا کہ

نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے
تو خوشی پھر اس کی کیا ہے کوئی جنت کوئی حج ہے

کوئی خوشی کی بات نہیں ہے۔ اگر آپ میں جج ہیں اور وہ مسجد میں نماز کے لئے نہیں آتے۔ اگر آپ میں بڑے بڑے سرکاری ملازم ہیں لیکن وہ اکڑفوں دکھاتے پھرتے ہیں۔ اور ان کو اللہ کے دین سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ تو میرے دوستو ان کے وجود سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ تو میں کہہ رہا تھا کہ یہ بیماری بھی نہیں ہے۔ اب سنئے' بیماری کیا ہے۔ فرمایا کہ

طبیب عشق نے دیکھا تو ہنس کے فرمایا
کہ تیرا مرض ہے فقط آرزو کی بیماری

گرمیٔ عشق سے خالی

اب ہم سمجھ گئے اصل میں تمہاری بیماری یہ ہے کہ تمہارے دل میں

تڑپ نہیں ہے۔ تمہارے دل میں چوٹ لگی ہوئی نہیں ہے۔ تم دولت کے پیچھے ' تم منصب کے پیچھے دوڑتے پھر رہے ہو۔ آپ کے دل میں اگر وہ تڑپ ہوگی جو سرکارِ دوعالم ﷺ نے پیدا کی تھی۔ تو مسلمانوں کو یہ ذلت اور رسوائی کبھی پیش نہ آتی۔ جس سے معلوم ہوا۔ آج ہماری بیماری صرف یہ ہے کہ آج ہم اور آپ سچے عشق میں عاشق نہیں۔ اور اگر ہم جیسے کل شاید میں نے کہا تھا.... عاشق ہیں..... غرض کے عاشق ہیں.... پیسے.....

خلفائے بنو عباسیہ کے زمانے میں ایک خاندان ' آتش پرستوں کا تھا جو مسلمان ہو گیا۔ وہ خاندان برمکی خاندان کہلاتا ہے۔ البرامکہ کتاب بھی لکھی ہے۔ مولانا شبلی نعمانی نے..... اس زمانے میں یہ برمکی جب مسلمان ہوئے تو کیا کرتے تھے۔ سجدہ کر رہے ہیں کس کو خدا کو' اور موم بتی جلا کے آگے رکھی ہوئی ہے۔ کسی نے پوچھا ارے بھائی یہ کیا ہے۔ تم تو آتش پرستی سے توبہ کر چکے ہو' یہ سجدہ کس کو کر رہے ہو۔ کہنے لگے بھئی سجدہ تو خدا ہی کو کر رہے ہیں۔ باقی یہ موم بتی کی شکل میں ذرا آگ سامنے ہوتی ہے تو ذرا دل کو تسلی بھی ہو جاتی ہے.....

آپ ایمانداری سے بتایئے کہ کیا ایسا ایمان اللہ کے یہاں قابلِ قبول ہے۔ نہیں ہے ' آج ہماری اور آپ کی دینداری یہ ہے.... دین کے نام پر جتنا فائدہ ممکن ہو سکتا ہے بڑھ چڑھ کے اس سے فائدہ حاصل کر لیں گے۔ نعرے لگائیں گے۔ اسلام کی (گڈوِل) وصول کرنے کے لئے تیار ہیں.... اسلام کے نام پر قربانی دینے کے لئے تیار نہیں۔ ہم عاشق ہی اس معنیٰ میں ہیں۔

آج کل کے سیاستدان

ایک واقعہ لکھا ہے۔ ایک صاحب کا انتقال ہو گیا۔ بیوی ان کی بیوہ ہو گئی۔ گھر میں رونے کی آواز آئی۔ اس میں کچھ مفاد پرست قسم کے سیاست دان بھی رہتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ بھئی! اماں جی کے رونے کی آواز آرہی ہے ذرا چلو..... اور کچھ شریف آدمی بھی تھے..... سب گئے..... اماں جی کیا بات

ہے؟..... خیریت تو ہے' کیوں رو رہی ہو۔ کہنے لگے بیٹا میرے شوہر کی بندوق لگی
ہوئی ہے۔ اب میرے شوہر کا انتقال ہو گیا اس بندوق کو دیکھ کر مجھے صدمہ ہو رہا
ہے..... ہائے اب اس بندوق کو کون استعمال کرے گا اور اس بندوق کو دیکھ کے
مجھے شوہر یاد آرہا ہے۔ تو وہ جو مفاد پرست تھے۔ اس نے کہا۔ اماں جی ! آپ کو
کوئی غم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بندوق آپ مجھے دے دیجئے میں روزانہ اسے
چلایا کروں گا۔ آپ کا غم دور ہو جائے گا..... انہوں نے کہا بہت اچھا' لے جاؤ
بیٹا۔ اگلے دن پھر رونے کی آواز آئی۔ اس کے منہ کو خون لگ چکا تھا۔ دوڑا ہوا گیا
اور کہا..... اماں جی ! آج کیا بات ہے..... کہا میرے شوہر کا گھوڑا اداس کھڑا
ہے۔ اور میں سوچتی ہوں کہ اس پر سواری کون کرے گا۔ انہوں نے کہا اماں جی'
آپ ایسا غم نہ کیا کریں۔ یہ گھوڑا مجھے دے دیجئے۔ میں اس پر سواری کیا کروں گا۔
آپ کا غم آنے نہیں دوں گا..... گھوڑا بھی لے گیا۔ تیسرے دن پھر رونے کی
آواز آئی۔ الماری میں جتنے کپڑے رکھے ہوئے تھے وہ بھی لے گیا۔ سارا فرنیچر لے
گیا۔ سارا گھر صاف کر دیا۔ اب جب گھر بالکل خالی ہو گیا..... اگلے دن پھر رونے کی
آواز آئی۔ یہ آدمی کہتا ہے اب جانا خطرناک ہے کیونکہ سارا گھر تو میں صاف کر چکا
ہوں کس وجہ سے غم دور کرنے کے لئے..... واہ واہ ! خوب آپ نے غم دور کیا
ہے۔ لوگوں نے کہا ! ارے چھوٹے بھائی چلو ! وہ بڑی بی رو رہی ہے وہاں پر..... جو
غم دور کرنے کے بہانے سب کچھ لے آیا تھا..... یہ بھی گیا اور کچھ شریف آدمی
گئے..... اماں جی ! آج کیا بات ہے رونے کی' فرمایا بیٹا' مجھے کل ہی معلوم ہوا ہے
کہ میرے مرحوم شوہر پر ۵ ہزار روپے کا قرضہ ہے۔ میں سوچتی ہوں کہ اے اللہ
! یہ کون ادا کرے گا..... تو یہ جو سارا سامان اٹھا کے لے گیا تھا۔ یہ اپنے
ساتھیوں سے کہہ رہا ہے۔ اتنی مدت سے میں غم دور کر رہا ہوں..... تم میں سے
بھی کوئی بولے ! "آگے ہو تو....."

آج کے اسلام کے نام پر (Good will) حاصل کرنے کے لئے.....
اسلام کے نام پر ممبری ہو تو آگے آگے۔ اسلام کے نام پر وزارت ہو تو آگے آگے

اسلام کے نام پر ملازمت ہو تو آگے آگے ..... لیکن اسلام یہ کہے کہ میری خاطر قربانی کون دے گا تو معلوم ہوتا ہے کہ پوری قوم میں آواز دینے والا کوئی نہیں .....

آپ بتایئے ایمانداری سے ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمانوں کا کیا جذبہ تھا اور آج ۹۵ کروڑ مسلمانوں کا طرز عمل اسلام کے ساتھ کیا ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ کیا ہے۔ فرمایا

طبیب عشق نے دیکھا تو ہنس کے فرمایا
کہ تیرا مرض ہے فقط آرزو کی بے نیچی

اور یہی وجہ ہے کہ بعض دلوں میں وہ تڑپ نہیں ہے اور جب ہمارے دلوں میں وہ تڑپ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اور اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمارے ساتھ نہیں ہے۔ ہم مفاد کی خاطر اسلام کا نام لیتے ہیں۔

اسلام اور ریاکاری

ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک صاحب بڑے دور اندیش معلوم ہوتے تھے۔ کسی دولت مند آدمی کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ راستے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ دونوں نے نماز پڑھ لی۔ وہ دولت مند آدمی نماز پڑھ کے فارغ ہوا تو کھڑا ہو گیا۔ اور یہ جو درویش قسم کا آدمی تھا یہ ہاتھ پھیلا کے دعا مانگ رہا ہے ..... "ارے ظالم تو نے دعا کو بھی سیاست بنا دیا"

کیا دعا مانگ رہا ہے۔ کہتا ہے کہ اے اللہ تجھے معلوم ہے کہ میری تین بچیاں ہیں جوان ہیں اے اللہ تجھے معلوم ہے کہ میرے پاس ان کی بیاہی کے لئے جہیز کا سامان نہیں ہے۔ اے اللہ غیب سے تو انتظام فرما۔ اے اللہ تجھے معلوم ہے میرے گھر میں گرم پانی پیا جاتا ہے۔ میرے گھر میں فریج نہیں ہے۔

اے اللہ تجھے معلوم ہے میرے گھر میں فلاں سامان نہیں ہے..... یہ جو دولت مند آدمی تھا اس کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے کہا یہ کمبخت بے ایمان ہاتھ پھیلا

رہا ہے خدا کے سامنے اور نماز پڑھ رہا ہے تاکہ اور لوگ یہ ڈرامہ دیکھتا ...... یہ خدا کے سامنے ہاتھ پھیلا کے مجھے سنا رہا ہے تو خدا کی قسم میں اس کی ضرورت پوری کر دیتا۔ مگر اس نے خدا کی توہین کی ہے۔ ہاتھ خدا کے سامنے پھیلا رہا ہے اور مقصد اس کا مجھے سنانا ہے۔

میرے دوستو! ایمانداری سے بتایئے۔ آج کیا ہماری اور آپ کی عبادتیں اس قابل ہیں کہ جن عبادتوں کو ہم اللہ کے سامنے پیش کر سکیں.... کوئی ملازمت کے لئے ہے اور کوئی کسی مقصد کے لئے ہے۔ اور "بہ وقت خوردن ہمہ یکساں شوند" عالمگیر کا قول ہے۔ انگلیاں چھوٹی بڑی ہیں۔ مگر جب کھانے کا سوال آتا ہے تو یہ پانچوں انگلیاں برابر ہو جاتی ہیں۔ اسی میں دیندار، دنیادار سب آگئے ہیں۔ ہم جیسے لوگ بھی برابر ہیں۔ ہم نے بھی دین کو دنیا بنا دیا۔ آج ہماری مسجد اللہ کے لئے نہیں ہے۔ دنیا کے لئے ہے۔ آج ہمارا مدرسہ اللہ کے لئے نہیں ہے۔ دنیا کے لئے ہے۔ علامہ اقبال نے سچ کہا۔ فرمایا کہ

کیا شیخ حرم ہیں جو چرا کر بیچ کھاتے ہیں
گلیم بوذر و دلق اویس و چادر زہرا

جن جن چیزوں کے ساتھ تقدس ہے۔ ان سے سیاسی فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔ آج لوگوں کے دلوں سے تقدس جاتا رہا..... اسلام کا نام سیاست کے لئے اتنا استعمال کیا گیا... اتنا استعمال کیا گیا کہ مسلمان کو اب اس نام سے بھی نفرت ہوتی جا رہی ہے۔

حکمرانوں کا اسلام سے تعلق

غلام محمد صاحب کا زمانہ تھا۔ گورنر جنرل تھے۔ اور سکندر مرزا ایک زمانے میں وزیر داخلہ ہو گیا۔ یہ ایک ڈپٹی کمشنر تھے۔ جو کبھی پشاور میں تھے..... لیکن آپ کو معلوم ہے یہ پاکستان ہے، یہاں تو لوٹ پٹ کے آدمی کا کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ اور جا کر اس نے کمشنر کے اندر بیان دیا تھا..... شراب پینے کے بارے

میں بھی اور اسلامی قانون کے بارے میں بھی..... میں نے اگلے ہی دن ایک نہایت سخت قسم کا طمانچہ مارنے کے لئے ایک بیان دیا۔ سکندر مرزا کے خلاف۔ سکندر مرزا اس کی تاب کب لا سکتے تھے۔ فوراً گئے اور جا کر انہوں نے اس زمانے میں محمد علی بوگرہ جو تھے وزیر اعظم تھے..... ان سے جا کر کہا کہ (مولانا) احتشام الحق تھانوی کو فوراً گرفتار کریں۔ انہوں نے کہا کہ بھئی میں اس معاملے میں پڑنا نہیں چاہتا۔ آپ جائیں غلام محمد صاحب کے پاس..... یہ ڈاکٹر مالک تھے جو بے چارے..... مشرقی پاکستان کے گورنر بھی تھے۔ اور یہاں (پشاور) میں بھی رہ چکے تھے۔ قائم مقام صدر بھی تھے۔ میرے دوست تھے' اس زمانے میں کابینہ میں تھے ...... انہوں نے یہ سارا قصہ سنایا۔

بوگرہ صاحب نے انکار کر دیا..... غلام محمد صاحب کے پاس گئے اور جا کے کہا کہ اس طریقے سے اس نے ہمارے خلاف بیان دیا ہے۔ آپ اس پر فوراً ایکشن (Action) لیں۔ انہوں نے کیا جواب دیا۔ تم نے ایسی باتیں کیوں کیں۔ تمہیں معلوم نہیں ہماری پالیسی کیا ہے..... سنئیے! ہماری پالیسی یہ ہے "نام اسلام کا لئے جاؤ اور کام اسلام کا کچھ نہ کرو" تم نے کیوں اسلام کے خلاف باتیں کیں۔ اس وقت سے یہ پتا چلا کہ یہ پالیسی بھی ہوتی ہے کہ "نام اسلام کا لئے جاؤ' کام کچھ نہ کرو اسلام کا"

تو میرے دوستو! میں یہ عرض کر رہا تھا۔ آپ ایمانداری سے بتائیے کہ کیا واقعتاً" اگر آپ میں سے اللہ تعالیٰ کسی کو دنیا کی کرسی پر بٹھا دے اور مسلمان قوم کا ریکارڈ اس کے سامنے رکھ دیا جائے..... تو کیا آپ اس قوم پر رحمتیں نازل کریں گے..... نہیں کریں گے..... کیوں..... اس لئے کہ میں نے عرض کیا کہ ہماری کوئی کل سیدھی نہیں۔ ہم جو کام کرتے ہیں اس میں کوئی نہ کوئی ہماری غرض ہے۔ نماز سے سیاسی غرض' اذان سے سیاسی غرض..... روزے سے سیاسی غرض..... ہر چیز سے ہماری سیاسی غرض ہے۔ ہماری مثال اس پادری کی طرح ہے جو سید ا خدا کو کر رہا ہے لیکن یہ صوم بھی ساتھ نزدیک رکھی ہے..... اسی طرح اللہ تعالیٰ کی

مغفرت ہمیں اور آپ کو کبھی ملنے والی نہیں ہے۔

مسلمانوں کی ذلت کی وجہ

تو میرے دوستو! آپ سوچیں اور غور کریں۔ شاید آپ اپنے اندر تبدیلی لانا چاہیں۔ لائیں' ہماری شب تاریک سحر ہونے والی نہیں ہے۔ ہماری مصیبتیں ختم ہونے والی نہیں ہیں...... ہماری ذلت اور خواری کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارا ہر آدمی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ مذاق کرتا ہے۔ ہم خدا اور خدا کے رسول ﷺ کے ساتھ کھیل کر رہے ہیں...... آپ کہیں گے کہ میں نے کیا بات کی ہے...... بس آخر میں علامہ اقبال کی ایک رباعی کہئے۔ قطعہ کہئے پیش کروں گا اور اس کے بعد آپ سے معذرت چاہوں گا۔ اس لئے کہ بعض آپ لوگوں کو تو بے شک یہ خواہش ہو گی کہ کبھی دو دو گھنٹے کی تقریر کیا کرتے تھے لیکن آخر موسم خزاں بھی تو ہوتا ہے ۔ ما آدمی پر' یہ ہمارے اوپر ایک موسم خزاں آیا ہوا ہے۔ زیادہ دیر ہم بھی نہیں لے سکتے..... مگر وہ علامہ اقبال کا قطعہ ضرور سنئے۔ لکھ کے رکھئے..... کیا..... فرمایا.....

شبے پیش خدا بگریستم زار

ایک رات جاگنے کے عالم میں خدا کے سامنے ' میں گڑگڑا کر خوب رویا' خوب گڑگڑایا۔ کاہے کے لئے مجھے کوٹھی دیجئے..... نہیں..... مجھے نوکری دے دیجئے..... نہیں..... مجھے کرسی دے دیجئے..... نہیں.....

یہ کھلا درجہ کی بات ہے۔ اللہ کے سامنے گڑگڑا کے روئے ہیں ..... کیوں..... فرمایا.....

شبے پیش خدا بگریستم زار

مسلماناں چرا خوارند و زارند

میں نے اللہ سے گڑگڑا کر کہا اے اللہ! یہ مسلمان ذلیل خوار دنیا میں کیوں ہیں۔ تعداد کتنی ہے۔ چپہ چپہ پر مسلمان ذلیل ہے۔ ہر جگہ مسلمان خوار ہیں

اور رسوا ہیں۔ گڑگڑا کر اللہ سے یہ سوال کیا۔

شبے پیش خدا بگریستم زار
مسلماناں چرا خوار اند و زار اند
ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم
دلے دارند و محبوبے ندارند

مسلمان قوم کے سینوں میں دل ہے مگر ان کے دل میں حضور اکرم ﷺ جیسا محبوب نہیں ہے..... دل ویران ہیں..... دل خالی ہیں..... جس دن ہمارے اور آپ کے دلوں میں سرکار دو عالم ﷺ آباد ہو جائیں گے ان کی محبت ہمارے اور آپ کے دلوں میں رچ جائے گی۔ ہم اور آپ صحیح دیوانے ہو جائیں گے.....

تو میرے دوستو! وہ دن دور نہیں ہے جب اللہ تعالیٰ ہمیں پھر عروج عطا فرمائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ہمیں عزت اور سربلندی عطا فرمائے۔ سرکار دو عالم ﷺ کی سیرت طیبہ کا یہ جلسہ ہے اور اس موقع پر میں یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ میرے دوستو! اسی طریقے پر محبت کے اظہار سے ہم اور آپ کبھی اپنی مصیبتوں کو ختم نہیں کر سکیں گے۔ جب تک اخلاص کے ساتھ اپنے دلوں میں حضور کی محبت کو جگہ نہ دیں گے اللہ کے دین پر جب تک مرمٹنے کا جذبہ پیدا نہیں کریں گے۔

یہ چند کلمات بطور نذر عقیدت کے پیش کئے ہیں....

اب میں آپ سے معذرت چاہوں گا..... دعا کیجئے.....

(از ماہنامہ الفخر ملتان)

اسوۂ رسول اکرم ﷺ و اجماع صحابہؓ

بارہ ربیع الاول

خطبہ ماثورہ کے بعد بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی ○ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی ○ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ○ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم ○

بارہ ربیع الاول کی اہمیت

اراکین سنی کونسل اور معزز حاضرین ! آج ربیع الاول کی بارہ تاریخ ہے۔ اور آپ کے پروگرام کے مطابق کانفرنس اور جلسے کا یہ آخری دن ہے۔ بارہ دن آپ کے یہاں نہایت کامیابی کے ساتھ اور شاندار طریقے پر سنی کونسل کی طرف سے اجلاس ہوتے رہے۔ لیکن یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ کسی عظیم المرتبت اور برگزیدہ شخصیت کی پیدائش کی یاد یا اس کے ذکر کو عام طور پر سالگرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور کسی عظیم المرتبت شخصیت کی وفات کا جب ذکر کیا جائے تو اس کو برسی کا نام دیا جاتا ہے۔ لیکن اسلام میں نہ سالگرہ کا کوئی تصور ہے۔ نہ برسی کا کوئی تصور ہے۔ کیونکہ یہ فیصلہ تو قدرت کی طرف سے کر دیا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی پیدائش کا مہینہ بھی وہی ہے۔ اور وفات کا مہینہ بھی وہی ہے۔ اس رسم سے الگ ہو کر اگر ان مواقع کو دین پہنچانے میں، تبلیغ میں استعمال کیا جائے۔ اس نام سے حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات کو آپؐ کے ارشادات کو عام کرنے کی کوشش کی جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ ان مواقع سے اچھا فائدہ ہے۔ جو ہمیں اٹھانا چاہئے۔

اہل سنت والجماعت

سنی، عام طور پر مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شیعہ کے مقابل کوئی فرقہ ہے۔ لیکن ایسا سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ سنی دراصل مختصر کر لیا گیا ہے۔ یہ مخفف

ہے۔ اہل سنت والجماعت کا" اور اہل سنت والجماعت ایک نجات پانے والا" راہ ہدایت
پر چلنے والا فرقہ ہے۔ جس کی خبر سرکار دو عالم ﷺ نے دی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ
بنی اسرائیل میں بہتر فرقے تھے۔ اور امت محمدیہ علیہ الصلوۃ والسلام میں تہتر یہ
امت بنی اسرائیل کے ساتھ مسائل میں بہت ہی زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔

بنی اسرائیل کا فساد

مجھے یاد آیا کہ قرآن کریم نے بنی اسرائیل کے بارہ میں ذکر فرمایا ہے کہ

وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ
مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا

یہ قوم دو مرتبہ روئے زمین پر فساد پھیلائے گی اور دونوں مرتبہ اللہ کا قہر
اور اللہ کا غضب ان کے اوپر نازل ہوگا۔ چنانچہ اس قوم کی تاریخ یہ بتاتی ہے بنی
اسرائیل نے تقریباً دو مرتبہ سرکشی کی اور اللہ کی طرف سے اس سرکشی کے بدلے
میں اللہ کا غضب نازل ہوا۔ اور اللہ کا قہر نازل ہوا۔ علماء نے لکھا ہے کہ بنی
اسرائیل نے روئے زمین پر جو دو مرتبہ فساد پھیلایا تھا۔ اس کا وقفہ سات سو سال
ہے۔ سات سو سال کے بعد پھر دوسری مرتبہ بھی سات سو سال۔ جب اسلام کی عمر
رفتہ میں سات سو سال ہو گئی تو تاتاریوں کا فتنہ آیا اور تاتاریوں نے روئے زمین پر
سے مسلمانوں کا بیج مٹانے کی کوشش کی۔ اور وہ تمام مسلمانوں کے لئے ایسا فتنہ تھا کہ
مسلمان شرم سے اپنی گردن اٹھا نہیں سکتا تھا۔ اس نے ایک تاتاری سو سو
مسلمانوں کو اس طریقے سے ہنکا کے لے جاتا تھا کہ جس طریقے سے ایک چرواہا
بکریوں کے گلے کو ہنکا کے لے جاتا ہے۔ حالانکہ مسلمان اس تربیت کے لحاظ سے
ایسا نہ تھا جو تربیت حضور اکرم ﷺ نے دی تھی۔

جراءت ایمانی کا مظاہرہ

جیسی اب ہے تیری حالت کبھی ایسی تو نہ تھی

کیا مسلمان وہی نہیں تھے کہ سلمان ارمنی کے دربار میں عراق فارس کے

اندر خالد بن ولید اپنے ایک ساتھی کو لے کر جا رہے تھے۔ اور حضرت خالد ابن ولید ؓ کے ہاتھ میں تلوار بھی ٹوٹی ہوئی ہے۔ دندناتے ہوئے ماہان ارمنی کے دربار میں پہنچ گئے۔ عراق فارس کا یہ بادشاہ ہے اور بے تکلفی کے ساتھ جا کے ماہان ارمنی کے ساتھ باتیں کرنے لگے۔ ماہان ارمنی کو یہ بات سخت ناگوار گزری۔ کہ میں حکمران ہوں۔ میری عظمت و شوکت کا اس نے کوئی خیال نہیں کیا اور بے تکلفی سے باتیں کرنے لگا ہے۔ لیکن ماہان ارمنی کو یہ بات پسند بھی آئی کہ یہ بڑے خوش اخلاق اور وسیع المشرب آدمی ہیں۔ ماہان ارمنی نے کہا کہ اے خالد! میرا جی چاہتا ہے کہ ہم تم دونوں ایک دوسرے کے دوست بن جائیں۔ خالد بن ولید ؓ نے فوراً کہا کہ ماہان ارمنی اگر تو میرا دوست بننا چاہتا ہے تو زبان سے کہو اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ۔ ماہان ارمنی کو غصہ آگیا اور اس نے کہا کہ نہیں۔ یہ کلمہ میں پڑھنے کو تیار نہیں ہوں۔ خالد ابن ولید نے کہا کہ اگر تو یہ کلمہ پڑھنے کو تیار نہیں تو ہم نے ایک ماں ایک باپ سے پیدا ہونے والے سگے بھائیوں کو اس کلمہ کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔ غیروں کو بھائی بنانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہی ایک کلمہ تھا جس کلمہ کی وجہ سے ایک ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والے بھائی کو جس نے یہ کلمہ قبول نہیں کیا۔ ہم نے جدا کر دیا۔ غیر کلمے کے بھائی بنانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ماہان ارمنی نے کہا کہ ہے کوئی دربار میں جو اس آدمی کا سر قلم کر دے۔ جو اس طرح بے باکی سے باتیں کر رہا ہے۔ حضرت خالد ابن ولید ؓ کھڑے ہو گئے اور اپنے ساتھی سے کہا کہ تلوار نکال لو۔ اور اب ہماری تمہاری ملاقات حوض کوثر پر ہو گی۔ ان کی کثرت کی پرواہ نہ کرو۔ یہ سن کر ماہان ارمنی تھر تھر کانپنے لگا۔ خالد ابن ولید ؓ اور ایک ساتھی ہیں۔ لیکن ایک بادشاہ عراق فارس کا کانپ رہا ہے۔ فرمایا کہ

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

نشاں راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مرد راہ داں کے لئے

یہ تھی تربیت سرکار دو عالم ﷺ کی' سات سو سال کے بعد مسلمان کی حالت یہ ہوئی کہ ایک تنہا تاتاری مسلمانوں کو اس طرح لے جاتا تھا۔ سو سو مسلمانوں کو جس طرح چرواہا بکریوں کے ریوڑ کو لے جاتا ہے۔

عروج کے بعد زوال

اور ایک واقعہ لکھا ہے خطیب بغدادی ؒ نے انتہائی شرمناک۔ ایک تاتاری نے کسی مسلمان کو دیکھا بغداد میں' اس نے کہا کہ میرا فرض ہے تجھے قتل کرنا مگر میرے پاس اس وقت تلوار نہیں ہے۔ گردن جھکا' اس نے فوراً گردن جھکا لی۔ کہا کہ خبردار !! تو نے گردن اٹھائی۔ یہاں تک کہ میں گھر جاؤں اور گھر سے جا کے تلوار لے کے آؤں۔ خبردار گردن نہ اٹھانا۔ اس مسلمان نے اپنی گردن جھکائے رکھی۔ خطیب بغدادی نے لکھا ہے۔ کہ وہ تاتاری اپنے گھر گیا۔ اور جا کے تلوار لے کے آیا۔ اور آ کے دیکھا ہے کہ اس نے اپنی گردن اسی طرح جھکا رکھی ہے۔ سات سو سال کے بعد مسلمان کی یہ حالت ہو گئی ہے۔

اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عروج دیا۔ تاتاریوں ہی میں سے ایک خاندان مسلمان ہو گیا۔ جس کو علامہ اقبال نے لکھا ہے کہ

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے پھر اللہ تعالیٰ نے عروج عطا فرما دیا۔ مگر آج ہر علاقے میں' ہر خطے میں' مسلمانوں کی پستیوں' کو دیکھ کر یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید پھر سات سو سال کا زمانہ ہو گیا ہے۔ اور عتاب" پھر اس وقت ہم قہر الہٰی اور غضب الہٰی کے اندر ہیں۔ سات سو سال کے بعد تاتاریوں کا فتنہ آیا تھا۔ اور سات سو سال کے بعد اب ہم اور آپ جس حالت میں ہیں۔ آپ صحیح طور پر اندازہ لگائیے کہ آیا واقعتہً اسلام اور مسلمان دنیا میں محفوظ ہیں یا نہیں.....؟ یاد رکھئے ایک حکیم اور ایک معالج اس وقت تک علاج نہیں کر سکتا جب تک کہ مرض کا پتہ نہ چلایا جائے۔ اور اگر اس نے مرض کا پتہ چلا لیا ہے۔ تو پھر بعد دوا فائدہ کی

فہرست لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک دوا کافی ہے۔ اور اگر مرض کا پتہ نہیں ہے آپ بولتے جائیے وہ دوا لکھتا جائے گا۔ آپ بولتے جائیے وہ دوا لکھتا جائے گا۔ اور اتنی لمبی چوڑی فہرست ہو جائے گی۔

اسی طرح اگر کسی فتنے کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ کسی فتنے کا استیصال کرنا چاہتے ہیں۔ فتنے کو تو سمجھئے کہ فتنہ کیا ہے؟ مولانا جلال الدین رومی نے بڑی اچھی بات لکھی ہے۔ فرمایا کہ فرعون کی سلطنت کو حضرت موسیٰ سے نقصان پہنچنے والا ہے۔ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا۔ جو فرعون کی سلطنت کو تہ و بالا کر دے گا۔ یہ کاہنوں نے بتایا ہے فرعون نے کہا کہ میں اس کے لئے تدبیر کرتا ہوں۔ اس کے مقابلے کا انتظام کرتا ہوں۔ کیا انتظام کیا ہے۔؟ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو ذبح کر دیا جائے۔ لڑکیوں کو زندہ رکھا جائے۔ ان سے کام لیا جائے۔ بنی اسرائیل میں لڑکا پیدا ہو رہا ہے۔ وہ ذبح کیا جا رہا ہے۔

اسی پر اکبر الہ آبادی نے کہا ہے فرعون کی اس تدبیر پر بڑی اچھی پھبتی کسی ہے فرمایا کہ

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

تقدیر و تدبیر

لیکن بنی اسرائیل کا وہ بچہ جو فرعون کی سلطنت کو تہ و بالا کرنے والا ہے۔ اور اس کے تختے کو الٹنے والا ہے۔ وہ خود فرعون کے گھر میں پرورش پا رہا ہے۔ حضرت موسیٰ کی تربیت اور پرورش کہاں ہوئی......؟ آسیہ...... ایک اللہ والی خاتون ہیں۔ وہ خاتون ہیں جو فرعون کی بیوی ہیں۔ ان کے پاس اولاد نہیں تھی۔ جب حضرت موسیٰ کو صندوق میں بہا دیا گیا تو یہی آسیہ ہیں جنہوں نے ان کو اپنے گھر میں پالا ہے۔ ورنہ صندوق میں کا ہے کو بہاتے؟ آسیہ نے کہا کہ یہ بات تو ٹھیک ہے۔ کہ اسرائیل کا بچہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ ابھی تو نہایت کم عمر ہے۔ ہمارے اور آپ کے گھر میں اگر پرورش پائے گا تو ہمارا وفادار ہو جائے گا۔ ہم جیسا

سمجھے گا۔ اس سے کوئی خطرہ پیدا نہیں ہوگا۔ فرعون کی سمجھ میں یہ بات آگئی۔ اور حضرت موسیٰ کی پرورش فرعون کے گھر میں ہوئی۔

بنی اسرائیل کے سارے بچوں کو ذبح کر دیا گیا۔ لیکن نتیجہ صفر..... مولانا جلال الدین رومی کے الفاظ بڑے پیارے الفاظ ہیں..... فرمایا کہ۔

کوشش فرعون زہی نقصان بود

(فرعون کی کوششیں بے کار گئیں)

کوشش فرعون زہی افسانہ بود

در ببست و دشمن اندر خانہ بود

آپ اس لئے دروازہ بند کر رہے ہیں کہ دشمن اندر نہ آجائے۔ لیکن آپ سے جو دشمنی کرنے والا ہے۔ آپ اس کو پہلے اندر رکھتے ہیں۔ اور پھر دروازہ بند کرتے ہیں۔ تو آپ دشمن سے کیسے بچیں گے۔

عقل پرستی

میں نے یہ بات اس لئے عرض کی کہ اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے لئے سب سے پہلے یہ اندازہ لگانا ضروری ہے کہ حملہ کدھر سے ہو رہا ہے۔؟ کس جگہ ہو رہا ہے۔ کتنا طاقت ور ہے۔؟ اس کا مقابلہ کس طرح کیا جا سکتا ہے۔؟ دنیا میں آج اگر اسلام کو خطرہ ہے اور اگر اسلام کا مقابلہ ہے تو اصل میں مقابلہ ایک ہے۔ اگرچہ شکلیں اس کی بہت سی ہو سکتی ہیں۔ یعنی اللہ کی وحی کا مقابلہ انسانوں کی عقل کے ساتھ ہے۔ عقل اور نقل کا مقابلہ ہے۔ میں نہیں کہہ رہا بلکہ علامہ اقبال مرحوم نے نوجوانوں سے کہا ہے کہ اے نوجوانو! عشق کی تازہ دم فوج تیار کرو۔ فرمایا کہ

سپاہ تازہ برانگیزم از ولایت عشق

کہ در حرم خطرے از بغاوت خرد است

مجھے حرم میں خطرہ نظر آتا ہے کہ عقل اور خرد بغاوت کرے گی۔ اللہ کی

دی ہے اور یاد رکھیے کہ جب تک نوجوان عشق کی فوج تیار نہیں کرو گے تم اس بغاوت کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ میں نے یہ بات اس لئے عرض کی کہ بنی اسرائیل کے بارے میں کہا گیا کہ بہتر فرقے ان میں تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے اندر تہتر فرقے ہوں گے۔ اور سب فرقے جہنمی ہوں گے۔ ایک فرقہ نجات پانے والا ہو گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ وہ فرقہ کون سا ہو گا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ نے فرمایا کہ ما انا علیہ و اصحابی یہ الفاظ یاد رکھئے ما انا علیہ و اصحابی وہ فرقہ نجات پانے والا ہو گا۔ کہ جو اس طریقے پہ ہو گا۔ کہ جس طریقے پہ میں اور میرے صحابہ ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت اسلام کی بنیاد ہے۔ قرآن پہ، سنت پہ اور اجماع پہ، کیونکہ آپؐ نے یہ نہیں فرمایا جس پہ میں ہوں یعنی ما انا علیہ یہ نہیں کہا بلکہ فرمایا جس پہ میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔

اہل سنت و الجماعت کا مفہوم

جب آپ یہ کہتے ہیں کہ ہم اہلسنت و الجماعت ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کے علاوہ ہمارا ماخذ سنت رسول بھی ہے اور ہمارا ماخذ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت بھی ہے۔ اہل سنت و الجماعت، جماعت سے مراد جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔ اور اگر میرے دوستو! اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کی آپ نے حفاظت نہ کی جیسا کہ مجھے نظر آ رہا ہے۔ تو میں آپ سے یہ دریافت کرتا ہوں۔ یہ مسلمانوں کو بڑا اچھا لگتا ہے۔ قرآن اور سنت، قرآن اور سنت، لیکن میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کہاں گیا۔ اگر اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے دین اور شریعت کی بنیاد نہیں ہے تو کیا یہ قرآن جو آپ کے پاس ہے۔ کیا اس کی شکل بدل نہیں دی جائے گی۔ کیونکہ یہ جس ترتیب سے آپ کے پاس موجود ہے۔ کہیں اس ترتیب کا ذکر قرآن میں یا سنت میں؟ ترتیب قرآن کی حیثیت اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہے اور میں پوچھتا ہوں یہ تراویح کی نماز، اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم ہی اس کی بنیاد ہے۔ جمعہ کے دن منبر کے سامنے جو اذان، دوسری اذان ہوتی ہے۔ قرآن میں ذکر ہے؟ حضور کی حدیث میں ذکر ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کبھی ہوئی۔؟ نہیں ہوئی۔

حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں ہوئی۔؟ نہیں، حضرت عمرؓ کے زمانے میں نہیں ہوئی۔ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں آپؓ نے فرمایا کہ عام مسلمانوں کو یہ متنبہ کرنا کہ اب جماعت کھڑی ہونے والی ہے۔ اب خطبہ ہونے والا ہے۔ اب مسلمان کافی پھیل گئے ہیں۔ ان کو اس طریقے سے متنبہ کرنا مشکل ہے۔ آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ بہتر یہ ہے کہ ہم اس وقت جب یہ خطبہ شروع ہو تو ایک اذان اس وقت دی جائے۔ حضرت عثمان غنیؓ کے اس ارشاد کے اوپر تمام صحابہ نے اتفاق کیا۔ اجماع صحابہ کی بدولت یہ اذان تاحال چل رہی ہے۔ اگر اجماع صحابہ کی کوئی حیثیت نہیں اگر کل کوئی قرآن تبدیل کر دے۔ آگے پیچھے کر دے۔ آپ کے پاس کیا سند ہے اور کیا دلیل ہے کس وجہ سے بچائیں گے آپ؟ اگر کل کوئی شخص کہے کہ تراویح کی نماز قرآن میں نہیں، حدیث میں نہیں، ہم اور آپ تو یہی کہیں گے۔ کہ اس پر صحابہ کا اجماع ہے اور صحابہؓ کا جہاں پر اجماع ہوتا ہے وہاں پر معاف سمجھے گا آپ کو اجتہاد کی اجازت نہیں ہے۔ میں نے یہ بات اس لئے عرض کی کہ اصل مقابلہ اللہ کی وحی اور انسانی عقل کا مقابلہ ہے۔ لوگوں کی خواہش یہ ہے کہ ہم وحی کا لو اور کام عقل سے چلاؤ۔ فرمایا کہ

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

سنت رسول بھی وحی الٰہی ہے

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ستاروں کی قسم کھاتے ہیں۔ اور ستاروں کی قسم اس لئے کھاتے ہیں کہ ستاروں کا نور بھی مسافروں کو راہ دکھاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پھر جن کی قسم کھا کر سرکار دو عالمؐ کی صداقت و سچائی کا ذکر فرما رہے ہیں۔ فرمایا کہ

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى۔۔۔۔ حضور اکرم ﷺ کے نہ عقیدے میں کوئی کھوٹ ہے نہ آپؐ کے کسی عمل میں کھوٹ ہے۔ آپ کا عقیدہ اور آپؐ کی فکر بھی

صحیح ہے۔ اور آپؐ کا عمل بھی صحیح ہے۔ اور آپؐ کا عمل صحیح ہے......کیوں
......اس بارے میں دلیل کیا ہے۔؟ قرآن اس کی دلیل میں کہتا ہے کہ
وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوْحٰى

وجہ یہ ہے کہ سرکار دو عالم کی سوچ اور حیات طیبہ اپنی فکر پر مبنی نہیں ہے۔ اجتہاد پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ یہ اللہ کی وحی پر مبنی ہے۔ اللہ نے جو کچھ فرمایا اس طرح آپ نے سوچا' جو اللہ کی وحی نے کہا' اس پر آپؐ نے عمل کیا۔ معلوم ہوا نبیؐ کی زندگی وحی کے تابع ہوتی ہے۔ اور جب نبی کی زندگی وحی پر مبنی ہوتی ہے تو وحی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وحی وہ ہے جو قرآن میں جمع کی جاتی تھی۔ ایک وحی وہ جو علیحدہ کتابوں میں جمع کی گئی۔ جس کو حدیث اور سنت کہتے ہیں۔ جسے لوگ شرع سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پاکستان کے اندر یہ بد نصیب دن بھی ہمیں دیکھنے تھے۔ کہ ایک شخص پچھلے زمانے میں آیا اور آ کر اس نے اجتہاد کیا۔ اور اجتہاد کر کے یہ کہا کہ بیئر (Beer) حلال ہے۔ اس نے اجتہاد کیا ہے' سود حلال ہے' آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ ڈاکٹر فضل الرحمن ہزاروی' اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ......(Islamic Research Institute) کے اور اس نے یہ اجتہاد کیا اور یہ کہا کہ بیئر (Beer) حلال ہے۔ سود حلال ہے' اس زمانے میں ایک وزیر' وزیر قانون ہوتے تھے۔ خورشید صاحب' ان کا انتقال ہو گیا تو وہ بے چارے کوئی قرآن و سنت کے ماہر نہیں تھے۔ لیکن مسلمان تھے۔ تو وہ کیا کہنے لگے۔ ایک تقریر میں انہوں نے کہا کہ بھائی ہم تو ایسے اجتہاد سے باز آئے۔ ہم ایسا اجتہاد نہیں کرتے۔ کہ آپ شراب بھی حلال کر دیں۔ وزیر یہ کہتا ہے کہ معاف کیجئے کہ ہم ایسے اجتہاد سے توبہ کرتے ہیں۔ وہ تو وزیر تھا۔ علامہ اقبال کا لوگ نام تو بہت لیتے ہیں۔

آپ کے علامہ اقبال کہتے ہیں کہ ہمیں اجتہاد نہیں چاہئے۔ فرمایا کہ

ز اجتہاد عالمان کم نظر — اقتدا بر رفتگان محفوظ تر

انہوں نے کہا کہ صاحب یہ ایک آنکھ سے دیکھنے والے لوگ جو ہیں ایک
آنکھ کا ہیں سے اس لئے کہا کہ یہ آرام باغ کا علاقہ ہے۔ اور اسی آرام باغ میں
ایک صاحب جو ایک آنکھ سے دیکھتے تھے۔ انہوں نے تقریر کی اور آپ نے ان کا
ایسا کچا کیا کہ وہ بے چارے ہمیشہ کے لئے شرمندہ ہو گئے۔ وہ آپ کو تو یاد نہیں ہو
گا۔ ان کے پاس امور کشمیر کی بھی وزارت تھی۔ وہ یہاں کے وزارت کے وزیر بھی
تھے۔ ایک آنکھ سے دیکھتے تھے۔ دوسری آنکھ ان کی کام نہیں کرتی تھی۔ تو جوش
تقریر میں فرمانے لگے کہ ہمیں اس وقت کشمیر نہیں مل سکتا جب تک کہ ہم اور آپ
مل کر قربانی نہیں دیں گے۔ تو آپ حضرات تو دلی کے لوگ ہیں۔ ماشاء اللہ بڑے
ذہین ہیں۔ ایک صاحب مجمع میں کھڑے ہوئے اور وزیر صاحب سے کہا کہ آپ بھی
قربانی دینے کو تیار ہیں یا نہیں۔؟ تو انہوں نے سینے پر ہاتھ مار کے کہا کہ میں سب
سے پہلے قربانی دوں گا۔ انہوں نے کہا کہ صاحب علماء کا فتویٰ یہ ہے کہ آپ کی
قربانی جائز نہیں۔ کیونکہ آپ کی ایک آنکھ خراب ہے۔ فرمایا کہ

ز اجتہاد عالمان کم نظر
اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

یعنی پرانے ہی لوگوں کے مطابق ہمیں عمل کرنے دو ہمیں نہیں چاہئے یہ نیا اجتہاد

ایک آدمی کا قصہ

ایک آدمی وضو کر رہا تھا۔ کسی نے کہا ارے یہ کیا کر رہا ہے۔؟ اس نے
کہا کہ گدی میں مسح کر رہا ہوں۔ ارے کس نے بتایا تجھے ....؟ اس نے کہا کہ ابو
حنیفہ نے بتایا ہے۔ ارے چھوڑ ابو حنیفہ رحؒ کو۔ اس نے کہا کہ اچھا چھوڑ دیا۔ اب
تو بتا۔ اس نے کہا کہ دیکھو اس طرح سے مسح کرتے ہیں۔ اور مسح کر کے بتایا کہ
اس طریقے پر مسح کرو۔ اس نے کہا کہ جب میری قسمت ہی میں کسی نہ کسی کے
بتائے ہوئے پر عمل کرنا ہے۔ تو پھر تیرے بتائے ہوئے پر عمل کیوں کروں۔؟ ابو حنیفہ
کے بتائے ہوئے پر نہ کروں؟ تم سے بہرحال وہ بہتر ہے۔ تو میں نے یہ بات عرض کی
کہ بعض لوگوں نے شروع سے شک ڈالنے کی کوشش کی.... کیسی کتابیں لکھی ہیں

۔ ایک کتاب چھپی تھی۔ پروفیسی ان اسلام (Profhany in Islam) نبوت کیا ہے؟ وحی کیا ہے؟ اس کتاب میں یہ لکھا تھا کہ قرآن کریم وحی ہے۔ لیکن الفاظ اس کے وحی نہیں ہیں۔ صرف اس کا مفہوم وحی ہے۔ وہ کتاب آپ کے پاکستان میں چھپی تھی۔ اس نے شروع سے یہ شک ڈالنے کی کوشش کی اور یہی وہ لوگ ہیں' جو کہتے ہیں کہ اردو کے اندر نماز پڑھیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ الفاظ کو وہ وحی نہیں سمجھتے۔ مفہوم کو وہ وحی سمجھتے ہیں۔ وہ مفہوم چاہے اردو میں ادا کیا جائے چاہے ہندی میں ادا کیا جائے۔ چاہے انگریزی میں ادا کیا جائے۔ لیکن یہ در حقیقت یہ بڑی تحریف ہے۔ دراصل قرآن کریم الفاظ کے ساتھ وحی بھی ہے اور مفہوم کے ساتھ بھی وحی ہے۔ اگر قرآن کریم کے الفاظ وحی نہیں ہوتے تو کیا قرآن کریم کے یہ احکام ہوتے کہ قرآن کریم کو بلا وضو ہاتھ لگانا جائز نہیں۔ اگر قرآن کا ترجمہ کسی نے اردو زبان میں لکھ دیا ہے۔ بلا وضو آپ اسے ہاتھ لگا سکتے ہیں کیونکہ وہ وحی نہیں...... ہاں! الفاظ قرآن وحی ہیں۔ جب یہ بات نہیں چلی تو انہوں نے یہ کہہ دیا کہ صاحب اگر وحی ہے تو بھی تو وہ تو قرآن ہی قرآن ہے۔ یہ حدیث تو کوئی چیز نہیں۔ اور اگر حدیث وحی ہوتی تو یہ بھی قرآن کے اندر ہوتی۔ بھئی یہ آپ نے کہاں سے اصول نکال لیا ہے۔ کہ وحی اسے کہتے ہیں جو قرآن میں لکھی جائے۔ اگر وہ نہ لکھی جائے تو وہ وحی نہیں ہے۔ میں آپ کو مثال دیتا ہوں۔

قرآن کے باہر وحی کی مثالیں

قرآن خود کہتا ہے' وحی نازل ہوئی۔ آپ مجھے بتایئے کہ قرآن کے کس پارے میں وہ وحی موجود ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی بیویوں میں سے ایک بیوی سے چپکے سے کان میں ایک بات کہی۔ الفاظ قرآن کریم کے یہ ہیں۔ وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا آپ نے راز کے طور پر اپنی بیوی سے ایک بات کہی۔ کسی سے کہنا نہیں۔ مگر آپ کی بیوی نے دوسری بیوی کو بتا دیا۔ یہ بھی قرآن کہہ رہا ہے۔ جب دوسری بیوی کو یہ بات

معلوم ہو گئی۔ اللہ نے وحی کے ذریعے سے حضور اکرم ﷺ کو بتا دیا کہ آپؐ کی بیوی نے راز نہیں رکھا۔ آپؐ نے بیوی سے پوچھا کہ کیا آپ نے یہ بات دوسری بیوی کو بتا دی۔ راز نہیں رکھا تو وہ فوراً یہ سمجھیں کہ جس بیوی کو میں نے یہ بات بتائی تھی وہ بات انہوں نے بتا دی۔ حضورؐ کو بتلا دی ہے۔ تو انہوں نے یہ نہیں کہا کہ میں نے نہیں بتائی۔ انہوں نے کہا کہ مَنْ أَنْبَأَكَ هٰذَا۔ آپؐ کو یہ بتایا کس نے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے کسی نے نہیں بتایا۔ قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ۔ مجھے اللہ نے وحی کے ذریعے سے بتلایا ہے۔ قرآن کہہ رہا ہے کہ رسول اکرم ﷺ پر ایک وحی آئی ہے۔ کہ جس کے اندر یہ بتلایا گیا ہے کہ بیوی نے راز نہیں رکھا ہے۔ دوسری بیوی کو بتا دیا ہے۔ یہ تو قرآن نے کہا ہے مجھے بتائیے کہ اگر ساری وحی قرآن میں لکھی جاتی ہے تو قرآن کے کون سے پارے میں ہے۔ کہیں بھی نہیں! جس سے معلوم ہوا کہ وحی کا کچھ حصہ ایسا تھا کہ جو کہ لکھا نہیں جاتا تھا۔ قرآن میں وہ حدیث کے طور پر جمع ہوتا تھا۔ جن لوگوں نے حدیث کی طرف سے بدگمانیاں پیدا کرنے کی کوشش کی وہ بھی نہیں چلی۔ اب ہمارا پڑھا لکھا طبقہ یہاں تک تو آگیا ہے۔ قرآن و سنت اس کے بعد کہتے ہیں۔ کہ اجتہاد کریں گے۔ اجماع صحابہ کہاں گیا۔ یاد رکھئے حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا۔

عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين.........

جس طرح میری سنت شریعت ہے۔ اسی طرح خلفاء راشدین کی سنت جو ہے۔ وہ شریعت اسلامیہ کا حکم رکھتی ہے۔ اگر اجماع صحابہ کو نہیں مانتے میں نے جیسا کہ عرض کیا کہ آپ کے دین کی ساری شکل تبدیل ہو جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ پھر حدیث کو بھی عقل کے ماتحت لائیں گے۔ اور اگر آپ ان چیزوں کو مانتے ہیں چنانچہ یہاں تک ہو گیا کہ شریعت بینچوں میں جب آپ کوئی مقدمہ لے کر جائیں تو وہ یہ کہتے ہیں ہم نہیں مانتے۔ اس بات کو کہ اگر کسی صحابی نے کیا ہے اجماع صحابہ کیا ہے۔؟ قرآن، سنت کی بنیاد پر کوئی دلیل لاؤ اس کے علاوہ ہم کوئی دلیل نہیں مانتے۔ اب آپ مجھے بتائیے کہ یہ دین میں تحریف ہے کہ نہیں۔؟

اگر اجماع صحابہ خطرے میں ہے تو آپ دین کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ نتیجہ یہ ہو گا آپ کہیں گے کہ ہم دین پر چل رہے ہیں۔ حالانکہ آپ دین پر نہیں چل رہے بلکہ آپ روشن خیالوں کے منصوبوں پر چل رہے ہیں۔ عقل جو ہے اپنا تسلط جمانا چاہتی ہے۔ علامہ اقبال نے صحیح کہا تھا۔ فرمایا کہ

دنیا کو ہے پھر معرکہ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا

فقہا اسلام کی خدمات

تو میرے دوستو! آگے چلئے! ہم حنفی ہیں، اور صرف میں حنفی نہیں ہوں۔ بلکہ اس ملک کی بہت بڑی آبادی احناف کی ہے۔ لیکن اس ملک میں ایسے ایسے واقعات پیش آئے ہیں۔ یہی کراچی ہے، اس کراچی کے اندر وزیر تعلیم کی صدارت میں اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (Islamic Recerch Institute) کا اجلاس ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اس زمانے میں اس کے ڈائریکٹر تھے۔ اور ممبران کون ہیں۔ تمام یونیورسٹیوں کے وائس چانسلرز بڑی بڑی وزارتوں کے سیکرٹریز، جوائنٹ سیکرٹریز، اور بعض بینکوں کے منیجرز، اور نظریہ سے بچانے کے لئے اسلام کا ایک نمائندہ وہ میں۔ ایک میں تھا، اس کے اندر، سوال یہ پیدا ہوا کہ صاحب اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (تحقیق) کا کام کرنا چاہتی ہے۔ تو یہ طے کر لیا جائے کہ ریسرچ (تحقیق) کن چیزوں کے ماتحت کرنا ہے۔ میں نے کہا کہ کیا مطلب؟ وزیر تعلیم وہ خواجہ ناظم الدین مرحوم کے عزیز تھے۔ ڈاکٹر حبیب الرحمان صاحب بنگال کے رہنے والے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ وزیر صاحب میں ان کا مطلب نہیں سمجھا۔ ان کا انتقال ہو گیا۔ اس لئے میں ان کا نام نہیں لیتا ہوں اور وہ صاحب کراچی ہی میں تھے۔ جنہوں نے یہ سوال اٹھایا تھا۔ صاحب یہ طے کر لیا جائے کہ ہمیں کن چیزوں کی بنیاد پر اجتہاد کرنا ہے۔ میں نے کہا صاحب ہم سمجھے نہیں۔؟ کہنے لگے مولانا! ہمارا مطلب یہ ہے کہ اجتہاد صرف قرآن و سنت کی بنیاد پر ہو گا۔ اجماع صحابہ اور فقہ

کی بنیاد پر نہیں ہوگا۔ میں نے کہا آپ نے کیا کہا؟ اجماع صحابہ ؓ اور فقہ کی بنیاد پر کیا اجتہاد نہیں ہوگا۔ آپ الفاظ سنیں تو حیران ہو جائیں گے۔ وہ صاحب فرماتے ہیں۔ ارے صاحب! فقہ کیا چیز ہے؟ خلفائے بنو عباسیہ اور خلفائے بنو امیہ ان مولویوں سے اور ان مولویوں کے نام کیا ہیں۔ ابو حنیفہ ؒ امام مالک ؒ، امام شافعی ؒ اور امام احمد بن حنبل ؒ جو چاہتے تھے ان سے فتوی لے لیتے تھے۔ اس کا نام فقہ ہو گیا۔ وہ قابل عمل نہیں۔ آپ نے اندازہ لگایا کہ فقہائے امت کے بارے میں ان کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ یہ خلفاء کی رائے اور ان کے اشارے پر فتوی دیتے تھے۔ یہ نعوذ باللہ، نعوذ باللہ ایمان فروش اور ضمیر فروش تھے۔ اس لئے ہم فقہ کو بنیاد نہیں بنا سکتے۔ مجھے غصہ آگیا، میں کھڑا ہو گیا، اور میں نے کہا کہ اگر آج آپ فقہاء کے اجتہاد کو اس لئے نہیں مانتے کہ وہ نعوذ باللہ خلفاء کے اشارے پر فتوی دیا کرتے تھے۔ ذرا آج یہ اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (Islamic Recerch Institute) کے ممبرز اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کے دیکھیں۔ چیئرمین اس کا وزیر ہے۔ کیبنٹ کا ممبر، اس کا ڈائریکٹر (Director) تنخواہ دار، اس کے ممبران میں یونیورسٹی کے وائس چانسلرز، تنخواہ دار، اس کے ممبروں کے اندر سیکرٹریز تنخواہ دار اور جوائنٹ سیکرٹریز، تنخواہ دار تو اگر فقہاً کا اجتہاد اس لئے قابل قبول نہیں کہ وہ اپنے مفاد کی خاطر فتوی دیا کرتے تھے۔ یہ سرکاری خزانے سے بڑی بڑی تنخواہیں وصول کرنے والے بیوروکریٹ اگر یہ اجتہاد کریں گے تو ان کا اجتہاد کل کو کون قبول کرے گا، اور کون مانے گا۔ میرے دوستو! سمجھنے کی ضرورت ہے۔ آج جس جج کو، عدالت کو قرآن و سنت کے مطابق فیصلے کا حق دیا جائے۔ اگر اس میں کوئی عالم نہیں ہے تو آپ یقین جانئے کہ قرآن میں تحریف ہوگی۔ سنت میں بھی تحریف ہوگی۔ اس لئے میں نے عرض کیا کہ ہم اہل سنت والجماعت ہیں۔ کیا مطلب؟ ہمارے نزدیک صحیح راستہ اور صحیح طریقہ وہ ہے جو قرآن پر مبنی ہو۔ اجماع صحابہ پر مبنی ہو۔ سنت رسول ؐ پر مبنی ہو۔ اس لئے والجماعت کا لفظ جو کہا جاتا ہے۔ اس جماعت سے مراد جماعت صحابہ ہے۔

تو میرے دوستو! ہم اور آپ آج جگہ جگہ یہ دن منا رہے ہیں۔ آپ اس بات کا تہیہ کر لیں کہ صحیح طور پر سمجھیں کہ شریعت پر کہاں حملہ ہو رہا ہے؟ کس طریقے پر حملہ ہو رہا ہے۔ اس کے نتائج کیا ہونے والے ہیں؟ اور اس کے اثرات کہاں تک پہنچنے والے ہیں۔ اور اس کے بعد مناسب طریقے پر آپ حضرات اس کا انسداد کریں۔ بہرحال اگر آج ہم نے اور آپ نے یہی تہیہ کر لیا کہ ہم ہر صورت سے اللہ کے دین کو بچائیں گے۔ سرکار دو عالم ﷺ کے اسوہ کو بچائیں گے اور وحی میں نے عرض کیا۔ وحی کو وحی رہنے دیجئے۔ انسانی عقل کے تابع نہ بنایئے۔ اگر آپ نے اس کو انسانی عقل کے تابع بنا دیا تو پھر کیا ہوگا۔؟ یہ تو اللہ کا بڑا احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ساتھ ساتھ حضور اکرم ﷺ کو بھی دنیا میں مبعوث فرمایا ورنہ آپ اور ہم بڑے چالاک ہیں۔ اگر رسول اللہ ﷺ کا عمل ہمیں نہ بتاتے کہ قرآن کی اس آیت کا یہ مطلب ہے تو ہم اور آپ کس طریقے سے مطلب نکالیں گے۔ ایک جلسہ ہوا، اشتہار آیا اور اس اشتہار میں یہ لکھا تھا کہ "مستورات کے لئے خاص انتظام ہوگا۔" بعض لوگوں نے اسے اس طریقے سے پڑھا کہ مستورات کے لئے خاص انتظام ہوگا۔ آپ مجھے بتایئے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کا عمل صورت ہمارے اور آپ کے سامنے نہ ہوتا تو قرآن کریم سے ہم اور آپ اسی طریقے سے نہ کھیلتے۔ اور ہم اور آپ کیا حیثیت رکھتے ہیں۔؟ کیا حقیقت رکھتے ہیں؟ ہفت اقلیم کی سلطنت کا بادشاہ بھی اللہ کی بادشاہت کے مقابلے میں خدا کی قسم ایسے ہے جیسے مچھر کا پر کوئی حیثیت نہیں۔

حضور ﷺ کی نسبت

نواب صاحب حیدر آباد دکن میر عثمان علی بیٹھے ہوئے تھے۔ مولانا شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی تقریر فرما رہے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ سرکار دو عالم ﷺ کا مرتبہ اتنا بڑا ہے کہ آپ ﷺ کے جوتے کا تسمہ نظام حیدر آباد دکن کے تاج میں لگ جائے تو تاج کا مرتبہ بڑھ جائے۔ نظام دکن میر عثمان علی پر حال طاری ہو گیا اور چیخ

کر کہنے لگے۔ کہ آپ نے بالکل سچ کہا ہے۔ اگر حضور ﷺ کے جوتے کا تسمہ میرے تاج میں لگ جائے تو میں بادشاہ ہو جاؤں۔ اللہ کی شان حاکمیت اور شان محبوبیت کے اعتبار سے ہم اور آپ سب عاشق ہیں۔ اللہ نے مقرر کر دیا ہے کہ حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح.... چلو پانچ وقت تمہاری ملاقات ہے۔ تمہیں زیارت کا موقع دیا ہے۔ وصال کا موقع دیا ہے۔ درشن کا موقع دیا ہے۔ معاف کیجئے کہ میں ایسے الفاظ سے ترجمہ کو بھی بعض اوقات پسند نہیں کرتا۔ ان ترجموں میں ان الفاظ میں نورانیت نہیں ہوتی۔ معنی چاہے درشن کے بھی زیارت ہی کے ہوں۔ لیکن حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن ؒ جب مالٹا گرفتار ہو کر گئے اور واپس آئے تو لوگ ان کو لینے کے لئے بمبئی کے سمندری پورٹ پر گئے۔ اور جب وہ تشریف لائے پورٹ کے اوپر تو ہندو اور مسلمان' مولانا محمد علی' مولانا شوکت علی سب موجود ہیں۔ جلوس روانہ ہوا' کسی نے جلوس میں یہ نعرہ لگا دیا کہ محمود الحسن کی جے ہو۔ فوراً جلوس روکا اور فرمایا کہ بھئی جب میں گیا تھا تو میں نعرہ تکبیر چھوڑ کر گیا تھا یہ جے کارے کب سے لگنے لگے....؟ مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے کہا کہ حضرت جیتے ہونے کے معنی ہیں فتح ہو۔ فرمایا کہ ترجمہ میں بھی جانتا ہوں' مجھے بھی معلوم ہے لیکن اگر ترجمہ ہی کرنا ہے تو پھر اللہ کا ترجمہ رام رام کر لو۔ جس کا مطلب ہے کہ بعض الفاظ ایسے ہیں کہ ان کے ترجمے میں بھی نورانیت نہیں۔ میں نے عرض کیا پانچ مرتبہ اللہ تعالیٰ موقع دیتے ہیں۔ اور وہ بھی زیارت و ملاقات ان کو ملتی ہے۔ جن کے نصیب میں ہوتی ہے۔ جن کے نصیب میں نہیں ہوتی ان کو نہیں ملتی۔

ایک بہت بڑے زمیندار اپنے ملازم کے ساتھ شکار کو جا رہے تھے۔ جنگل میں کوئی معمولی کا سا گاؤں نظر آیا' غیر آباد..... وہ وہاں جب آئے تو دیکھا کہ ایک مسجد ہے۔ اس ملازم نے اپنے زمیندار آقا سے کہا کہ حضور اگر اجازت دیجئے تو نماز کا وقت ہے میں نماز پڑھ لوں.....؟ اس زمیندار کا جی تو نہیں چاہا۔ مگر چونکہ اتنی اخلاقی جرات بھی نہیں تھی کہ انکار کر دیتا۔ کہنے لگا کہ اچھا بھئی تو جا' جلدی سے پڑھ کر آ۔ یہ دروازے پر کھڑے ہوئے ہیں باہر' ملازم مسجد کے اندر ہے۔ اور

دیکھنے میں ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ شاہی دربار ہے تو بادشاہ اندر ہے ' ملازم باہر ہے۔ جب دیر ہو گئی تو اس نے آواز دی کہ ارے او رمضانی ! آتا کیوں نہیں۔ اندر سے اس رمضانی نے جواب دیا کہ جی حضور میں تو آنا چاہتا ہوں آقا آنے نہیں دیتے۔ بڑا ناراض ہوا ' مسجد خالی پڑی ہے۔ اس نے کہا ' او تجھے کون نہیں آنے دیتا۔ اس نے کہا حضور جو آپ کو باہر سے اندر نہیں آنے دیتا۔ مجھے اندر سے باہر نہیں جانے دیتا۔ معلوم ہوا کہ یہ بھی اللہ کی توفیق ہے۔ جنہیں ملتی ہے۔ وہ بے طاقت بھی پہنچ جاتے ہیں۔ فرمایا کہ

بود مورے ہوس داشت کہ در کعبہ رسد
دست بر پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

چیونٹی کے دل میں تمنا پیدا ہوئی کہ وہ حج بیت اللہ کو جائے۔ اللہ نے کہا یہ چل کے نہیں جا سکتی۔ اس کا انتظام ہم کریں گے۔ کبوتر جو اڑ کے حرم جا رہا تھا۔ حکم دیا کہ یہاں اتر جا' اور چیونٹی سے کہا تو اس کے پاؤں سے چمٹ جا۔ اور کبوتر سے کہا کہ تو جا کے اسے حرم میں چھوڑ دے۔

بود مورے ہوس داشت کہ در کعبہ رسد
دست بر پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

یہ تو روز مرہ کی ملاقات ہے ' پانچ وقت کی ' لیکن یہ ملاقات سب سے اونچی ہے کہ جس کے لئے آپ اللہ کے گھر میں جاتے تھے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ لوگ اللہ کے گھر کے چکر کاٹ کے آئے ہیں۔ مگر جواب اندر سے آیا ہے۔ تو ملاقات کے قابل نہیں ہے۔ واپس چلا جا۔ فرمایا کہ

طواف خانہ کردم بے حرم راہم نہ دادند
کہ بیرون در چہ کر دی؟ کہ درون خانہ آئی

آپ ملنا چاہتے ہیں اللہ سے لیکن یہ تو بتایئے کہ ملاقات کے لئے آپ نے باہر رہ کے کیا کیا ہے۔؟ آپ نے تیاری کیا کی ہے۔؟ جو آج ملنا چاہتے ہو۔ لیکن آج ملاقات یہ بھی ملاقات ہے کہ جس محبوب کے لئے آپ پریشان ہیں جس

کے لئے ہر وقت آپ کا جی چاہتا تھا' آج وہ خود آپ کے مکان میں حاضر ہو گیا۔ یاد رکھئے ماحول اور صحبت کا بعض اوقات اثر ہوتا ہے۔ اچھی تمنا ہو یا بری' دل کی کیفیت بعض اوقات ماحول سے بھی پیدا ہوتی ہے۔

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کسی شخص نے یہ سوال کیا کہ صاحب آپ نے فرمایا ہے کہ جنت میں ہر وہ چیز ملے گی جس کے لئے تمہارا دل چاہے گا۔ تو میں بڑا عاشق ہوں حقے کا' مجھے جنت میں حقہ بھی ملے گا یا نہیں؟...... مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تجھے قسم کھا کے یہ کہتا ہوں کہ اگر تیرے دل میں حقے کی تمنا پیدا ہوئی جنت میں تو تجھے حقہ ضرور ملے گا۔ مگر میں قسم سے کہتا ہوں کہ جنت میں رہتے ہوئے تیرے دل میں حقے کی تمنا پیدا نہیں ہو گی۔ معلوم ہوا کہ ملائکہ اور فرشتوں کا جب نزول ہوتا ہے تو ہم اور آپ اپنے اپنے نرم بستروں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اپنے گھروں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اپنی نیند کو چھوڑ دیتے ہیں۔ جمع ہو جاتے ہیں اور یاد رکھئے کہ یہ سب عاشقانہ کیفیتیں ہیں۔ نہ کھانے کی پرواہ ہے نہ پینے کی پرواہ ہے۔ نہ راحت کا خیال ہے نہ آرام کا خیال ہے۔ کبھی کبھی بلکہ کبھی کبھی کیا...... عاشق سے پوچھئے کہ بہت سی راتیں آنکھوں ہی آنکھوں میں گزر جاتی ہیں۔ اصل میں ایک لمحے کے لئے بھی آنکھ نہیں لگتی۔ کسی عاشق نے سارا دن گزار کر کہا تھا۔ فرمایا کہ

مت آئیو او وعدہ فراموش تو اب بھی
جس طرح کٹا ہے دن گزر جائے گی شب بھی

رات بھی انتظار میں گزاری ہے' دن انتظار میں گزرا ہے۔ یہ کیفیت عاشقانہ ہے۔ آج ہم اور آپ بھی اس کیفیت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

اللہ کا بڑا احسان ہے کہ اللہ نے نمونہ عمل بھی عطا فرمایا اور یہ بھی فرما دیا ہے کہ اس وحی کے دائرہ میں رہنے کے لئے اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم ہمارے لئے بنیادی چیز ہے۔

ان چند کلمات کے بعد میں آپ حضرات سے دعا کی درخواست کرتا ہوں۔

(از ماہنامہ الخیر ملتان)

حب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

بمقام چوک فوارہ پشاور ۷ مارچ ۱۹۸۳ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۳-۱۶۴)

بہت بڑی سعادت

جناب صدر، اراکین کمیٹی اور معزز حاضرین جلسہ

مجھے بڑی خوشی ہے کہ آج میں آپ کے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک، اور حیات طیبہ کا ذکر کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جو ایک سعادت ہے اور بہت بڑی سعادت ہے۔ عام طور پر سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے یا میلاد النبیؐ کے نام سے ہمارے یہاں جو جلسے، محفلیں منعقد ہوتی ہیں۔ عام طور پر ان کا مقصد یہ ہے کہ ہم اور آپ مل کر اپنے نبی اپنے پیغمبر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عقیدت کا، محبت کا نذرانہ پیش کریں گے۔ اگرچہ ہمارا عقیدہ یہ بھی ہے کہ جس شہر میں، جس بستی میں جس محلے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا ہے۔ وہاں اللہ کی طرف سے رحمتیں نازل ہوتی ہے۔ سکینہ نازل ہوتا ہے۔ اور وہ شہر، وہ بستی عام آفتوں سے اور مصیبتوں سے اللہ تعالیٰ محفوظ کر لیتے ہیں۔

ذکر نبیؐ کی برکت

قصیدہ بردہ شریف عربی میں ایک نعت ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی، ایک بڑے اللہ والے ہیں۔ ان کا واقعہ ہے کہ وہ لقوہ کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ ایک تو ویسے بھی بیماری اور مرض اور بعض بیماریاں اور بعض امراض ایسے ہوتے ہیں جو

دیکھنے میں زیادہ معیوب معلوم ہوتے ہیں۔ انھیں بڑا صدمہ ہوا۔ خواب میں دیکھا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ تشریف رکھتے ہیں۔ اور آپؐ نے یہ فرمایا کہ یہاں مزار پہ حاضر ہو کر حضور اکرم ﷺ کی منقبت اور آپؐ کی صفات بیان کی جائے۔ اس وقت انہوں نے یہ قصیدہ بردہ شریف لکھا اور جاکر حضور ﷺ کے روضے پہ پڑھا۔ یہ تاریخ کی ایک شہادت ہے کہ جب انہوں نے یہ قصیدہ حضور ﷺ کے روضے پہ پڑھا تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کے چہرے کو ٹھیک کر دیا اور ان کی بیماری دور ہو گئی۔

تو ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جس جگہ، جہاں پہ بھی آپ کا ذکر مبارک کیا جاتا ہے۔ وہاں پہ اللہ کی برکتیں اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ شر، آفت اور مصیبتوں سے وہاں حفاظت کرتا ہے۔

چاند کا زمانہ

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ آج ہم اور آپ جس دور اور جس زمانے سے گزر رہے ہیں۔ وہ دور اور وہ زمانہ اگر میں یہ کہوں کہ وہ دورِ قمر ہے تو میرے خیال میں بالکل صحیح ہے۔ قمر کے معنی آتے ہیں چاند، اور دورِ قمر سے یہ سمجھا جائے گا کہ چاند کا زمانہ، جتنے تعلیم یافتہ، پڑھے لکھے، سائنٹسٹ حضرات ہیں وہ تو یہی سمجھیں گے کہ دورِ قمر سے مراد یہ ہے کہ اس زمانے میں لوگ چاند پہ جا رہے ہیں اور یہ وہ وقت ہے کہ سائنس نے اتنی ترقی کی ہے کہ لوگ چاند پہ بھی پہنچ گئے، مگر نہیں، چاند پہ جانے کا واقعہ تو آج کا ہے۔ اور دورِ قمر کا ذکر صدیوں پہلے حافظ شیرازی ؒ اپنے دیوان میں فرما چکے ہیں۔ وہ دورِ قمر کیا ہے۔

اینچہ شوریست کہ در دورِ قمر می بینم
جب خشکی اور تری پہ، زمین کے ہر خطہ پہ، شر، معصیت، گناہ چھا جائے تو سمجھئے کہ یہ زمانہ جو ہے یہ دورِ قمر کہلاتا ہے۔

اینچہ شوریست کہ در دورِ قمر می بینم
ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر می بینم

وہ فتنہ اور شر کیا ہے۔ فرمایا کہ

ہیچ رحمی نہ برادر بہ برادر دارد
ہیچ شفقت نہ پدر را بہ پسر می بینم

باپ کے دل میں بیٹے کی محبت نہیں' بیٹے کے دل میں باپ کا احترام نہیں' بھائی کے دل میں بھائی کے لئے رحم نہیں' جب ایسا زمانہ آجائے تو آپ سمجھئے کہ یہ دور دورِ قمر ہے۔

حکماء نے لکھا ہے کہ انسان کے دماغ کا چاند سے تعلق ہے۔ جن لوگوں کو دماغی بیماریاں ہوتی ہیں چاند کے چڑھنے کے زمانے میں وہ بیماریاں زیادہ زور پکڑتی ہیں۔ اور چاند کے اترنے کے زمانے میں وہ بیماریاں کم پڑتی ہیں۔ جیسے دریا کے جوار بھاٹے کو آپ نے دیکھا ہو گا۔ اس کا بھی چاند سے تعلق ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دورِ قمر اس لئے کہا ہے۔ کہ جب انسان کا دماغ خراب ہو جائے' انسان پاگل ہو جائے اور انسان پاگلوں جیسی باتیں کرنے لگے۔ خود انسان کے اندر سے انسانیت رخصت ہو جائے تو وہ دور' دورِ قمر کہلاتا ہے۔ ہم اور آپ اسی دورِ قمر سے گزر رہے ہیں۔

آج ضرورت ہے اس بات کی کہ سرکار دو عالم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو آپؐ کی تعلیمات کو اور آپؐ کی ہدایت کو بیان کیا جائے۔ پیش کیا جائے تاکہ معاشرہ صحیح ہو سکے۔ باپ کی عظمت بیٹے کے دل میں قائم ہو۔ بیٹے کے دل میں باپ کا احترام ہو۔ بھائی کے دل میں بھائی کی عظمت اور محبت ہو۔

سائنس نے انسانیت کو کیا دیا

اور اگر دورِ قمر سے سائنس کا دور بھی مراد لے لیں تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ جس زمانے میں سائنس ترقی کرکے یہاں تک پہنچ گئی ہو کہ جہاں آپ دیکھتے ہیں کہ ہر روز ایک نئی چیز ایجاد ہو کر آپ کے سامنے آرہی ہے۔ جس کا مقصد انسانوں کو تباہ کرنا ہے۔ جب روزانہ تباہی کے آلات اور تباہی کا سامان روز پیدا کیا جارہا ہے اور بنایا جا رہا ہے۔ تو میرے خیال میں اس زمانے میں زیادہ

ضرورت ہے اس بات کی کہ انسانوں کو اخلاقی قدریں بتلائی جائیں اور ان کو یہ بتایا جائے کہ دیکھو جو چیز بن کر تمھارے ہاتھ میں آئی ہے۔ اس کو استعمال کرنے کی جگہ کون سی ہے۔ اس کے استعمال کا وقت کون سا ہے۔ اس کو بے موقع استعمال نہ کرنا ' اگر بے موقع استعمال کیا تو تم نے ایجاد سے صحیح فائدہ نہیں اٹھایا۔ میری مراد تلوار ہے۔ یہ بھی ایک آلہ ہے۔ جس سے انسان کی زندگی کٹ جاتی ہے۔

یہ زندگی منقطع ہو جانے پر مجھے یاد آیا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ جو اپنی تلوار دھوپ میں ہلا رہے ہیں۔ اور ہلا کر دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ سے پوچھنے لگے "کیا" سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے مبارک کی چمک ایسی ہی تھی جیسے کہ میری تلوار کی چمک ہے۔

دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا خبردار ! تلوار انسان کی زندگی کو ہلاک کرنے والی ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی چمک ایسی تھی کہ اس کو نقصان پہنچانے والی چیز سے تشبیہ دینا بے ادبی ہے توہین ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی چمک ایسی نہیں تھی بلکہ آپؐ کے چہرے کی چمک تو ایسی تھی جیسی چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے چاند کو دیکھو روشنی بڑھتی ہے نقصان نہیں دیتی۔ معلوم ہوا کہ کسی ایسی چیز کے ساتھ تشبیہ دینا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کمال کو جو انسان کے لئے مضر ہے۔ یہ بھی اہانت کا اور بے ادبی کا پہلو ہے۔

تو خیر میں یہ کہہ رہا تھا کہ جیسے ایک تلوار ہے' بنانا آسان ہے۔ لیکن بنا کر جس کے ہاتھ میں آپ دے دیں اس کو یہ بھی بتائیں کہ بھائی ! یہ کہاں چلائی جاتی ہے۔ کہیں تو اسے اپنے ہی گلے پر نہ چلا لینا' کہیں پڑوسی کے گلے پر نہ چلا دینا۔ اگر تلوار کسی اناڑی کے ہاتھ میں آپ نے دے دی جس کو اس کے استعمال کا طریقہ بھی معلوم نہیں تو تلوار سے نقصان پہنچے گا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا کمال اطاعت

یہی وجہ ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان سے یہ کہا کہ اگر ایک ہاتھ میں تمھارے قرآن ہو اور دوسرے ہاتھ میں تلوار تو بتایا ہے کہ تلوار کے استعمال کی

جگہ کون سی ہے۔

● حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلافات چل رہے ہیں۔ یہ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ کہلاتا ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اپنی تلوار کو پتھر سے توڑ رہے ہیں۔ چورا چورا کر رہے ہیں۔ کسی نے کہا کہ یہ کیا کر رہے ہیں۔؟ انہوں نے کہا کہ مجھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت کی تھی کہ دیکھو یہ تلوار اللہ نے مسلمان کے لئے نہیں بنائی ہے۔ یہ تلوار اللہ نے کافر کے لئے پیدا کی ہے۔ تم کسی مسلمان کی گردن پر نہ چلا دینا' اور اگر کبھی زمانہ آجائے کہ اندیشہ ہو کہ تمہارے ہاتھ سے کسی مسلمان بھائی کا گلا نہ کٹ جائے۔ تو وقت آنے سے پہلے پہلے اس تلوار کو توڑ کے چورا کر دینا۔ آج میں دیکھتا ہوں مجھے یہ خطرہ ہے کہ کہیں میرا ہی کوئی بھائی' اور میرا کوئی ایمانی برادری کا فرد کہیں اس تلوار سے نہ مارا جائے۔ اس لئے میں نے وقت آنے سے پہلے پہلے اپنی تلوار کو توڑ کے رکھ دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔

اگر سائنس کا دور ہے تو اب زیادہ ضرورت ہے اس بات کی کہ اخلاقی قدریں بتلائی جائیں۔ اخلاقی تعلیمات دی جائیں۔

تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ ہم اور آپ امتی ہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ہر امت ہر قوم ہر ملت اپنے نبی سے اور پیغمبر سے محبت کرتی ہے۔ یہ قدرتی ہے' ہر قوم اپنے نبی کے سامنے ایسی ہے کہ جیسے کسی کا باپ ' روحانی باپ' سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی کو باپ کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ جب ذی الحجہ کا زمانہ آیا اور قربانیاں ہونے لگیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا ما هذه الاضاحی یارسول اللہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! یہ قربانی کیا چیز ہے۔؟ آپ ؐ نے فرمایا هذه سنة ابیکم ابراهیم یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی سنت ہے۔ ہم اور آپ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی ملت ہیں۔ آپ ؐ کی ملت ' ملت ابراہیمی ہے۔

عشق نبوی ؐ

بہرحال تو عرض میں نے یہ کرنا تھا کہ ہر قوم کو اپنے نبی سے اپنے پیغمبر سے اپنے رسول سے محبت ہوتی ہے۔ ہمیں اور آپ کو بھی محبت ہے۔ اور میرے خیال میں تو یہ کہنا کہ ہمیں اور آپ کو محبت ہے۔ بہت کمزور سی بات ہے۔ کیونکہ مومن صرف محبت نہیں کرتا بلکہ مومن جو ہے عاشق ہوتا ہے۔ دیوانہ ہوتا ہے۔ اپنے نبی اور پیغمبر کا۔ جب سرکار دو عالم ﷺ سے مسلمانوں نے ایسی محبت کی جیسے کوئی دیوانہ ' اور جیسے کوئی عاشق اپنے محبوب سے محبت کرتا ہے۔ ہمارے اور آپ کے دل اور قلوب لبریز ہیں حضور اکرم ﷺ کی محبت سے ' یہ اور بات ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کسی جگہ بھی لفظ عشق استعمال نہیں کیا۔ مگر عشق کے معنی استعمال کئے ہیں۔ عشق کا مفہوم استعمال کیا گیا۔ یہ نہ سمجھئے گا کہ یہ لفظ عشق جو ہے عربی کا لفظ نہیں۔ عربی کا لفظ ہے عربی کا شاعر کہتا ہے۔

من عاذنی حب الدیار لاھلھا

وللناس فیما یعشقون مذاھب

مگر لفظ عشق قرآن کریم نے استعمال نہیں کیا۔ عشق کا مفہوم ' عشق کے اس جذبے کو قرآن کریم نے بیان کیا ہے جیسے فرمایا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (۲-۱۶۵)

کچھ لوگ ایسے ہیں جو خدا سے بھی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بتوں سے بھی محبت کرتے ہیں اور فرمایا کہ جو اہل ایمان ہیں وہ خدا کی محبت میں شدید ہیں۔ خدا کی محبت میں نہایت سخت ہیں۔ معلوم ہوا کہ محبت اور چیز ہے۔ شدت محبت اور چیز ہے۔ شدت محبت ہی کو عشق کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے لفظ شدت محبت تو استعمال کیا ہے۔ وہ لفظ "عشق" استعمال نہیں کیا۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا۔ ایک مومن اور ایک مسلمان درحقیقت عاشق ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کا

تو اتنا عظیم انقلاب جو حضور ﷺ نے تیئس (۲۳) سال کی مدت میں برپا کیا ہے۔ خدا کی قسم اتنا انقلاب کبھی نہیں برپا ہو سکتا۔

جیسے علامہ اقبال نے کہا ہے۔ قوم پر جوانی بھی آتی ہے' قوم پر بڑھاپا بھی آتا ہے' قوم مر بھی جاتی ہے۔ فرمایا

زندہ ہے مشرق تیری گفتار سے
امتیں مرتی ہیں کس آزار سے

قومیں مر جاتی ہیں' علامہ اقبال نے کہا۔ بڑھاپے کے آثار' جوانی کے آثار کیا ہیں۔؟ فرمایا

میں تم کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

قوم جوان ہوتی ہے تو نیزہ اور تیر اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ تلوار اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اور جب کسی قوم پر بڑھاپا آتا ہے تو گانے بجانے کا سامان ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

قوموں کی زندگی اور موت

شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

ہمارا تو خیال ہے کہ آج گانے بجانے کا سامان تو ہمارے اور آپ کے پاس ہے۔ لیکن ہمارے پاس جہاد کا سامان اور تیر و تفنگ کا سامان تو کہیں نظر نہیں آتا۔ خیر ۲۳ سال کی مدت قوموں کی زندگی میں نہایت کم مدت ہے۔ پلک جھپک کے گزر جاتی ہیں۔ لیکن ۲۳ سال کی مدت میں محمد عربی ﷺ نے ایسی قوم کو جس میں ساری دنیا کی خرابیاں اور برائیاں موجود تھیں۔ اقوام عالم کا امام بنا دیا۔ معلم بنا دیا' اور ایک مستقل مذہب دے دیا' ایک مستقل تمدن دے دیا' ایک مستقل تہذیب دے دی' نظام حکومت دے دیا' آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ایسا انقلاب لانے والے محمد عربی ﷺ ہیں۔ فرمایا کہ

درفشانی نے تیری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر' اوروں کے ہادی بن گئے

کیا نظر تھی' جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

تو خیر میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہمیں اور آپ کو بحیثیت مسلمان کے محبت ہی نہیں بلکہ ہم عاشق ہیں' دیوانے ہیں اور جب ہمارے اور آپ کے اندر دیوانگی تھی' میرے خیال میں دنیا میں ہم نے اور آپ نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے۔ دیوانگی ختم ہو گئی جیسے کچی دیوار گر جاتی ہے۔

تحریک پاکستان کے زمانے میں مولانا ظفر علی خان مرحوم نے بھی مختلف جلسوں کے دورے کئے۔ "زمیندار" لاہور کے ایڈیٹر تھے۔ ان کے بھی بڑے احسانات ہیں قوم کے اوپر ختم نبوت کے مسئلہ پر خاص طور پر ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ میرٹھ پہنچے' ایک صاحب تھے جو بھٹے کا کاروبار کیا کرتے تھے۔ ان کا نام ہی پڑ گیا تھا مولانا بشیر بھٹا' لوگ اسی نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ لیکن وہ تحریک پاکستان کے حق میں نہیں تھے۔ خلاف تھے' مولانا ظفر علی خان مرحوم پہنچے۔ انہیں کسی نے یہ بتایا کہ مولانا بشیر بھٹا تحریک پاکستان کے خلاف ہے۔ تو مولانا ظفر علی خان نے فوراً" ایک نظم لکھی جس کا ایک شعر ہے۔ فرمایا

اگر میں زور سے برسا تو گر جائیں گی دیواریں
کہ اینٹیں ساری کچی ہیں بشیر احمد کے بھٹے کی

قرونِ اولیٰ کے مسلمان

میں نے عرض کیا دیوار کچی ہو جب بھی گر جاتی ہے' دیوار کی اینٹیں کچی ہوں جب بھی گر جاتی ہیں۔ ہمارے اندر سے دیوانگی ختم ہو گئی ہے ..... میں نہیں کہہ رہا..... حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اور یہ اپنے زمانے کی بات کر رہے ہیں۔ اب چودہ سو سال کے بعد تو بالکل انقلاب آگیا۔ فرمایا کہ اگر صحابہ کرام علیہم الرضوان اپنی قبروں سے اٹھ کر آئیں اور وہ ہمیں دیکھیں اور ہم انہیں دیکھیں۔ کوئی شخص تعارف کرائے کہ صاحب چودہویں صدی کے مسلمان ہیں اور یہ بھی تعارف کرائے کہ دور اول کے مسلمان یہ ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرق اتنا ہو گیا ہے کہ ہم انہیں دیکھ کر دیوانہ سمجھیں۔ اور وہ ہمیں

دیکھ کر مسلمان نہ سمجھیں۔ فرق اتنا ہو گیا ہے۔

یہ فرق نماز' روزے کا نہیں ہے۔ یہ بات نہیں کہ ان پر پچاس وقت کی نماز فرض تھی اور آپ پر پانچ وقت کی نماز فرض ہے۔ آپ ایک مہینے کے روزے رکھتے ہیں۔ اور وہ کوئی چھ مہینے کے روزے رکھتے ہیں۔ یہی دین' یہی شریعت یہی مقدار سب کے لئے تھی۔ اکبر الہ آبادی مرحوم نے خوب کہا ہے۔ فرمایا کہ

اللہ کی راہ اب تک وہی آثار و نشان سب قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ پر چلنا چھوڑ دیا

دین وہی ہے' شریعت وہی ہے' حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ سنئے۔ فرماتے ہیں ماکانوا اکثر صلوۃ ولا صیاما" وہ لوگ آپ سے زیادہ نمازیں نہیں پڑھتے تھے۔ آپ سے زیادہ روزے نہیں رکھتے تھے۔ ماکانوا اکثر صلوۃ ولا صیاما......

یہی نمازیں ان کے لئے تھیں' یہی نمازیں آپ کے لئے ہیں' یہی روزے ان کے لئے تھے' یہی روزے آپ کے لئے' فرق اتنا ہے کہ ان کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس طریقے سے پیوست ہو گئی تھی کہ ان کے رگ رگ میں داخل ہو گئی تھی۔ اور ہمارے اور آپ کے دل جو ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے خالی ہیں۔ یہ فرق ہے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جب ہم اور آپ عاشق ہیں' دیوانے ہیں' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے' اور ہمیں اور ہماری اس دیوانگی اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کریں۔ ہم ان کی اطاعت کریں۔ ہم ان کی زندگی کا ذکر کریں۔ ہم ان کے کمالات کو یاد کریں۔ یہ جلسے جو اس نام سے منعقد ہوتے ہیں یہ ہے کہ کسی طریقہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور آپ کی سیرت طیبہ کا ذکر کیا جائے۔ فرماتے ہیں۔ ہمیں آپؐ کے ذکر میں لذت آتی ہے۔ جس طرح کہ ایک عاشق کو اپنے محبوب کے ذکر میں لذت آتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ چند وجوہ ہیں۔ یہ چند محرکات ہیں جن کی وجہ سے ہم اور آپ یہ جلسے منعقد کرتے ہیں۔ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق دے۔ آمین

(از ماہنامہ الخیر ملتان)

محسن انسانیت ﷺ

سیرۃ النبی ﷺ کانفرنس پر خطاب

الحمدللہ.............اجمعین

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ' بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیٰتک و یعلمھم الکتٰب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم

قابل احترام صدر جلسہ ' اراکین سیرت کمیٹی اور معزز حاضرین ' سب سے پہلے میں بارگاہ خداوندی میں شکر گزار ہوں کہ تقریباً ۲۰ ' ۲۲ سال سے جو معمول اور طریقہ آپ کی خدمت میں حاضری کا چلا آ رہا ہے۔ اس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس سال بھی حاضری کی توفیق عطا فرمائی۔ اور میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حسب سابق حضور ﷺ کی سیرت پاک بیان کرنے کی سعادت عطا فرمائے اور ہمیں اور آپ کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

ذکر میلاد عبادت ہے

گزشتہ سالوں میں آپ نے اس بات کا اندازہ لگا لیا ہو گا کہ دو دن کے ان جلسوں میں سب سے پہلے میں حضور ﷺ کی ولادت پاک اور آپ کی پیدائش کا ذکر کرتا ہوں۔ کیونکہ آپ کی ولادت اور پیدائش بھی اللہ کا بہت بڑا انعام ہے۔ بہت بڑی انسانوں کی سعادت ہے اور آپ کا ذکر ولادت بھی عبادت ہے۔ جس پر اللہ کی طرف سے اجر و ثواب ملتا ہے اور دوسرے دن کی نشست میں آپ کی تعلیمات میں سے ' آپ کے اسوہ میں سے ' آپ کے اخلاق کریمہ میں سے کسی ایک گوشہ کو اور کسی ایک حصہ کو پیش کیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی اس لئے کہ محققین علماء نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی پیدائش اور آپ کی ولادت دو ہیں۔

ولادت کا معنی

ولادت کے معنی اگرچہ آپ لغت کی کتاب میں دیکھیں تو آپ کو یہ ملیں گے.....

خروج الولد من الرحم.....
شکم مادر سے بچے کا باہر آنا یہ ولادت ہے اور علماء نے کہا ہے کہ یہ ولادت 'ولادت عرفی ہے۔ یعنی عرف عام میں اس کو ولادت کہا جاتا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ اسی طریقے پر دنیا میں تشریف لائے کہ جو اللہ نے پیدائش کا اور ولادت کا طریقہ مقرر فرمایا ہے۔ ہو سکتا تھا کہ آپ اس طریقے پر نہ آتے بلکہ اللہ تعالیٰ آپ کو آسمان سے نازل فرماتے۔ لیکن یہ طریقہ آپ کے ساتھ اختیار نہیں کیا گیا کیوں.....؟ اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ اللہ کے کمالات کے مظہر اتم ہیں۔ وہ وہ کمالات اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے ہیں' وہ صفات اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہیں کہ جن سے صفات خداوندی کا پتہ چلتا ہے۔ اور آپ مظہر ہیں اللہ کے کمالات اور صفات کے۔

اگر حضور اکرم ﷺ اس عرفی طریقے سے دنیا میں تشریف نہ لاتے بلکہ آسمان سے جبرائیل امین لے کر آتے۔ یہ دین' دین توحید ہے۔ دین توحید کے معنی یہ ہیں کہ عبادت کرنے والے اور معبود دونوں کو الگ کیا جائے' یہ عبادت کرنے والے ہیں۔ یہ معبود ہے جس کی عبادت کی جائے۔ اگر حضور اکرم ﷺ کا نزول آسمان سے ہوتا تو دنیا میں بعض انسان حضور اکرم ﷺ کو شاید نبی اور پیغمبر نہ مانتے۔ ممکن ہے کہ آپ ہی کو معبود اور خدا بنا لیتے۔ اس لئے بعض علامتیں اور نشانیاں ایسی رکھیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معبود اور خدا نہیں ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو خطاب کر کے کہا۔ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ

محتاج خدا نہیں ہو سکتا

تمہارا جو عقیدہ ہے کہ مسیح ابن مریم خدا ہیں یا بعضوں کا یہ

عقیدہ ہے کہ مسیح ابن مریم خداؤں کی ایک مجلس ہے۔ اس کا رکن ہے 'یعنی تین چیزیں مل کر خدا بنتی ہیں۔ اللہ روح القدس اور مسیح ابن مریم 'ایک فرقہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اللہ 'مسیح بن مریم اور خود حضرت مریم 'ان تینوں کے مجموعہ کا نام خدا ہے۔ ان میں سے الگ الگ ہر ایک بھی خدا ہے اور تینوں مل کر بھی خدا ہے۔

فرمایا کہ یہ تمہارا خیال غلط ہے کیوں....؟

حضرت عیسیٰ بھی اور حضرت مریم دونوں کھانا کھاتے ہیں اور کھانا تو وہی کھاتا ہے کہ جس کو بھوک لگے۔ جس کو غذا کی ضرورت اور احتیاج ہو اور ظاہر ہے کہ اللہ کو نہ غذا کی ضرورت 'نہ اسے کھانے کا احتیاج ہے۔ اور اگر وہ کھائے 'پئے 'اور یہ حاجت اس کو ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد پھر اس کو بول و براز کی بھی ضرورت پیش آتی ہے۔ اور یہ صفات مخلوق کی صفات ہیں خالق کی صفات نہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم ﷺ کے لئے اللہ نے راستہ اور طریقہ وہ اختیار فرمایا جس سے انسانوں کو غلط فہمی نہ ہو۔ اور آپ کو معبود نہ قرار دیں۔ کیونکہ وہ نبی اور پیغمبر ہیں۔

تاریخ ولادت

یہ ولادت اور یہ پیدائش آپ کی ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ کو ہوئی ہے۔ اور ہم میں آپ میں سے یہ بات تو تقریباً" سب کو معلوم ہے کہ آپ ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ کو دنیا میں تشریف لائے۔ آفتاب رسالت بن کے مگر یہ کہ دنیا میں آئے ہوئے حضور اکرم ﷺ کو کتنا زمانہ گزرا۔ زیادہ سے زیادہ ہم میں اور آپ میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے کہ ان کو یہ معلوم ہو گا کہ آج ۲۳ ربیع الاول ہے۔ ۱۳۹۶ھ 'یہ بھی کم لوگوں کو 'یہ سب کو معلوم ہے کہ آج ۲۵ مارچ ۱۹۷۶ء ہے۔ مگر یہ سن جس کو ہم اسلامی کہتے ہیں اس کے بارہ میں بھی جن لوگوں کو معلوم ہے تو آپ کو یہ خبر ہے کہ ۱۳۹۰ سال ۲ مہینے ۲۳ دن کس بات کے ہوئے۔ یہ حضور اکرم ﷺ کی ولادت اور پیدائش کے تو نہیں کیونکہ ہمارا سن میلادی نہیں ہے۔ ہمارا سن ہجری ہے۔ ہاں البتہ آج ہے ۲۵ تاریخ مارچ کی 'تیسرا مہینہ اور سن ہے '۱۹۷۶ء۔

۱۹۷۵ء سال دو مہینہ ۲۵ دن کس کو گزرے حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے' کیونکہ ان کا سن میلادی سن ہے۔ ہمارا سن میلادی نہیں۔ یہ زمانہ اور یہ تاریخ جو آپ لکھتے ہیں یہ ظاہر کرتا ہے کہ ۱۳۹۵ھ سال ۲ مہینہ اور ۲۲ دن اس واقعہ کو گزر گئے۔ کہ سرکار دو عالم ﷺ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

سن کا آغاز ہجرت نبویؐ سے

مگر اس میں مکہ کے ۱۳ سال شامل نہیں اور اس میں آپؐ کی نبوت کے پہلے ۴۰ سال شامل نہیں تو آپ اگر یہ ۵۳ سال شامل کریں تو ۱۴۴۸ سال دو مہینہ ۲۳ دن کا زمانہ گزر گیا۔ اس میں بھی آپ میں سے بعضوں کو یہ خیال ہوگا کہ آپؐ تو ۱۲ تاریخ کو تشریف لائے ہیں تو ۲۳ تاریخ تک دو مہینہ تو نہیں' ۲۳ دن تو نہیں بنتے بلکہ ۱۲ تاریخ سے حساب لگایا جائے تو یہ کل ۱۱ دن بنتے ہیں۔ یہ تو ۱۳' ۱۴' ۱۵' ۱۶' ۱۷' ۱۸' ۱۹' ۲۰' ۲۱' ۲۲' ۲۳' کہنا چاہئے۔ کہ یہ اصل میں حضور ﷺ کو تشریف لائے ہوئے ۱۴۴۸ سال اور ۱۱ دن ہوئے ہیں اور صحیح دن ...... کیونکہ جب عمر فاروق کے زمانے میں یہ سوال پیدا ہوا کہ مسلمان کو ایک اپنا سن لکھنا چاہئے تو صحابہ نے مشورہ دیا کہ ہم دور قمر' چاند کے مہینے کا سال لکھتے ہیں۔ مہینہ بھی وہی مگر اپنی تاریخ ہم شروع کریں گے۔ حضور اکرم ﷺ کی ہجرت سے کیونکہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا آغاز اور اسلام کی ترقی کا آغاز ہوتا ہے۔ جبکہ سرکار دو عالم ﷺ نے ہجرت فرمائی' اس کو ہم یادگار بنائیں گے۔ مگر ہجرت بھی آپ نے ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ کو فرمائی ۔ سوال یہ سامنے آیا کہ ہمارا سال ۱۲ ربیع الاول پر ختم ہونا چاہئے۔ اور ۱۳ ربیع الاول سے ہمارا سال شروع ہونا چاہئے۔ مگر حضرت عمر فاروق نے فرمایا کہ محرم' صفر' دو مہینے اور ۱۲ دن' دو مہینے ۱۲ دن یہ ڈھائی مہینہ کا جو زمانہ ہے اس کو اختیار نہ کیا جائے۔ سن ہمارا یکم محرم ہی سے شروع ہو۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس قرار داد کے مطابق اس فارمولے کے مطابق آپ کی ولادت کو زمانہ گزرا ۱۴۴۸ سال ۲ مہینہ ۲۳ دن مگر حقیقت میں دنیا میں آئے ہوئے آپ کو کتنا زمانہ گزرا۔ ۱۴۴۸ سال ۱۱ دن دو مہینہ نہیں۔ ۱۴۴۸ سال ۱۱ دن آج سرکار دو عالم ﷺ

کو دنیا میں آتے ہوئے گزرے۔

حقیقی ولادت

یہ آپ کی عرفی ولادت ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ آپ کی دوسری ولادت وہ ہے کہ جب حضرت جبرائیل امین آتے ہیں اور آکر کہا ہے اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ نبوت کا آغاز ہو رہا ہے۔ آج منصب رسالت پر فائز کیا جا رہا ہے۔ عرفی ولادت کے ۴۰ سال کے بعد فرمایا کہ دوسری ولادت ہے۔ مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں کہ جس طرح سورج فرض کر لیجئے کہ سات بجے دن نکلا ہے۔ نکل آیا، اب بے شمار گہرا اور غبار ...... اس کی کوئی کرن نظر نہیں آتی۔ دھوپ کی شعاعیں نظر نہیں آتیں۔ دھوپ سے جو کام لئے جاتے ہیں وہ کام ابھی شروع نہیں ہوئے، آپ نے سوکھنے کے لئے کپڑے نہیں ڈالے۔ کیوں....؟ سورج نکل آیا ہے لیکن سورج کے جو اوصاف اور سورج کی جو خاصیتیں ہیں اس کا ظہور ابھی نہیں ہوا۔ گیارہ بجے اگر بدلی ہٹ گئی اور سورج کی شعاعیں نکل آئیں تو کہا جائے گا کہ سورج تو سات بجے نکلا تھا مگر سورج نے اپنا کام ۱۱ بجے شروع کیا۔ سرکار دو عالم ﷺ دنیا میں تشریف لے آئے۔ لیکن آج ۴۰ سال کے بعد منصب نبوت پر فائز کیا جا رہا ہے.....

مولانا جلال الدین رومی لکھتے ہیں کہ یہ آپ کی دوسری ولادت ہے۔ کیونکہ اب دنیا کے اندر پیغام توحید کے ذریعہ سے روشنی پھیلائی جائے گی۔ کفر اور شرک کو مٹایا جائے گا۔ آج سے وہ مقصد شروع ہو رہا ہے۔ جس کے لئے آپ تشریف لے کر آئے۔ فرمایا کہ

زادہ ثانیست احمد در جہاں
صد قیامت بود او اندر عیاں

یہ آپ کی دوسری ولادت ہے۔ تو میں نے عرض کیا کہ پہلی ولادت کا بھی ذکر ہو۔ اور دوسری ولادت کا بھی، بلکہ علماء نے تو یہ لکھا ہے کہ آپ کی تیسری ولادت بھی ہے اور وہ تیسری ولادت ہمیں اور آپ کو ذرا غور سے سننا

ہا ہے۔

تیسری ولادت

مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے لکھا ہے کہ جب حضور ﷺ دنیا سے تشریف لے جا رہے ہیں۔ آپ پردہ فرما رہے ہیں دنیا سے، تو آپ نے فرمایا کہ جس مقصد کے لئے آج تک نبی اور پیغمبر آتے تھے اس کام کے لئے میرے بعد اب کوئی نبی اور پیغمبر نہیں آئے گا۔ سلسلہ نبوت مجھ پر ختم ہوا۔ تو سجاح عورت تھی جس نے اس لئے کہا کہ جیسے عورت نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ کسی نے کہا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔ "لانبی بعدی" وہ کہنے لگی بالکل ٹھیک فرمایا۔ یہ تو کہا ہے کہ میرے بعد نبی نہیں آئے گا یہ تو نہیں کہا کہ نبیہ بھی نہیں آئے گی۔ اس لئے میں نے عرض کیا کہ نبی آئے گا اور نہ نبیہ آئے گی۔ آپ کے بعد سلسلہ نبوت ختم ہوا اور وہ خصوصیتیں جو نبی اور پیغمبر کے ساتھ ہیں۔ ان خصوصیتوں کو بھی کسی کو استعمال کرنے کا حق حاصل نہیں۔

آج ہی ظفر علی شاہ نے مجھے یاد دلایا کہ کل عصر کی بات ہے۔ ایک شخص آیا اور آکے مجھ سے کہنے لگا کہ مولانا صاحب میں آپ سے تخلیہ میں، تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا کہ بھئی میرے پاس دوست احباب بیٹھے ہیں۔ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں کسی کو اٹھاؤں، میرے پاس وقت تنہائی کا نہیں ہے۔ مگر وہ پھر بھی بیٹھا رہا اور مولوی بے چارے کی مشکل یہ ہے کہ یہ اصل میں جنوں کا عادی ہوتا ہے اس لئے اس بے چارے کو یہ خیال ہے کہ یہ اصل میں کتنا ہو کے عارض ہو کے جائے گا۔ تو میں اسے الگ لے کر بیٹھ گیا۔ کہ بتائیے کیا فرمانا چاہتے ہیں۔ فرمایا کہ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ میں اگر اپنے نام کے ساتھ علیہ الصلوۃ والسلام لکھوں، مجھے بڑا غصہ آیا اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کو دیکھئے وہ سرکار دو عالم ﷺ کی عزت اور ناموس پر حملہ کرتا ہے۔ تو مجھے بہت غصہ آیا میں نے کہا کہ آپ اپنے نام کے ساتھ نہیں لکھ سکتے تو کہنے لگا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضور ﷺ نے مجھ سے کہا کہ تم اپنے نام کے ساتھ لکھو میں نے کہا کہ یہ مسئلہ

بالکل الگ ہے کہ آپ نے کیا خواب دیکھا اور کیا کہا اور آپ کیا مطلب سمجھ رہ
چھوڑ دیجئے۔ آپ کو نہ لکھنا چاہئے۔

خواب اور تعبیر

تو میں نے ان کو بتایا کہ ایک مرتبہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب اسیر
مالٹا سے ایک طالب علم پڑھنے کے لئے آیا ۔ اس کا امتحان لیا۔ امتحان لینے کے
بعد یہ کہا کہ ہمارے یہاں ابتدائی گرامر کی کتاب ہے کافیہ ' تم کو یہ پڑھنا ہو گی۔
تمہاری لیاقت اتنی ہے اس نے کہا کہ صاحب میں تو اگلے سال کی کتاب پڑھنا چاہتا
ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں ' اگلے دن آیا اور آ کے کہنے لگا کہ میں نے خواب میں
دیکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ تم اگلی کتاب پڑھو۔ حضرت شیخ الہند نے
جواب دیا ' فرمایا کہ وہ جو خواب تم نے دیکھا ہے وہ ہم حضور سے خود عرض کر لیں
گے ' لیکن کتاب تمہیں یہی پڑھنی ہو گی...... تو میں نے ان سے کہا کہ اول آپ کیا
اور آپ کا خواب کیا' لوگوں کو بڑی غلط فہمی ہے۔ ہمارا خواب یہ ہے ہم رات جاگتے
کچھ لوگ جب اصل میں زیادہ پیٹ بھر کے کھا لیتے ہیں تو اب جو خیالات اٹھتے ہیں
اس غذا کی وجہ سے اور وہ دماغ پر چڑھتے ہیں۔ اس کی وجہ سے جو کچھ ہمیں نظر آتا
ہے ' ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بہت بڑا سچا خواب ہے اور قرآن کریم کہتا ہے کہ یہ اضغاث
واحلام ہیں۔ ایک بڑی کام کی بات اس میں یاد رکھئے۔

آنحضرت کو خواب میں دیکھنے کا حکم

علماء نے لکھا ہے کہ اگر کبھی تم دیکھو کہ آنحضرت ﷺ خواب میں ایسا حکم
دے رہے ہیں جو قرآن اور سنت کے خلاف ہے تو یہ طے شدہ بات ہے کہ اگر
حضور ﷺ کو دیکھا ہے تو حضور ﷺ ہی ہوں گے۔ ابلیس اور شیطان کو یہ اختیار
نہیں دیا ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی شبیہ اختیار کرے۔ حضور ہی ہیں مگر یہ کہ جو
خواب تم نے دیکھا ' قرآن و سنت کے خلاف اس کی وہ تاویلیں ہونی چاہئے۔ ایک
تو یہ کہ تم پورا خواب بھول گئے۔ تمہیں یاد نہیں رہا کہ حضور ﷺ نے کیا فرمایا تھا۔

اور تمہیں غلط یاد رہے۔ اگر تم نے یہ دیکھا کہ حضور فرما رہے ہیں اشربوا الخمر تو شراب پی لے تو علماء نے کہا ہے کہ آپ یہ سمجھو کہ آپ بھول گئے حضور نے یہ فرمایا ہوگا۔ لا تشرب الخمر شراب مت پی‘ تجھے اشرب الخمر یاد رہ گیا۔ اور دوسری تاویل یہ ہے کہ اگر یہی ہے جو خواب تم نے دیکھا ہے مگر اس کی تعبیر‘ جا کے تعبیر والوں سے پوچھ‘ وہ تمہیں بتائیں گے کہ خواب کی کیا تعبیر ہے۔ خود تمہیں تعبیر نکالنے کا حق حاصل نہیں۔

کبھی کبھی تعبیر الٹی ہوتی ہے۔ کسی شخص نے امام ابن سیرین سے جا کے یہ کہا کہ حضور میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ بادشاہ اور سلاطین میرے گھر میں آ رہے ہیں تو وہ یہ سمجھا کہ یہ بادشاہ اور سلاطین آ گئے۔ لوگ تو بڑی تمنائیں اور آرزوئیں کرتے ہیں کہ میرا مقدر جاگ گیا ہے۔ کہ بادشاہ اور سلاطین میرے گھر آ رہے ہیں تو وہ یہ سمجھا کہ یہ بادشاہ اور سلاطین میرے گھر آ رہے ہیں۔ بہت خوش ہوا

امام ابن سیرین نے کہا کہ جلدی جا‘ جا کر اپنا گھر سامان سے خالی کر دے کہ تیرے مکان کی چھت گرنے والی ہے۔ یہ پریشان ہو کے گیا‘ جا کے مکان خالی کیا‘ تھوڑی دیر میں چھت گر گئی مکان کی‘ لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ کیسے ہے۔ فرمایا کہ جب اس نے خواب بیان کیا تو قرآن کریم کی یہ آیت میری زبان پر آ گئی۔

إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا

تحقیق بادشاہ اور سلاطین جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تہس نہس کرتے ہیں آپ نے دیکھا خواب کیا دیکھا‘ تعبیر کیا ہوئی......؟

تو میں نے ان سے کہا کہ جناب یہ تو ہم حضور ﷺ سے عرض کر لیں گے‘ لیکن آپ کو علیہ الصلوٰۃ لکھنا جائز نہیں۔ سوچ میں پڑ گیا‘ کہنے لگا مولانا صاحب معنی تو اس کے بہت اچھے ہیں۔ میں نے کہا کہ معنی تو بہت اچھے ہیں...... مگر اس سے اچھے معنی میں آپ کو بتاؤں‘ آپ اپنے نام کے ساتھ جل جلالہ و عم نوالہ یہ بھی تو معنی بہت اچھے ہیں۔ جل جلالہ کے معنی یہ ہیں کہ بڑی ہے شان اس کی عام ہیں۔ احسانات اس کے‘ یہ کون سے برے معنی ہیں۔ لیکن جناب آپ اپنے نام کے

ساتھ لگائیے۔ لوگوں کو معلوم تو ہو کہ جل جلال تشریف لے جا رہے ہیں۔ نبی اور پیغمبر آپ کو ایسا ہی مل گیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور اکرم ﷺ دنیا سے تشریف لے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ نبوت مجھ پر ختم ہو گئی۔ جن کاموں کے لئے نبی آیا کرتے تھے۔ آئندہ نبی نہیں آئیں گے۔ اور وہ کام میری امت کے ہر فرد سے لیا جائے گا۔ جو اس سے پہلے پیغمبروں سے لیا جاتا تھا۔

میرے دوستو! حضور ﷺ کی بدولت یہ سعادت ہمیں اور آپ کو ایسی نصیب ہوئی کہ اس سعادت کو جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دل ہمارا رقص کرتا ہے۔ فرمایا کہ یہ بعثت آپ کی بعثت عمومی ہے۔ یعنی بعثت کا جو مقصد پیغمبر لے کر آتے تھے وہ عامۃ المسلمین اور عام امت پر تقسیم کر دی۔ تو خیر میں نے عرض کیا کہ دو ولادتیں ہیں یا تھیں..... دونوں کے بارے میں عرض کروں گا۔

مقدس نبی مقدس زمین پر

پہلی بات اور پہلی ولادت کے بارے میں یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کو اس سرزمین پر اللہ نے بھیجا کہ جس سرزمین سے زیادہ مقدس زمین کا کوئی خطہ موجود نہیں ہے وہ مکہ مکرمہ ہے۔ زمین کی ناف ہے "ام القریٰ ہے" ساری بستیوں کی جڑ ہے۔ ہمارے عقیدے کے مطابق ساری دنیا کی زمین اور آبادی جو ہے مکہ سے پھیل کر آباد ہوئی ہے۔ وہ اس کی ابتداء ہے۔

عربی جاننے والے حضرات کو معلوم ہو گا "کعبہ ..... کعب سے" کعب اس کے معنی آتے ہیں ابھرنے کے اور عربی میں ہے کعبین "ٹخنہ" کو کہتے ہیں وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ کعب کے معنی ہیں ٹخنہ..... کیونکہ وہ ابھری ہوئی ہڈی ہے اور کواعب کہتے ہیں۔ ان نوجوان لڑکیوں کو جن کی جوانی کا زمانہ جسم کے ابھار سے ظاہر ہو اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا......

تو کعبہ کہتے ہیں اس جگہ کو کہ جہاں پر پانی ہی پانی تھا۔ بلبلہ اٹھتا تھا۔ جیسے ٹخنے کی ہڈی اٹھتی ہے۔ بلبلہ ٹوٹ جاتا تھا۔ وہ جگہ سخت ہو گئی۔ اس نے زمین کی شکل اختیار کر لی۔ اور زمین بھی ابھری ہوئی زمین کی شکل اختیار کی۔ اس ابھری

ہوئی جگہ پہ اللہ کا پہلا گھر بیت اللہ ہے۔ تو سرکار دو عالم ﷺ کو اسی سرزمین پہ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ جو مقصود کائنات اور خلاصہ کائنات کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہے۔ اور سیاسی طور پہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے لکھا ہے۔ فرمایا کہ اگر ساری دنیا کی آبادی میں کوئی اپنا پیغام پہنچانا چاہے اور ساری دنیا کے لئے مرکزی مقام کی تلاش ہے تو آپ جغرافیہ لے کر بیٹھ جایئے۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ دنیا کے تمام براعظموں کے اندر اور انسانی آبادی میں اگر کسی مرکزی جگہ پہ بیٹھ کر پیغام پہنچانا چاہتے ہیں تو وہ مرکزی مقام وہ ہے جہاں پہ سرکار دو عالم ﷺ پیدا ہوئے۔ فرمایا کہ

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ

سارے عالم کا مرکز پھر اس خاندان میں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا جو روئے زمین پہ سب سے زیادہ عظمت والا خاندان ہے عظمت، منصب سے نہیں قائم ہوتی۔ دولت سے نہیں قائم ہوتی۔ بڑے بڑے قد و قامت سے نہیں ہوتی۔..... کیوں؟

عظمت کیا ہے؟

جب مسلمانوں نے ہجرت کی ہے اور ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تو کفار قریش ان کے پیچھے گئے۔ شاہ نجاشی سے کہا کہ کچھ لوگ بھاگ کے آئے ہیں۔ انہیں باہر نکال دیجئے۔ نجاشی نے کہا کہ میں ان سے ملاقات کروں گا۔ دیکھوں گا، بات کروں گا، اگر کوئی بات ایسی ہوئی تو نکال دوں گا۔ ان مسلمانوں میں حضرت جعفر بھی تھے۔ مسلمانوں کے وفد سے باتیں کیں۔ کفار قریش نے کہا کہ ذرا آپ دیکھئے ان کے قد چھوٹے چھوٹے ہیں۔ ان کی (personality) اور شخصیت دیکھئے، کیسی ہے، کچھ زیادہ وجیہ نہیں اور بڑا اعتراض کیا کہ یہ دیکھئے، دیکھنے میں یہ معلوم ہوتے ہیں، قد و قامت بڑا نہیں ہے۔ رنگ و روپ کچھ زیادہ اچھا نہیں ہے۔ دبلے پتلے ہیں۔

تو حضرت جعفر کھڑے ہو گئے، سبحان اللہ...... اور کھڑے ہو کے کہا کہ

اے شاہ نجاشی میں آپ کو ایک بات بتا دینا چاہتا ہوں۔ انسان بڑے بڑے قد و قامت کا نام نہیں ہے۔ رنگ و روپ کا نام انسان نہیں ہے۔ الانسان هو القلب و اللسان انسان دو چھوٹی چھوٹی چیزوں کا نام ہے۔ زبان اور دل' اگر کسی کی زبان اچھی ہے' کسی کا دل اچھا ہے۔ تو بہترین انسان ہے۔ چھوٹے اور بڑے کا سوال نہیں.....

اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو ایسے خاندان میں بھیجا کہ جو خاندان روئے زمین پہ انسانوں میں سب سے افضل خاندان ہے۔ اگرچہ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ جس خاندان کو جس جگہ کو' جس قوم کو' جس چیز کو' حضور اکرم ﷺ سے نسبت حاصل ہو گی وہی چیز دنیا میں سب سے افضل ہو گی.... کیوں.....؟ اس لئے کہ حضور ﷺ کو اللہ نے وہ فضیلت اور عظمت کا درجہ عطا فرمایا ہے کہ آپ کی نسبت کسی نے آپ ؐ کی تعریف کی ہے۔ فرمایا کہ

شاباش آں صدف کہ چناں پرورد گہر

صدف کہتے ہیں جس میں موتی پرورش پاتا ہے۔

شاباش آں صدف کہ چناں پرورد گہر
آباؤ ازو مکرم و ابناء عزیز تر

بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی وجہ سے اولاد کو فضیلت ملتی ہے۔ ماں باپ کو نہیں ملتی۔ مگر فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی ایسی ہے آپ کی نسبت سے جو بعد میں آنے والی اولاد ہے۔ وہ بھی فضیلت والی ہو گی۔ اور آپ کے اجداد بھی آپ کی نسبت سے وہ بھی افضل ہو گئے فرمایا کہ

لا یمکن الثناء کما کان حقہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اللہ کے بعد ساری نسبتیں حضور ﷺ پہ ختم ہیں۔ جو انسانوں کی نسل امت ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ کی اس ساری امتوں میں قوموں میں افضل ہو گی۔

ہمیں اور آپ کو خوش ہونا چاہئے۔

حضورؐ کی بدولت ہمیں اور آپ کو یہ لقب ملا۔ قیامت کو آپؐ کی بدولت ہمیں اور آپ کو سعادت اور سرداری ملے گی۔ کیونکہ آپ کی امت کا لقب ہو گا۔ قیامت میں حمادون

جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی امت سب سے زیادہ اللہ کی حمد بیان کرنے والی ہو گی۔ اور سب سے زیادہ تعریف کرنے والی ہو گی اور حمد بھی بہت بڑی عبادت ہے۔ اس امت کا لقب آخر میں حمادون ہو گا۔

تری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی

تو آپ نے دیکھا وہ جگہ افضل ہو گئی جس کو نسبت حضور ﷺ حاصل ہو گئی وہ قوم افضل ہو گئی جو آپ کی امت بن گئی۔ وہ خاندان افضل ہو گیا جس میں حضور ﷺ تشریف لائے۔ اور میں کہتا ہوں کہ جو کمالات حضور اکرم ﷺ سے نسبت رکھتے ہیں وہ کمالات افضل ہو گئے۔

یہ میں نہیں کہتا کہ ان کمالات کی وجہ سے حضور ﷺ افضل ہو گئے۔ نہیں حضور ﷺ کی وجہ سے وہ کمالات افضل ہو گئے۔ کیا فرق ہے۔ آپ سے اگر پوچھا جائے کہ حسن کسے کہتے ہیں۔ اول تو یہ ایک ایسا موضوع ہے کہ دنیا میں علماء لکھتے ہیں کہ آج تک حسن کی تعریف نہیں کی جا سکی۔ اور ہو بھی نہیں سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر آپ افریقہ میں جائیے تو یہ آپ کا جو رنگ ہے یا سفید قوموں کا جو رنگ ہے وہ انہیں پسند نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ رنگ اتنا کالا کہ وہ چمکنے لگے۔ وہ سب سے زیادہ حسین ہے۔ بال ان کے یہاں سخت ہونے چاہئیں۔ جس کو گھنگریالے بال کہتے ہیں۔ دانت سفید ہونے چاہئیں۔ یہ خوبصورتی کا معیار ہے۔ لیکن آپ کے یہاں خوبصورتی کا دوسرا معیار ہے۔ یورپ میں جائیے تو کہیں گے کہ اس کی نیلی آنکھیں ہونی چاہئیں۔ وہ سب سے زیادہ حسن کا معیار ہے۔ بال سنہرے ہونے چاہئیں۔ یہ سب سے زیادہ حسن کا معیار ہے۔ آپ کوئی نہ کوئی تعریف حسن کی کریں۔ مگر میں یہ کہتا ہوں کہ حسن کی تعریف یہ ہے کہ جس حسن کو جگہ مل گئی

عالم ﷺ سراپا بہار بن کر تشریف لائے۔

ربیع فی ربیع فی ربیع
ونور فوق نور فوق نور

جب آپ دنیا میں تشریف لائے۔ تشریف لانے کے وقت بھی جو بڑے بڑے معجزات اور خرقِ عادت امور کا ظہور ہوا۔

اسلام اخلاقِ نبوی سے پھیلا

حضور اکرم ﷺ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو تشریف لائے۔ آپؐ کے سر پر باپ کا سایہ نہیں تھا۔ حالت یتیمی میں آپ تشریف لائے۔ اور حیرت کی بات ہے یورپ والے اسلام پر اور پیغمبر اسلام پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ طاقت کے ذریعہ سے اور شمشیر کے ذریعہ سے دنیا میں اسلام کو پھیلا دیا۔ ارے اللہ کے بندو کچھ تو انصاف کرو۔ سرکارِ دو عالم ﷺ اتنی بے بسی اور بے کسی کی حالت میں تشریف لائے ہیں کہ آپؐ کے سر پر تو باپ کا سایہ بھی نہیں ہے۔ جب آپ دنیا میں پیدا ہوئے آپ حالت یتیمی میں آئے۔ اور جتنی قوت اور طاقت اسلام کو حاصل ہوئی۔ نیکی سے ہوئی' اخلاق سے ہوئی' عبادت اور ریاضت سے ہوئی۔ شمشیر ہاتھ میں بھی نہیں تھی۔ سوچو کہ آخر وہ طاقت کہاں سے آئی۔ کہ شمشیر ہاتھ میں آنے' ابھی تو شمشیر ہاتھ میں نہیں تھی اور اگرچہ ہاتھ میں آبھی جائے تو آپ کیا سمجھتے ہیں کہ طاقتوں کے ذریعہ سے دنیا میں کہیں حق غالب آتا ہے۔ کہیں عقیدے بدلتے ہیں۔ کہیں دل و دماغ بدلتا ہے۔

آپ نے نہیں دیکھا کہ ایک زمانہ تھا کہ ترکی کے اندر قانون کے ذریعہ سے اذان کو نکال دیا' اسلام کو انہوں نے ملک سے نکال دیا۔ مسجدوں میں تالے لگ گئے۔ اور ۳۰ سال کا طویل زمانہ گزر گیا۔ لوگ اس غلط فہمی میں تھے کہ ۳۰ سال ہم نے اسلام کا گلا گھونٹ دیا۔ اب ختم ہو گیا ہو گا۔ مگر میرے دوستو! ہمیشہ یاد رکھئے کہ بعض اوقات غلط طریقے سے کسی چیز کے دبانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب آپ ہاتھ اٹھاتے ہیں تو وہ چیز پہلے سے ایک دم اچھل کے پہلی جگہ سے زیادہ اونچی ہو

جاتی ہے۔ آپ نے دیکھ لیا ۷۰ سال کے بعد پھر اس ترکی کے اندر ایسا انقلاب آیا
کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ غلط سمجھ رہے تھے کہ اسلام اس ملک سے نکل گیا۔
اذان عربی واپس آگئی۔ مسجدیں وہاں کی آباد ہو گئیں۔ اور آج آپ نے دیکھا کہ
سب سے زیادہ تعداد حج کرنے والوں میں جو ہے ترکی کے مسلمانوں کی ہے۔ کبھی یہ
نہیں ہو سکتا کہ دبانے سے دب جائے۔ بلکہ یہ جو دباؤ سے ایک آدمی غلط سمت میں
چلا ہو جاتا ہے۔

ناجائز دباؤ کا نتیجہ

حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بخاری کا درس دے رہے تھے۔
اور اس میں فرمایا کہ ایک شخص کے پاس ایک گھوڑا تھا۔ اس میں یہ خرابی تھی کہ
وہ دو ایک فرلانگ جا کر لید کرتا اور اس کو وہ مڑ کے سونگھتا تھا۔ سونگھنے کے بعد چلتا
تھا۔ لمبی مسافت اور لمبا سفر طے کرنا مشکل تھا۔

ایک مرتبہ اس نے اپنے کسی ساتھی سے کہا کہ بھائی میں ذرا لمبے سفر میں
جانا چاہتا ہوں۔ گھوڑے میں یہ خرابی ہے، تم اپنا گھوڑا میرے پیچھے لگاؤ اور ہنٹر ہاتھ
میں لو اور جب یہ لید کر کے مڑنے کی کوشش کرے تو زور سے ایک لگاؤ۔ اس نے
کہا بہت اچھا۔ ان کے پیچھے ایک ہنٹر والا آ رہا ہے۔ جب یہ مڑنے کی کوشش کرے
وہ ایک ہنٹر مارتا ہے۔ گھوڑا آگے آگے ہے۔ اب بڑے خوش ہیں۔ ایک جگہ لید
کی، دوسری جگہ لید کی، تیسری جگہ لید کی، اب سیدھا سیدھا چل رہا ہے۔ وہ جو
ہے پیچھے ہنٹر ہے۔ منزل قریب آگئی۔ جب منزل قریب آگئی تو پیچھے والے نے کہا کہ
بھئی اب تو تمہارا ابھی گھر آگیا۔ مجھے دوسرے راستے پر جانا ہے۔ اس نے کہا بہت
اچھا بھائی بہت بہت شکریہ۔ تم نے ہنٹر کے ذریعے سے یہاں تک پہنچا دیا۔ شاہ
صاحب نے فرمایا کہ اب گھوڑے نے پھر لید کی اور اپنی عادت کے مطابق مڑنے کی
کوشش کی، دیکھا تو ہنٹر پیچھے نہیں ہے۔ تو اس نے سوچا کہ جب ہنٹر گیا ہے تو میں
بے وقوف ہوں کہ جو میں یہ لید سونگھوں، وہ کیوں نہ سونگھوں۔ جو سب سے پہلے

ہے ایک دم دوڑتا چلا گیا، دوڑتا چلا گیا اور وہیں پر پہنچ گیا۔ جہاں چلا تھا پہلی لیـ سو ٹکلی، اس نے کہا کہ ساری مسافت اور ساری کوشش اور محنت اکارت گئی۔

جو لوگ اسلام کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں جو لوگ اسلام اور مسلمانوں کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں وہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ اگر تم دباؤ گے۔ اور جب یہ دباؤ ہٹ جائے گا تو اسلام پہلے سے زیادہ ترقی یافتہ ہوگا۔

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ میں تلوار کہاں سے آئی۔ اور تلوار کے ذریعے سے کہیں دل و دماغ بدلتے ہیں۔ کہیں حق کی تبلیغ ہوتی ہے۔ اکبر الٰہ آبادی مرحوم نے بہت اچھی بات کی۔

یہ جو کہتے ہیں کہ تلوار سے پھیلا اسلام
یہ بھی فرمائیں کہ پھر توپ سے کیا پھیلا؟

ہمارے پاس تو تلوار ہی تلوار تھی۔ مگر آپ کے پاس تو ماشاء اللہ توپ تھی۔ اگر تلوار سے سارے عالم میں اسلام پھیل سکتا ہے تو پھر آپ کی (Christianity) اور عیسائیت جو ہے یہ کیوں افریقہ میں دم توڑ رہی ہے۔ اپنی توپ کے ذریعے سے کیوں نہ پھیلا دیا تم نے....؟

معلوم ہوا کبھی ایسا نہیں۔ آپ حالت یتیمی میں تشریف لاتے ہیں اور ولادت بھی، رحم نہیں کہوں گا۔ ولادت کے سارے آداب پورے کئے ہیں۔ آپ کے دادا خواجہ عبدالمطلب نے، وہ آداب کیا ہیں؟ نام رکھنا، عقیقہ کرنا، عقیقہ کی دعوت میں خاندان کو بلانا، یہ اسلام میں بھی سنت ہے۔ اور یہی طریقہ اسلام نے اپنایا ہے۔ ساتویں دن سے پہلے پہلے نام رکھنا سنت ہے اسلام کے اندر ....کیوں....؟ اس لئے کہ ساتویں دن عقیقہ ہے۔ اور عقیقہ میں اس بچے کا یا بچی کا نام لیا جائے گا کہ اس کی ہڈی کے بدلے میں ہڈی، اس کے گوشت کے بدلے میں گوشت اس کے بالوں کے بدلے میں بال، اگر آپ نے سات دن تک اس کا نام نہیں رکھا تو ساتویں دن عقیقہ میں کیا نام لو گے۔؟

انگلینڈ کے اندر قانون یہ ہے کہ اگر آپ کے یہاں بچہ پیدا ہوا تو آپ سات دن کے اندر اس بچہ کا نام رجسٹرڈ کرائیں۔ ایک صاحب نے رجسٹرڈ نہیں کرایا۔ ان کے یہاں محکمہ کے لوگ پہنچ گئے۔ اور کہا کہ صاحب آپ کے یہاں بچہ کی پیدائش ہوئی' سات دن سے زیادہ ہو گئے تعجب ہے آپ نے نام رجسٹرڈ نہیں کرایا۔ اس نے کہا ابھی ہم نے رکھا ہی نہیں نام ......! تو اس نے یہ کہا کہ ہمیں تعجب ہے کہ ابھی نام نہیں رکھا۔ ہم نے تو آپ کے مذہب ہی سے یہ طریقہ لیا ہے کہ سات دن کے اندر اندر نام رکھنا چاہیئے۔ اس لئے کہ ساتویں دن آپ کے یہاں عقیقہ ہوتا ہے۔ تو سات دن کے اندر اندر نام رکھنا چاہیئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے مذہب کی بھی خبر نہیں.....؟

در حقیقت یہی ہے ہم اس گھٹے ہوئے رئیس کی طرح ہیں کہ جس کا سارا سامان چوری ہو گیا اور جب تھانے دار نے یہ کہا کہ صاحب وہ سامان آپ کا مل گیا ہے۔ ذرا پہچان لیجئے تو کہنے لگا کہ ہم پہچان نہیں سکتے کہ یہ ہمارا ہی ہے۔ اپنی چیز بھی نہیں پہچان سکتے۔

آج یہی اسلام کی تعلیمات ہیں ہمیں یہ نہیں معلوم کہ یہ اسلام کی ہے۔ ایک انگریز مراد آباد میں مسلمان ہو گیا۔ نماز کو آتا تھا' اس نے دیکھا کہ نالی بند ہے بہت خراب ہو رہی ہے۔ صفائی نہیں ہے۔ اس نے سوچا کہ سب کے سامنے کروں گا تو لوگ شاید مجھے منع کریں گے۔ گیارہ بارہ بجے دوپہر آیا اور برش لے کے نالی کو خوب رگڑ رگڑ کے صاف کیا۔ ایک مسلمان صاحب تشریف لے آئے۔ دیکھ کے فرمانے لگے کہ یہ انگریز مسلمان تو ہو گیا ہے مگر انگریزیت اس کے دماغ سے نہیں نکلی..... یہ اسلام کی تعلیمات کو پاتا نہیں۔ یہ بھی انگریزیت ہے۔ کہ صفائی اختیار کرے۔ امت خود اپنے گھر کی خبر نہیں۔ کس قدر افسوس ناک بات ہے.....؟

سرکار دو عالم ﷺ کا نام مبارک

عبدالمطلب نے نام رکھا سرکار دو عالم ﷺ کا' نام وہ رکھا' نہ سنا' نہ دیکھا نہ دماغوں میں کبھی آیا' ساتویں دن عقیقہ ہوا۔ سرکار دو عالم ﷺ کا' خاندان کے

لوگ جمع ہوئے پوچھا کہ صاحبزادے کا نام کیا رکھا ہے......؟ فرمایا محمد ﷺ ۔ یہ نام کہاں سے آیا' یہ تو آباؤ اجداد میں بھی کسی نے نہیں رکھا گیا۔ یہ تو ہم نے کبھی سنا نہیں۔ جواب یہ دیا کہ یہ الہامی نام ہے۔ یہ خواب میں دیکھا گیا تھا۔ کہ حضور اکرم ﷺ کی پیدائش سے پہلے یہ دیکھا کہ ایک بچہ خاندان قریش میں پیدا ہوا ہے' یا انہوں نے یہ دیکھا کہ میری پشت سے ایک زنجیر نکلی ہے اور زنجیر کا ایک سرا عرش پر ہے۔ ایک سرا زمین پر ہے۔ ایک سرا مشرق میں ہے ایک سرا مغرب میں ہے۔ ایک جنوب میں ہے ایک شمال میں اور یہ دیکھا کہ اس نے ایک درخت کی شکل اختیار کر لی ہے۔ درخت کے ہر ہر پتے پر ایسی روشنی جیسے آفتاب کی روشنی...... خواب کی تعبیر یہ دی گئی کہ آپ کے خاندان میں ایک ایسے فرزند پیدا ہونے والے ہیں کہ جن کا ذکر عرش پر بھی ہوگا۔ فرش پر بھی ہوگا۔ مشرق میں بھی ہوگا۔ مغرب میں بھی ہوگا...... اور ان کے اوصاف ساری کائنات میں ہوں گے۔

اور فرمایا کہ اس کے لئے سب سے زیادہ موزوں نام محمد ہے۔ محمد کے معنی یہ ہیں کہ جس میں ہر پہلو حمد کا اور تعریف کا ہے۔ حضور ﷺ کا یہ نام خواجہ عبدالمطلب نے رکھا۔ بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ والدہ نے آپ کا نام احمد ﷺ رکھا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ عرش پر آپ کا نام احمد ہے' فرش پر آپ کا نام محمد ہے۔ (ﷺ) یعنی یہ دونوں حضور ﷺ کے نام ہیں۔

اب سب سے بڑا سوال آپ کی رضاعت کا ہے۔ دودھ پینے کا' آپ کی والدہ آمنہ نے سب سے پہلے آپ کو دودھ پلایا' پھر دوسری خاتون ہیں۔ ثویبہ انہوں نے دودھ پلایا۔ پھر تیسری خاتون ہیں حلیمہ سعدیہ...... دوسری خاتون ثویبہ جو ہیں یہ ابولہب کی باندی اور کنیز ہے۔ ابولہب کا نام عبدالعزیٰ ہے یہ چچا ہیں سرکار دو عالم ﷺ کے سگے ہوتے ہو کر اس نے حضور ﷺ کی مخالفت کی۔ ثویبہ نے آکر بشارت دی کہ آپ کے خاندان میں ایک فرزند پیدا ہوا ہے جس کا نام محمد ہے۔ تو ابولہب نے انگلی کے اشارے سے اسے آزاد کر دیا۔ قریش کے اندر تو حضور ﷺ کی ولادت کی خبر لائی ہے۔ اور آزاد غالباً اس لئے ہوئی ہے کہ اب یہ حضور اکرم ﷺ کو دودھ پلائے گی۔ شاید اللہ کو یہ گوارا نہ تھا کہ ایسی خاتون آپ کو دودھ پلائے کہ جو

آزاد نہ ہو اور کنیز اور باندی ہو۔ اس کی آزادی کا انتظام ہوا۔ اور حضور اکرم ﷺ کو دودھ پلا سکے۔

پھر تیسری خاتون حلیمہ سعدیہ ' خاندان بنو سعد کی خاتون ہیں۔ اور بڑی نیک خاتون ' حضور اکرم ﷺ کو تقریباً پورے دو سال تک دودھ پلایا۔ ان کا بیان یہ ہے کہ میں نے پورے دو سال کی مدت میں حضور اکرم ﷺ کے جسم مبارک کو عریانی کی حالت میں نہیں دیکھا۔ اور اگر کبھی آپ کے جسم سے کپڑا ہٹ گیا ہے تو فرشتوں نے کپڑا ڈال دیا ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ کی طفولیت کا زمانہ '

آپ کی ولادت کا زمانہ کس طریقہ پر گزرا۔ آپ دنیا میں تشریف لائے۔ بچپن آپ کا گزرا اور اس کے بعد وقت آگیا کہ سرکار دو عالم ﷺ کو اللہ نے نبوت کا تاج اور رسالت کا تاج عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو سرفراز فرمایا۔

اب وہ وقت آگیا ہے کہ وہ سورج کی شعاعوں نے کام کرنا شروع کیا۔ حضور اکرم ﷺ دنیا میں وحی کے ذریعے سے سارے عالم میں اور انسانوں کے اندر اپنے رحمت کا ثبوت آپ کے ذریعے سے ہونے والا ہے۔

میں جو بات دوسری تقریر میں عرض کروں گا اس کی تمہید سن لیجئے۔ جب آپ دنیا میں تشریف لائے تین مذہب ہیں۔ ہونے تھے چار ' کہئے کہ اہل کتاب تین ہونے چاہئیں۔ توریت کے ماننے والے ' زبور کو ماننے والے ' انجیل کو ماننے والے ' مگر اہل کتاب میں سے صرف دو تھے۔ تیسرے کا وجود نہ تھا۔ زبور کو ماننے والا نہ اس وقت کوئی تھا اور نہ آج ہے۔ اور اگر ہوتا تو وہ بھی اہل کتاب ہوتے۔ یہود ہیں ' نصاریٰ ہیں اور تیسرا مذہب ہے مشرکین کا ' بت پرست مشرک ہیں چوتھا کوئی مذہب نہیں تھا۔ اسلام دنیا میں آیا تو ان تینوں مذاہب سے مقابلہ تھا اسلام کا ' جیسے کہتے ہیں چوکھی مقابلہ ہے۔ چاروں طرف سے مقابلہ ہے۔ یہود کی طرف سے ' نصرانیوں کی طرف سے ' مشرکوں کی طرف سے..... اور تینوں کے تینوں

اسلام کی دشمنی اور اسلام کی مخالفت میں ایک تھے۔ اور آپ دیکھتے ہوں گے ۔ آج تک وہی منظر چلا آرہا ہے۔ مسلمان ایک ہوں ' یہ بات صرف افسوں ہی کی تھیں ...... علامہ اقبال نے کہا۔

دیکھ مسجد میں شکستِ رشتۂ تسبیحِ شیخ
اور بت کدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ

اس سے سبق حاصل کرے۔ انسوں نے اپنے شیر کے ڈورے کو کتنا مضبوط کیا۔ اس سے سبق لینا چاہئے۔ اس قرآن کریم میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جب قیامت آئے گی۔ نفسا نفسی کا عالم ہو گا۔ تو اس وقت کیا کیفیت ہو گی۔ ان کیفیتوں میں سے ایک کیفیت انسانوں کی یہ بھی ہو گی۔ فرمایا

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ○ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ○ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ○ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ○ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ○

و اذا الوحوش ترجمہ آپ کر لیجئے ' وحوش جمع ہے وحش کی' اور حشرت کا ترجمہ ہے ایک جگہ جمع کر دیئے جائیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وحشی جانور ایک دوسرے سے بیزار ' ایک دوسرے سے نفرت ' ایک دوسرے سے خوف زدہ ' یعنی ایک جانور دوسرے جانور سے ڈرتا ہے۔ کہ یہ کہیں کھا نہ لے ' یہ کہیں مجھے مار نہ دے ' سانپ انسان سے ڈرتا ہے۔ انسان سانپ سے ڈرتا ہے۔ اور یہ سمجھ کر سانپ کو مارتا ہے کہ اگر اسے چھوڑ دیا تو یا یہ مجھے کاٹے گا یا اور میرے کسی بھائی کو کاٹے گا۔ سانپ یہ سمجھ کے کاٹتا ہے کہ اگر میں نے اس کو نہ کاٹا تو حملہ کر کے مجھے ختم کر دے گا۔ لیکن فرمایا کہ جب قیامت کا منظر ہو گا تو اس وقت سارے وحشی جانور ایک جگہ جمع ہو جائیں گے ' کوئی کسی کو کاٹنے کا نہیں۔ کوئی کسی پر حملہ نہیں کرے گا۔ سب اپنی اپنی بھول جائیں گی۔ پریشانی میں نفسی نفسی کا عالم ہو گا کہ کسی کو یہ خیال بھی نہیں آئے گا کہ کسی کو ڈسوں یا کاٹوں ..... کیوں.....؟ پریشانی ہے۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے

بہنے میں طغیانی آئی دیکھی۔ ہم نے دیکھا ہے، گاؤں کے گاؤں، قریے کے قریے بہہ گئے۔
فرمایا کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک بڑا سا چھپر ہے۔ اس کے ساتھ
درخت بھی بہتے چلے آ رہے ہیں۔ اس چھپر کے اوپر آدمی بیٹھے ہوئے ہیں، اس چھپر کے
اوپر ہرن بھی ہے۔ اس چھپر کے اوپر سانپ بھی ہے۔ اس چھپر کے اوپر اور بھی
جانور ہیں لیکن مت ہرن چوکڑی نہیں بھرتا۔ انسان ہرن پر گولی نہیں چلاتا۔ سانپ
انسان کو کاٹتا نہیں ہے۔ کیوں......؟ اس لئے کہ یہ سب کے سب اپنی اپنی
پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ ایک دوسرے پر حملہ کرنا بھول گئے۔ معلوم یہ ہوا کہ کبھی
کبھی انسان کو مصیبت بھی ایک جگہ جمع کر دیتی ہے۔ وحشی جانوروں کو بھی ایک
دوسرے سے جمع کر دیتی ہے۔

اتحاد ملت کیوں نہیں......؟

تو میرے دوستو! اگر مصیبت میں وحشی جانور ایک ہو جاتے ہیں۔ ہم اور
آپ تو پھر انسان ہیں۔ ہم اور آپ تو پھر بھی سرکار دو عالم ﷺ کی امت ہیں تو کیا
اگر دشمن ہمارے ایک ہو سکتے ہیں۔ تو مسلمان کے دل میں یہ جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔
کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے نام پر ایک سیسہ پلائی دیوار کی طرح متحد ہو جائیں۔ یہ
بات میں نے اس لئے عرض کی، نصاریٰ، یہود، مشرک...... ہمیشہ سے ایک ہیں
اسلام کے خلاف، ہمیشہ ایک رہیں گے۔

میں دوستوں سے کہا کرتا ہوں، بیچ میں بات آ گئی۔ ایک محاذ دنیا میں ایسا
ہے جو محاذ دیکھنے میں پاکستان کا ہے، کشمیر کا محاذ، مگر آپ دیکھئے، یہود خلاف، نصاریٰ
خلاف، ہندوستان کے مشرک خلاف، تینوں متحد ہیں۔ مسلمان کے خلاف ایک جگہ
ایسی ہے کہ جہاں دیکھنے میں بظاہر عرب مسلمانوں کا تعلق ہے مگر وہ سارے عالم کے
مسلمانوں کا ہے۔ وہ ہے فلسطین، بیت المقدس، مگر آپ دیکھئے اسلام کے خلاف
یہود بھی متحد، نصرانی بھی متحد، مشرک بھی متحد...... اتھوپیا کے اندر آئیے
(Aretecia) کا مسئلہ ہے۔ مسلمانوں کی کثیر آبادی ہے۔ وہ جدوجہد کر رہے

ہیں۔ مگر یہود بھی خلاف، نصرانی بھی خلاف، مشرک بھی خلاف،

معلوم ہوا جب بھی مسلمانوں سے سابقہ پڑتا ہے تو دنیا کی تمام قومیں اور تمام مذاہب سب خلاف۔ ایک ہو جاتی ہیں۔ اگر مسلمان کو اللہ تعالیٰ یہ توفیق دے کہ وہ یہ دیکھے جو قومیں ہمارے خلاف ایک ہو جاتی ہیں تو کم سے کم ان قوموں کے ایکے کو دیکھ کر ہم سب کو ایک ہو جانا چاہئے۔ اگر ہم حضور اکرم ﷺ کی امت ہیں۔

تو میں نے عرض کیا، تین مذاہب ہیں تینوں مذاہب سے مقابلہ ہے۔ مگر ایک بات ہے۔ تینوں مذاہب خدا کے منکر نہیں۔ یہود خدا کے منکر نہیں۔ یہود خدا کے قائل ہیں چاہے وہ قالت الیھود عزیر ابن اللّٰہ وہ اللہ کا بیٹا کہیں۔ حضرت عزیر کو، چاہے نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہیں۔ چاہے مشرک (۳۶۰) تین سو ساٹھ بتوں کی پرستش کریں۔ مگر اللہ کی ذات کے قائل تھے۔ اگر مشرکوں سے کہیں کہ زمین و آسمان کون سے رب مانتے ہوتے ہیں تو وہ کہیں گے کہ کسی دیوتا نے نہیں بنائے۔ اللہ میاں نے بنائے ہیں۔ باقی بنانے کے بعد جو ہیں وہ ...... (Retired) ہو گئے ہیں۔ اختیارات دیوتاؤں کو دے دیئے ہیں۔ تعالیٰ اللہ عما یقولون آپ دیکھئے، ان تینوں مذاہب کا مقابلہ اسلام سے ہوا اور الحمد للہ ۲۳ سال کی مدت کے اندر اسلام سب پر غالب آگیا اور الحمد للہ ۲۳ سال کے اندر جو قوم بکریاں چرانے والی تھی۔ صاحب تخت و تاج ہو گئی۔ جو قوم لکھنا پڑھنا نہیں جانتی تھی وہ اقوام عالم کے معلم اور استاد بن گئے۔ اتنا بڑا عظیم انقلاب دنیا میں تاریخ اٹھا کے دیکھئے۔ دنیا کے انسانوں کے اندر اتنا عظیم انقلاب نہیں آیا۔ اور وہ بھی ۲۳ سال کی مدت میں۔

حقیقت کے طور پر عرض کر رہا کرتا ہوں۔ جب ۲۳ سال پاکستان کو بنے ہو گئے تو میں نے دوستوں سے کہا۔ ارے بھئی وہ مقصد کب پورا ہو گا جس کے لئے پاکستان بنا ہے۔ ۲۳ سال میں تو بکریاں چرانے والے تخت و تاج کے مالک بن گئے اور اقوام عالم کے معلم ہو گئے۔ تو لوگ کہتے تھے کہ مولانا صاحب ابھی تو یہ چھوٹا سا

(Baby) ہے۔ آپ انتظار کیجئے۔ ذرا جوان ہو جائے' پھر مقصد پورا ہو جائے گا۔ تو ہم نے کہا صاحب ہم تو اس کی جوانی کا بھی انتظار کرنے کو تیار ہیں۔ مگر یہ تو معلوم ہو کہ اس کا بچپن کب ختم ہوگا۔ اور جوانی کب آئے گی۔ اور ہمیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید جوانی آئے نہ آئے بڑھاپا نہیں آنا چاہئے۔ علامہ اقبال نے کہا۔ فرمایا

میں تم کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے؟
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

جس قوم کے ہاتھ میں تلوار' شمشیر ہوتی ہے۔ یہ اس کے جوان ہونے کی نشانی ہے۔ اور جب کسی قوم کے ہاتھ میں طبلہ اور سارنگی اور گانے بجانے کا سامان ہوتا ہے تو یہ اس قوم کے بڑھاپے کی نشانی ہے۔

اب میرے دوستو! آج ہم اور آپ خود ہی سوچیں کہ آیا ہم جوانی کی طرف جا رہے ہیں یا قبر کی طرف جا رہے ہیں۔

سنبھالا ہوش تو مرنے لگے حسینوں پر
ہمیں تو موت ہی آئی شباب کے بدلے میں

اور ہمارے نوجوانوں کو یہ احساس نہیں کہ ہمیں کیا اس ملک میں کرنا ہے۔ نوجوان تو یہ جانتے ہیں کہ اس ملک میں اگر اچھا کام ہو تو کہتے ہیں ہم نے کیا اور اگر کہیں خدا نہ کرے ..... تو کہتے ہیں یہ سب مولویوں کا قصور ہے۔

مولوی کا قصور......؟

مولوی بے چارے کو ایسا سمجھتے ہیں جیسے وہ کھیرا تھا۔ بھٹیاری کا ایک لڑکا تھا۔ ایک پولیس والا کسی بھٹیاری کے پاس ٹھہر گیا۔ صبح کو اس نے کہا کہ جلدی کرو' کھانا پکا دے مجھے ڈیوٹی پر جانا ہے اور سامنے بیٹھ گیا۔ بھٹیاری کے' وہ بیچاری روٹی پکا رہی تھی۔ چھوٹا بچہ اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اتفاق سے کہیں اس بھٹیاری کا رشو ٹوٹ گیا اور اس کی آواز ہوئی۔ بیچاری عورت ذات بڑی شرمندہ' تو اس نے شرم مٹانے کے لئے اس بچے کو ایک چانٹا مارا۔ کم بخت کہیں کا' نا تمیں

آتا۔ پولیس والا کہاں بھلا قابو میں آنے والا ہے۔ وہ تو بہت چالاک ہوتا ہے۔ پولیس والا آگیا۔ پولیس والے نے اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور ہاتھ پھیر کے اس نے بھی زور سے وضو توڑا۔ اور اس کے بعد اٹھا اور بچہ کو زور سے چانٹا مارا۔ بھکاری نے کہا کہ تو نے بچے کو کیوں مارا۔ کہا کہ میں نے دیکھا کہ یہاں کا طریقہ یہ ہے کہ کرے کوئی بھرے کوئی۔۔۔ کرے کوئی بھرے کوئی۔

ارے جب تو نے یہ حرکت کی تو تو نے مارا۔ میں نے حرکت کی تو میں نے مارا۔ لوگ بھولوں کو یہ سمجھتے ہیں۔ کہ یہ بے چارہ اصل میں بھکاری کا بچہ ہے۔ کوئی کرے اس کو مار دو۔

علماء اس ملک میں پوری پوری جدوجہد کر رہے ہیں کہ وہ مقصد حل ہو جائے جس کے لئے سرکار دو عالم ﷺ دنیا میں تشریف لائے ہیں مگر میرے دوستو آپ کو بھی تو کچھ کرنا چاہئے۔ آج ہم نے اور آپ نے اپنی جو وضع بنائی ہے۔ ابھی ابھی ایک صاحب کہہ رہے تھے۔ لمبے لمبے بال رکھے ہوئے ہیں۔ سنگار کرکے جاتے ہیں۔ میں نے کہا بھئی بھیا تو نہ ناز کر کم سے کم آپ کو دیکھ کے کوئی پیچھا کرکے چلا جائے۔ کہیں اپنے بیٹے کا رشتہ نہ بھیج دے آپ سے' اس لئے کہ جو علامت اور نشانی جو تھی آپ کی مردانگی کی وہ سب مٹا دی۔ وہ تو عورتوں کی طرح چلیں چڑھا دی ہیں آپ نے' یہ میں اپنی طرف سے عرض نہیں کر رہا ہوں یورپ میں یہ واقعہ پیش آچکا ہے۔

مرد و عورت کا امتیاز

ایک نوجوان لڑکا لمبے لمبے بال' داڑھی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بقول مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری ؒ کے فرماتے تھے کہ جب سے لوگوں نے داڑھی منڈانا شروع کر دی۔ خیر بھئی ہم تو اصل میں چلاتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن چھوٹے بچوں کو اور بھی مشکل پیش آگئی۔ اگر وہ چھوٹا بچہ رات کو باپ کے پاس سو جائے اور رات کو آنکھ کھلے تو وہ ہاتھ پھیر کے دیکھتا ہے کہ میں اماں کے پاس ہوں یا ابا

کے پاس ہوں۔ اسے کچھ پتہ نہیں۔ وہ تو کہتا ہے کہ دونوں کی شکل ایک ہے۔ یہ
معلوم نہیں کہ ماں کے پاس ہے یا باپ کے پاس ہے؟

Merit کالج کا ایک طالب علم تھا۔ جب زینت اور کرزن فیشن کا زمانہ تھا۔
یہ مونچھیں لمبی نہیں ہوتی تھیں۔ ذرا سی ناک کے نیچے رکھی جاتی تھی اور یہی
علامت اس بات کی تھی..... کیا..... یہ کہ یہ She نہیں ہے بلکہ He ہے۔
بس یہی ایک تو علامت تھی تو وہ جناب میرٹھ کالج کا طالب علم کہنے لگا کہ بھئی کرزن
فیشن میں تو میں نے یہ رکھی ہوئی تھی۔ وہ حجام ایسا آیا پتہ نہیں اس کا ہاتھ غلط پڑ گیا
اس نے مکھی بھی اڑا دی آگے' تو کیا کہتا ہے شعر لکھا اس نے۔ کہنے لگا

کچھ تو فیشن کا تصدق کچھ کرم حجام کا

رفتہ رفتہ میری صورت ان کی صورت ہو گئی

اب جو میں نے آئینے میں دیکھا تو میری شکل میں اور بیگم کی شکل میں کوئی
فرق ہی نہیں ...... نہیں میرے دوستو! ایسا نہ کرو' عورتیں اپنا امتیاز باقی
رکھیں۔ مرد اپنا امتیاز باقی رکھیں۔ اسی سے نظام عالم چل رہا ہے۔ اگر عورتوں نے
اپنی صلاحیتوں اور نشانیوں کو مٹا دیا۔ مردوں کی صف میں آ گئیں۔ تو پھر ان کو شکوہ
نہیں ہونا چاہئے۔ اگر ان کے ساتھ ادب اور احترام کا برتاؤ نہ کیا جائے۔

ایک سبق آموز واقعہ

ایک زمانے میں ایک جوڑے کی شادی ہوئی۔ اس زمانے میں خاندان کی
اور محلے والوں کی شرم اور حیا ہوتی تھی۔ نوجوان صاحب نے بیوی سے کہا کہ ہم
اور تم چلو کسی باغ میں ٹہلنے چلیں۔ انہوں نے کہا خاندان والے نے کہیں دیکھ لیا تو
مصیبت ہی آ جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ نہیں تم ایسا کرو کہ مردانہ لباس پہن لو'
کوٹ پتلون ہمارا پہن لو ساتھ چلیں گے۔ وہ بے چاری عورت کی سمجھ میں آ گئی
بات' ان کے بیٹھک میں ایک مہمان ٹھہرے ہوئے تھے۔ یہ سارا پروگرام انہوں
نے سن لیا۔ یہ جا کے پہلے ہی کسی باغ میں بیٹھ گئے۔ انہیں معلوم تھا کہ ایک جوڑا

آنے والا ہے۔ تھوڑی دیر میں دیکھا کہ ان کے دوست آرہے تھے اور ان کے ساتھ ایک اور صاحب لباس میں۔ اٹھے، پوچھا..... آپ کون..... آپ کی تعریف.....؟ انہوں نے کہا یہ میرے دوست ہیں۔ آپ کے دوست میرے دوست..... ان کو سینے سے لگا لیا..... کہنے لگا..... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جو آپ کے دوست ہوں وہ میرے دوست نہ ہوں۔ خوب سینے سے لگایا..... وہ عورت بے چاری شرمندہ، شوہر شرمندہ، شیخ صاحب نے کے اس کو ساتھ بیٹھ گئے۔ کہ ارے یہ تمہارا دوست نہیں ہے..... یہ تو میرا دوست ہے۔

تھوڑی دیر میں اٹھ کے بھاگے..... ہائے اس بے چاری عورت نے توبہ کی کہ آئندہ میں کبھی ایسا نہیں کروں گی..... بھئی دیکھو جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا یہ بے ادبی کی بات نہیں۔ یہ تو اس وجہ سے ہوا کہ جو شیخ ادب اور احترام کی شائق تھی وہ تم نے مٹا دی۔ ان کا کیا قصور ہے بے چاری کی اچھی درگت بنی۔

خیر مطلب میرے کہنے کا یہ تھا کہ ان تینوں مذاہب سے مقابلہ کیا۔ مگر تینوں خدا کے قائل تھے۔ تب آیا اسلام، پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ اب اسلام کا مقابلہ لامذہبیت سے ہے۔ منکرین خدا سے ہے۔ جو خدا کا عقیدہ نہیں رکھتے۔ اور خدا کے قائل نہیں۔ مقابلہ اسلام کا ان سے ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں وحی کی ضرورت نہیں۔ ہمیں نبی کی ضرورت ہے۔ یہ تو حضرت انسان کی عقل ہی کافی ہے۔ تو یہ انسان خود اپنی زندگی کا پروگرام بنائیں گے۔ اپنی زندگی کی قدریں خود بنائیں گے۔ عقل کے ذریعے ہم دیکھیں گے۔

تو میرے عرض کرنے کا مطلب یہ تھا۔ یہ ایک بات آپ کے دیکھنے کی ہے۔ یہ دور عقل کا دور ہے۔ اس دور میں لوگ اللہ کے نبی کا مقابلہ اپنی عقل کے ذریعے سے کرتے ہیں۔ انشاء اللہ العزیز وہ زمانہ بھی آگیا ہے کہ اللہ نے عقل پرستوں پر بھی غلبہ حاصل کیا ہے۔

ہماری زندگی کی نجات عقل پرستی میں نہیں ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کا دامن پکڑنے میں ہے۔ وحی پر عمل کرنے میں ہے۔ حضور ﷺ کی رسالت پر

چلے میں ہے۔ تو ہم میں ان شاء اللہ اگلی دفعہ کہوں گا کہ اس مقابلے کے اندر ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ اسلام نے کس طرح فتح حاصل کی......؟ (ختم شد)

(از ماہنامہ الحبیب ملتان)

سیرۃ النبی ﷺ

خطبہ ماثورہ کے بعد اور تلاوت قرآن کریم کے بعد

دوسری ولادت

صدر جلسہ ' معزز حاضرین اور میرے عزیز بھائیو ! آج سیرت النبیؐ کے اجلاس کا دوسرا دن اور دوسری نشست ہے۔ گذشتہ رات میں نے تمہید کے طور پر یہ بات عرض کی تھی کہ علماء محققین نے لکھا ہے کہ آپؐ کی ولادتیں دو ہیں۔ ایک ولادت ہے عرفی ولادت اور وہ ' وہ ہے کہ جب ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ کو آپؐ دنیا میں تشریف لائے ہیں۔ آپؐ کی دوسری ولادت وہ ہے کہ جب اللہ نے آپؐ کو نبوت اور رسالت سے سرفراز فرمایا اور وہ چالیس سال کے بعد ' اور یہ وہ ولادت ہے کہ جس سے وہ مقصد شروع ہوا ہے کہ جس کے لئے آپؐ دنیا میں تشریف لائے ہیں۔ اللہ کی وحی اترنا شروع ہو گئی۔ احکامات آپ کو ملنے لگے۔ اور آپؐ نے ساری دنیا کو توحید سے جگمگا دیا۔ تو اس لئے میں نے یہ عرض کیا تھا کہ میں آپؐ کی پہلی ولادت کے بارے میں بھی عرض کیا کرتا ہوں۔ وہ بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ اس میں بھی ہمیں اور آپؐ کے لئے بڑی بڑی عبرتیں اور نصیحتیں ہیں۔

اور دوسری ولادت کے یعنی آپؐ کی تعلیمات ' آپؐ کی سیرت طیبہ ' آپ کا اسوہ ' اس کے بارے میں بھی ایک دو باتیں آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔

سیرۃ مطہرہ

گذشتہ رات جب میں نے ختم کیا تو میں یہ بات عرض کر رہا تھا کہ جب حضور ﷺ دنیا میں تشریف لائے تو اس وقت تین قسم کے مذہب تھے۔ ایک مذہب بنی اسرائیل کا تھا۔ جس کو یہودیت کہا جاتا ہے۔ یہ درحقیقت نسلی قسم کا مذہب ہے۔ اس مذہب میں تبلیغ نہیں تھی۔ اس مذہب میں کسی باہر سے ' دوسرے آدمی

کر لیجئے تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کیونکہ ان کے مذہب کا دار و مدار اسی پہ ہے کہ کس کی رگوں میں نبیوں اور پیغمبروں کا خون ہے۔ کون بنی اسرائیل کے نسب سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ ان کے مذہب اور دین سے متعلق ہے۔ اور جن کی رگوں میں نبی کا خون نہیں ہے۔ اس کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

دوسرا مذہب تھا نصاریٰ کا "عیسائیت کا" اور "مسیحیت کا" ان کے یہاں نسل تو بنیاد نہیں تھی۔ مگر یہ کہ عقائد میں بہت سی خرابیاں موجود تھیں۔ لیکن بہرحال عیسائیت کا بھی وجود تھا یہودیت کا بھی اور اس کے ساتھ ساتھ کے میں وہ مشرکین آباد تھے۔ کہ جو بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ مشرک بھی تھے۔ لیکن میں نے گزشتہ رات یہ بات کہی تھی کہ یہ تینوں مذاہب والے خدا کو مانتے تھے۔ خدا کے منکر نہیں تھے۔ بلکہ جب دنیا میں حضور اکرم ﷺ تشریف لاتے ہیں تو کوئی منکر خدا موجود نہیں ہے۔ کوئی دہریہ موجود نہیں ہے۔ سب خدا کے وجود کے قائل ہیں۔

یہ اور بات ہے کہ اللہ پر ایمان ماننے میں ان میں ایسی ایسی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں کہ وہ ایمان نہ لانے کے برابر ہے۔ مگر خدا کی ذات اور خدا کے وجود کو مانتے تھے۔

اسلام نے ۲۳ سال کی مدت میں یہودیت پر "نصرانیت پر" مشرکین مکہ پر" سب پر غلبہ حاصل کیا۔ اور ۲۳ سال کی مدت میں اتنا عظیم انقلاب آپؐ لے کر تشریف لائے۔ ہیں کہ بکریاں چرانے والے صاحب تخت و تاج بن گئے ہیں۔ جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ وہ اقوام عالم کے معلم اور استاد بن گئے۔

عیسائی محقق کا اعتراف

میں نے شاید اس سے پہلے بھی عرض کیا ہے۔ بیروت کا ایک عیسائی ہے۔ یہ وہی بیروت ہے کہ جہاں آج مسلمانوں کی اور عیسائیوں کی بڑی زبردست کشمکش ہو رہی ہے۔ بیروت کے ایک عیسائی نے ساری دنیا کے مفکرین کو "اہل قلم کو" یہ دعوت دی کہ تم یہ بتاؤ کہ تمہاری نظر میں سب سے عظیم ترین دنیا میں کون سی ہستی پیدا ہوئی ہے۔ لوگوں نے اپنے اپنے خیال کے مطابق کسی موجد کا نام لکھا۔

کسی نے شاعر کا نام لکھا۔ کسی نے ملک کے فاتح کا نام لکھا۔ کسی نے (Sciencetist) کا نام لکھا۔ غرضیکہ اپنی اپنی فکر کے مطابق انہوں نے لکھ کر سب سے بڑا' سب سے عظیم انسان یہ ہے اس نے سب کے مضامین کو پڑھے اور پڑھ کر کہنے لگا کہ جو دنیا میں سب سے بڑا عظیم ترین انسان پیدا ہوا ہے۔ اس کے بارے میں کسی نے نہیں لکھا۔ اس نے کہا کہ میں عیسائی ہوں' مسلمان نہیں ہوں' لیکن میرا عقیدہ اور میرا خیال یہ ہے کہ دنیا میں محمد عربی سے عظیم ترین ہستی پیدا نہیں ہوئی.... کیوں؟

اس نے کہا کہ انسانی تاریخ میں اس کی مثال موجود نہیں ہے کہ ۲۳ سال کی مدت میں اتنا عظیم ترین انقلاب لایا۔ ایک مستقل امت پیدا کر دی۔ انہیں ایک مستقل مذہب دے دیا۔ انہیں ایک مستقل نظام حکومت دے دیا۔ انہیں مستقل ایک زبان دے دی۔ اس نے یہ لکھا کہ ۲۳ سال کی مدت قوموں کی زندگی پلک جھپکنے میں گزر جاتی ہے۔ اتنی تھوڑی سی مدت میں اتنا عظیم انقلاب آج تک دنیا میں پیدا نہیں ہوا۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں سب سے عظیم ترین ہستی محمد عربی ہے۔ تو میں نے عرض کیا کہ تمام مذاہب پر اسلام غالب آگیا اور یہی وجہ ہے کہ جیسے کہا کرتے ہیں "کھسیانی بلی کھمبا نوچے" جب کسی کے پاس دلیل باقی نہیں رہتی۔ تو گالیوں پر اتر آتے ہیں۔ مار پیٹ پر اتر آتا ہے۔ جب دلائل کی جنگ اسلام کے سامنے ہار گئے تو ان لوگوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام پر تہمتیں لگانا شروع کیں۔ الزام لگانا شروع کیا۔ انہوں نے کہا کہ پیغمبر اسلام اور اسلام کا مطلب صرف دو باتیں ہیں۔ ایک بات یہ ہے کہ نکاح کرو' شادیاں کرو' عیاشی کرو' یہی اسلام بتلاتا ہے۔ یہی تمہیں پیغمبر اسلام بتاتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک' اور دوسرے یہ ہے کہ جہاد کے نام پر خوب خون بہاؤ' لوٹ مار کرو' مارو' جہاد کے نام پر قتل و غارت گری کرو اور نکاح کے نام پر خوب عیاشی کرو۔ یہ اسلام کا خلاصہ ہے نعوذ باللہ یہی پیغمبر کی زندگی کا خلاصہ ہے۔

آپ میں سے کسی کو یورپ جانے کا اتفاق ہوا ہو گا۔ سب کی زبانوں پر یہ

ہے کہ نعوذ باللہ پیغمبر اسلام تو بڑے عیاش تھے۔ ان کے یہاں تو عورتیں ہی عورتیں تھیں۔ ان کے یہاں تو بہت سی بیویاں اور ان کے یہاں تو بہت سی عورتیں تھیں۔ نعوذ باللہ ! وہ نکاح کے نام پر عیاشی کیا کرتے تھے۔

میری بھی بعض انگریزوں سے بات ہوئی۔ ان کے یہاں ایک بادشاہ گزرا ہے۔ ہنری ہشتم وہ بڑا عیاش تھا۔ ان کے ذہنوں میں یہ ہے کہ جس طریقے سے کہ وہ بادشاہ صبح و شام ایک عورت رکھی 'ایک نکالی ' ایک رکھی ایک نکالی ' تو ان کے ذہنوں میں یہ ہے کہ نعوذ باللہ پیغمبر اسلام کا بس یہی کام تھا۔ کہ صبح و شام نکاح کرتے تھے۔ شادیاں کرتے تھے۔

تعدد ازدواج کی حقیقت

میں نے کہا کہ آپ نے اسلام یا پیغمبر اسلام کی زندگی کو پڑھا ہے۔ کہنے لگے کہ ہمیں تو یہی معلوم ہوا ہے کہ وہ کس طریقہ پر زندگی بسر کرتے تھے۔ میں نے کہا اب آپ مجھ سے سنئے۔ حضور اکرم ﷺ نے نکاح کے ذریعے اتنا بھی عیش نہیں۔ اٹھایا جتنا کہ دنیا کے عام ایک انسان اٹھایا کرتے ہیں۔ اور حضور اکرم ﷺ کی بے نفسی کی یہ سب سے بڑی مثال ہے۔

ہم اور آپ بھی نکاح کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بھائی عمر میں کم ہو' خوبصورت ہو' خوبصورت اور حسین ہو' شادی شدہ نہ ہو' بیوہ نہ ہو' ہم اور آپ بھی کم سے کم جب نکاح اپنی زندگی میں کرتے ہیں تو آخر تھوڑا بہت عیش ہمارے اور آپ کے حصہ میں بھی آتا ہے۔ مگر حضور اکرم ﷺ نے اتنا بھی عیش نہیں اٹھایا۔ کیوں....؟

۲۵ سال کی آپ کی عمر ہے سب سے پہلا نکاح آپ فرما رہے ہیں۔ ایسی خاتون کے ساتھ جو عمر میں ۱۵ سال آپ سے بڑی ہے۔ یعنی حضور ﷺ کی عمر ہے ۲۵ سال اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی عمر ہے ۴۰ سال دو شوہروں سے بیوہ ہے۔ دونوں شوہروں سے اولاد ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے سب سے پہلا جو نکاح کیا ہے آپ کم عمر لڑکی سے بھی کر سکتے تھے۔ اتنا عیش تو اٹھا سکتے تھے

کہ جتنا دنیا کے عام انسان اٹھاتے ہیں۔ مگر نہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے تو اتنا بھی عیش نہیں اٹھایا۔ ایک بیوہ سے پہلا نکاح کیا۔ جو عمر میں ۱۵ سال بڑی ہیں۔ جن کی بڑی بڑی اولاد موجود ہے۔ اور جو دو شوہروں سے بیوہ ہے۔ پھر یہ نہیں کہ آپ نے اگلے سال دوسرا کر لیا، جیسا میں نے اس کو بتلایا۔ میں نے کہا کہ یہ ۲۵ سال کی عمر میں پہلا نکاح کیا۔ اور ۵۳ سال کی عمر ہو گئی سرکار دو عالم ﷺ کی۔ آپؐ کے گھر میں سوائے خدیجۃ الکبریٰ کے دوسری بیوی ہی موجود نہیں۔

۲۵ سے لے کر ۵۳ تک کتنا ہوا، ۲۸ سال۔ اندازہ لگائیے کہ اگر حضور ﷺ کو نکاح کے نام سے عیش کرنا ہوتا تو آپ دوسرا نکاح ۳۰ سال کی عمر میں کرتے۔ ۵۰ سال کی عمر میں کرتے۔ مگر حضور اکرم ﷺ نے کوئی نکاح نہیں کیا۔ اور ساری کی ساری زندگی حضور اکرم ﷺ نے ایک بیوہ خاتون کے ساتھ گزاری۔

آپؐ کی عمر کل ہوئی ۶۳ سال، اور ۵۳ سال تک آپ کے گھر میں دوسری بیوی نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کے آخری ۱۰ سال میں حضور اکرم ﷺ کے گھر میں متعدد بیویاں موجود ہیں۔ لیکن سوائے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سب عورتیں اور سب بیویاں جو ہیں، عمر رسیدہ ہیں۔ بیوائیں ہیں۔ بعضوں کی عمریں اتنی بڑی ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ جب حضور ﷺ نے پیغام بھیجا۔ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں تو آپ کی کنیز اور باندی ہوں۔ میری عمر اتنی بڑی ہے کہ مجھے تو نکاح سے بھی شرم آتی ہے۔ مگر آپ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی نکاح فرمایا۔

معلوم ہوا کہ مقصد آپؐ کا درحقیقت ازدواجی عیش نہیں تھا۔ بلکہ ایسی عورتوں کی ضرورت تھی جو حضور اکرم ﷺ کی بیوی بن کر آپ کی خانگی اور گھریلو زندگی کو جمع کر دے۔ باہر کی زندگی صحابہ نے جمع کر دی تھی۔ گھر کی زندگی ابھی جمع نہیں ہوئی اور یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ کوئی عورت بیوی بن کر آپ کے ساتھ نہ رہے۔ اور یہ معلوم کرے کہ آپ کی خانگی زندگی کیا ہے۔ جس کا مطلب

یہ ہے کہ یہ عورتیں بیوہ تھیں۔ اسلام کی یہ امہات المومنین ہیں۔ ان عورتوں کا مقصد ازدواجی عیش اٹھانا نہیں تھا۔ نہ ان کی عمریں ایسی تھیں اور نہ حضور اکرم ﷺ کی عمر ایسی تھی۔ ساری جوانی آپ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے ساتھ گزاری۔

جہاد کی حقیقت

یہ الزام وہی لگا سکتے ہیں جو دلیل کی لڑائی ہار گئے۔ اور ان کا مقصد ہے صرف بدنام کرنا۔ یہ الزام بھی بے حقیقت الزام ہے۔ کہ جہاد کے ذریعے سے خون بہاؤ۔ لوٹ مار کرو۔ کیونکہ صاحب ساری عمر میں سرکار دو عالم ﷺ کے ہاتھ سے کوئی انسان نہیں مارا گیا۔ آپ نے بیشک جہاد کا حکم دیا ہے۔ اور انسان تو کیا مارا جاتا۔

ایک مرتبہ آپ مجاہدین کے لشکر کو لے کر تشریف لے گئے۔ اور جا کر آپ نے فرمایا کہ یہاں پڑاؤ ڈالو۔ بستر کھولو۔ صحابہ ؓ نے بستر کھول دیئے۔ حضور تشریف لائے اور فرمایا کہ جلدی سے یہاں سے بستر اٹھاؤ آگے چلیں گے۔

میں نے یہاں میدان میں دیکھا ہے کہ جگہ جگہ چیونٹیوں نے اپنے بل بنا رکھے ہیں۔ لاکھوں کی تعداد میں یہاں چیونٹیاں موجود ہیں۔ آپ یہاں چولہے جلائیں گے۔ آگ جلائیں گے۔ ان چیونٹیوں کو بھی تو رہنے کا حق ہے۔ اس لئے یہاں پڑاؤ نہ ڈالا جائے۔ آپ بستر اٹھا کے آگے چل کے پڑاؤ ڈالیں گے۔ ان چیونٹیوں کی جان کی حفاظت کیجئے۔

آپ اندازہ لگایئے کہ حضور اکرم ﷺ تو ایک بے زبان اور ایک معمولی جانور کی بھی حفاظت فرماتے ہیں۔ کیا یہ آپ کہیں گے کہ جہاد کے نام پر خون بہاؤ۔ خون سے ہولی کھیلو۔ "لوٹ مار کرو" یہ بھی انہیں لوگوں کا الزام ہے کہ جو دلائل کی اور براہین کی جنگ ہار گئے ہیں۔

تو میں نے عرض کیا۔ اب اسلام کا مقابلہ مذہب سے نہیں "مقابلے کے لئے عقل آگئی۔ اب مقابلہ اسلام کا ہے کس کے نام سے ہے عقل کے نام سے ہے۔ اور عقل نے سب سے پہلے یہ فتویٰ دیا کہ خدا موجود نہیں ہے۔ سب سے پہلا کام

انہوں نے یہ کیا کہ انکار خدا کا کر دیا۔ جب خدا کا انکار ہوتا ہے تو مذہب کا خود انکار ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے کہا۔ جب عقل نے اپنا پیمانہ چھپایا۔ "دنیا کو چکا چوند کیا۔ دنیا کو مرعوب کیا۔ مگر الحمد للہ مسلمان مرعوب نہیں۔ اکبر الہ آبادی مرحوم نے کہا۔ فرمایا کہ " تغیرات سے ہم نے خدا کو دیکھ لیا۔

جو عالم میں تغیرات صبح سے شام تک ہوتے رہتے ہیں۔ اس سے ہمیں خدا نظر آیا۔

تغیرات سے ہم نے خدا کو دیکھ لیا
اڑا غبار تو ہم نے ہوا کو دیکھ لیا

مظاہر حق

مٹی اڑتی ہے، شیش محل میں آپ بیٹھے ہیں تو اڑتی ہوئی مٹی آپ کو یہ بتا رہی ہے کہ ہوا چل رہی ہے۔ ہوا نہیں دیکھی جاتی مگر غبار اڑتا ہے تو اس کی نشانی نظر آتی ہے کہ ہوا موجود ہے۔ اسی طرح اللہ علامتوں سے نظر آتا ہے۔ اللہ آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ دیکھنے والے دیکھتے ہیں اور جن کو دل کی آنکھیں اللہ تعالیٰ نے عطا نہیں فرمائیں ان کو نظر نہیں آتا۔ کسی عارف نے کہا ہے۔ فرمایا کہ

ہر گیاہے کہ از زمین روید
وحدہ لا شریک لہ گوید

میں جنگل سے گزر رہا تھا میں نے دیکھا کہ گھاس اگ رہی ہے اور بول رہی ہے۔ میں نے کہا کہ یہ گھاس نہیں ہے۔ یہ شہادت کی انگلی ہے۔ اللہ کی وحدانیت کی گواہی دے رہی ہے۔ اسے نظر آگیا۔ اور ایک اور عارف کہتا ہے۔ کہتا ہے کہ جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ آنکھوں سے اللہ کو دیکھا جائے۔ نظر بھی نہیں آتا اور جہاں نشانیوں سے دیکھنے کا تعلق ہے۔ جب جی چاہے اللہ کو دیکھ لے اس نے کہا۔

اس پہ پردہ ہے کہ صورت آج تک نادیدہ ہے
ہے تجلی یہ کہ ہر ذرہ میں جلوہ آشکار

ہر در و در سے نظر آتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم اور آپ باغ میں

جاتے ہیں۔ ہمیں اور آپ کو خدا نظر نہیں آتا۔ پھول نظر آتا ہے۔ ایک اللہ کا
عارف بندہ جاتا ہے۔ جس کی آنکھیں کھلی ہیں وہ جا کر کیا کہتا ہے۔ کہا ہے

گلستان میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا
تمہاری ہی سی رنگت ، تمہاری ہی سی بو ہے

ہر پھول میں نظر آتا ہے۔ تجربات کی بات ہوتی ہے۔ یورپ کا فلسفہ کہتا ہے کہ
آپ ہستی غائب کا نام نہ لیں۔ خدا موجود نہیں۔

تعلیم پیر فلسفہ مغربی ہے یہ
نادان ہے جس کو ہستی غائب کی ہے تلاش
محسوس پر بنا ہے علوم جدید کی
اس دور میں ہے شیشہ عقائد کا پاش پاش

عقیدے کو نہیں مانتے۔ آنکھوں سے دکھاؤ، کانوں سے سناؤ، ہاتھوں سے
چھوؤ تو ہم مانتے ہیں۔ "محسوس پر بنا ہے علوم جدید کی" یہ عقل کہتی ہے۔ یہ عقل
کا فتویٰ ہے۔ پھر فرمایا کہ

سمجھا مگر ہے فلسفہ زندگی کچھ اور

یہ تو عقل کہتی ہے۔

سمجھا مگر ہے فلسفہ زندگی کچھ اور
مجھ پر کیا یہ مرشد کامل نے راز فاش

مرشد کامل مولانا جلال الدین رومی ہیں۔ کیا کہا مرشد کامل نے فرمایا کہ

باہر کمال اندکے آشفتگی خوش است
ہر چند عقل کل شدہ بے جنوں مباش

اس دنیا میں صرف عقل ہی سے کام نہیں چلتا۔ جنون سے محبت سے،
دیوانگی سے بھی کام چلتا ہے۔ میرے دوستو! آپ اپنے اندر جذب عشق پیدا
کریں۔ اور صرف آپ عقل کے کہنے پر نہ چلیں۔ عقل کا فتویٰ الگ ہے۔ محبت کا
فلسفہ الگ ہے۔ فرمایا کہ

عشق	را	نازونیاز	دیگر	است
عشق	را	محرم	راز	دیگراست

عقل و عشق کا تفاوت

عقل کا فتویٰ اور ہے۔ عشق کا فتویٰ اور، میں ایک واقعہ بیان کیا کرتا ہوں میں نے اپنے بزرگوں سے سنا کہ ایک آدمی سرزمین مقدس مدینہ طیبہ میں حاضر ہوا۔ بازار سے اس نے چیزیں خریدیں۔ اور بازار سے اس نے دہی خریدا۔ اور جب دہی کھانے کے لئے بیٹھا تو دہی ترش تھا، کھٹا تھا، تو وہ شخص کیا کہتا ہے۔ کہتا ہے کہ مدینہ کا دہی کھٹا ہوتا ہے۔ یہ بے ادبی اور گستاخی کا جملہ کہا کہ کیا مدینہ کا دہی بھی کھٹا ہوتا ہے۔

ہمارے بزرگوں نے بتایا کہ اس نے حالت بیداری میں دیکھا کہ سرکار دو عالم ﷺ عتاب فرما رہے ہیں۔ ناراض ہو رہے ہیں اور فرمایا کہ او بے ادب اور گستاخ، تو حدود مدینہ سے باہر نکل جا۔ تو حدود مدینہ میں رہنے کے قابل نہیں ہے۔ بے ادبی کی ہے گستاخی کی ہے۔

لیکن اگر عقل سے پوچھئے وہ کہے گا کہ صاحب یہ بتائیے کہ وہ دہی کھٹا تھا یا نہیں۔ اگر کھٹے دہی کو کھٹا کہہ دیا تو کیا حرج ہے۔ اس میں ڈانٹنے کی کونسی بات ہے۔ اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔ عقل میں جذبات نہیں ہوتے۔ اس عقل پرست سے جو یہ کہتا ہے میں اس سے پوچھتا ہوں کہ والد بزرگوار کی ٹانگ میں چوٹ لگ جائے تو کیا آپ اپنے والد کو کہیں گے کہ آئیے تیمور لنگ۔ کیا آپ یہ کہیں گے؟ آپ یہ بتائیے، بات میں نے جھوٹی کہی ہے یا سچی کہی ہے۔ اگر آپ کی وہاں نقص ہے تو ناقص کہنے میں برا ماننے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ کہا جائے گا کہ میں بے شک لنگڑا ہوں۔ لیکن ذرا رکو اس منزل پر یہ بات تجھے زیب نہیں دیتی کہ تو اپنے بزرگ کو اس طریقے پر آواز دے۔ یہ ہے عشق کا فتویٰ۔

دہی بے شک کھٹا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کیونکہ اس کا تعلق ہے آب و ہوا سے ہے۔ موسم سے ہے۔ کھٹا بھی ہوتا ہے، چیز سڑ بھی جایا کرتی ہے۔ لیکن عشق کا

فتوی اس معاملہ میں اور ہے۔ عقل فتوی دینے کے قابل نہیں ہے۔ عشق کا فتوی
سنئے۔ حافظ شیرازی علیہ نے عشق کا فتوی نقل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی باغ
میں گیا اور جا کر وہ یہ دیکھتا ہے کہ بلبل عاشق ہے، پھول اس کا محبوب ہے۔ اور یہ
مشہور ہے کہ بلبل کو محبت ہے۔ بلبل کو عشق ہے۔ پھول اس کا محبوب ہے۔ وہ
اس کا محب ہے کہتے ہیں کہ

بلبل برگ گل خوش رنگ در منقار داشت
واندران برگ و نوا خوش نالہ ہائے زار داشت

بلبل عاشق ہے۔ پھول کی پتی منہ میں لئے ہوئے ہے اور وہ یہ سمجھ رہی ہے
کہ مجھے تو وصال ہو رہا ہے۔ تو میں یہ عرض کر رہا تھا۔ عشق کا معاملہ یہ ہے کہتا ہے
کہ۔

صبح دم مرغ چمن با گل نو خاستہ گفت

مرغ چمن کہتے ہیں بلبل کو۔

صبح دم مرغ چمن با گل نوخاستہ گفت
ناز کم کن کہ دریں باغ بسے چوں تو شگفت

بلبل باغ میں گیا اور جا کے دیکھا۔ پھول کھلا ہوا ہے۔ جیسے ہوا کے
جھونکوں سے کھیل رہا ہے۔ تو بلبل نے یہ کہا کہ صرف آپ ہی اس سارے باغ میں
نہیں ہیں۔ اتنا اترا رہے ہیں، شوخیاں کر رہے ہیں۔ آپ جیسے تو ہزاروں لاکھوں
پھول یہاں کھلے ہوئے ہیں۔ آپ کیوں اتنا اتراتے ہیں۔

صبحدم مرغ چمن با گل نوخاستہ گفت
ناز کم کن کہ دریں باغ بسے چوں تو شگفت

عقل سے پوچھئے کہ یہ بات سچی ہے یا جھوٹی کہی ہے۔ کوئی ایک پھول تو
نہیں ہے۔ لاکھوں پھول ہیں اور جو بات اس نے کہی۔ مگر پھول نے کیا جواب دیا۔
یہی جواب دیا۔ اے چمن کے اندر داخل ہونے والے بلبل تو میری محبت کا دم بھر
کے آیا ہے۔ بے ادب اور گستاخ ہے تو، صدور چمن سے باہر نکل جا تو چمن میں نئے

کے قائل نہیں۔ کیسے فرمایا۔

گل تخدید کہ از راست زنجیر رکے
نیچ عاشق نفی بے معشوق شکست

آدابِ محبت

یہ آدابِ محبت کے خلاف ہے کہ کوئی اپنے محبوب سے اس طریقے سے کلام کرے بات چاہے ہو بھی لیکن تو بے ادب اور گستاخ ہے تو اس قابل نہیں کہ تو حدودِ چمن میں رہے۔ باہر نکل جا' فتویٰ یہ ہے کہ ارے تو یہاں مدینے میں آیا تھا تو چیزوں کے مزے چکھنے کے لئے آیا تھا۔ کیا تو یہاں پر اپنا ذائقہ درست کرنے کے لئے آیا تھا۔ تو تو حضور ﷺ کی محبت کا دم بھر کے آیا تھا۔ کیا تجھے یہ بات زیب دیتی ہے کہ تو یہ کہے کہ مدینے کا دہی بھی کھٹا ہوتا ہے۔ تو بے ادب ہے۔

علامہ اقبال نے صحیح کہا

با پرکالہ اندک مشتعل خوشست
ہر چند عقل کل شدہ بے جنون مباش

آپ سراپا عقل بن جائیے۔ لیکن عشق اور جنون کے بغیر بہت سے مسائل حل نہیں ہوا کرتے۔ تو میں نے عرض کیا عقل مقابلے پر ہے۔ اور عقل نے آگے یہ دعویٰ کیا کہ اب زندگی کی قدریں ہم بتائیں گے۔ نبی کی کوئی ضرورت نہیں۔ اب ہم ضابطے تمہیں دیں گے۔ وحی کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں۔ اب ہم تمہیں اصول بنا کے دیں گے۔ خدا کی ہدایت کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں۔ چنانچہ جو نظام انسانوں کی عقل بنا کر دیتی ہے۔ ان نظاموں کا نام ہے I S M چاہے وہ......
Capatalism ہو چاہے وہ communism ہو چاہے وہ Hippism ہو۔
دنیا میں انسانوں کے عقل کے بنائے ہوئے نظام ہیں۔ وہ سب کے سب ISM کہلاتے ہیں۔ اور وہ نظام کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے 'وحی کے ذریعے' نبی اور پیغمبر کے ذریعے سے آتے ہیں وہ دین اور شریعت کہلاتا ہے۔ ان دو کا مقابلہ ہے۔ انسانی عقل نے یہ کہا' ضابطے وحی سے' نبی سے نہ مانگو' اللہ کی ہدایت

سے تیرا گھر ہم دیں گے شاید
ہم تمہیں اصول بتا کے دیں گے۔ ہم تمہیں قانون بتا کے دیں گے۔ آج آپ کا یہودیت سے مقابلہ نہیں ہے۔ آج نصرانیت سے مقابلہ نہیں ہے۔ آج مشرک قوم سے مقابلہ نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان مذاہب میں ایسی ایسی باتیں ہیں۔ آج تعلیم یافتہ انسان ان باتوں کو قبول کرنے کے لئے بھی تیار نہیں...... بالکل...... !

آج یورپ میں جائیے۔ نوجوان نسل نے چرچ کو چھوڑ دیا ہے۔ انہیں کوئی دلچسپی اپنے مذہب سے نہیں ہے۔ اور ہندو مشرکوں کا مذہب ہے۔ میرا خیال ہے کہ جس نے تھوڑی بہت تعلیم پائی ہے کم سے کم وہ تو اس پر غور بھی نہیں کر سکے گا۔

مدراس کے علاقے میں اب بھی گائے اگر سڑک پر پیشاب کرے تو آپ کو ایسے برہمن مل جائیں گے کہ گائے کے پیشاب کو محفوظ کر کے گھر میں لے جاتے ہیں۔ اور جا کے kitchen میں لیپ کرتے ہیں۔ باورچی خانے کو جا کے لیپتے ہیں۔ کسی پڑھے لکھے آدمی نے کسی پڑھے لکھے ہندو سے یہ بات کہی۔ بھئی تم یہ بتاؤ کہ آخر اس گائے کے پیشاب میں کونسی برکت اور کون سا تقدس ہے کہ تم لے جا کے اپنا kitchen اس سے لیپ کرتے ہو۔ اس نے کہا نہیں صاحب۔ اصل میں بات یہ ہے کہ آپ لوگ ہمارے مذہب کو سمجھے نہیں۔ ہمارا مذہب جو ہے وہ تو بہت سائنٹفک ہے۔ یہ گائے کے پیشاب میں کوئی تقدس اور برکت نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ kitchen میں کھانے پینے کا سامان ہوتا ہے۔ اور اس میں اگر خراب قسم کے جراثیم پیدا ہو جائیں تو کھانا گل جاتا ہے۔ گائے کے پیشاب میں اتنی تیزابیت ہوتی ہے۔ اس لئے جا کر اپنا کچن لیپتے ہیں۔ تاکہ وہ جراثیم سب مرجائیں۔ کھانا محفوظ ہو جائے۔

اس پڑھے لکھے آدمی نے یہ کہا او ہو یہ فلسفہ تو آج معلوم ہوا ہے اور مجھے بڑی خوشی ہوئی تو اس نے کہا کہ پھر ایسا کرو ایک دن مجھے کسی لیبارٹری میں لے چلو

میرے پیشاب کو بھی ٹیسٹ کرو۔ اگر میرے پیشاب کے اندر تیزابیت زیادہ ہو تو
پھر آئندہ گائے کے پیشاب سے نہ لیتا۔ میرے پیشاب سے لیتا

عقل کی بغاوت

یہ وہ لوگ ہیں جو گرتی ہوئی دیوار کو سہارا نہیں دے سکتے ہیں۔ آج دنیا
اس بات کو ماننے کے لئے اور قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ طرح طرح کی
تاویلیں کرتے ہیں۔ طرح طرح کے نکتے پیدا کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا آج
یہودیت سے مقابلہ نہیں، نصرانیت سے مقابلہ نہیں، آج شرک سے مقابلہ نہیں۔
آج مقابلہ ہے عقل سے اور خرد کی بغاوت سے۔ آج سائنس سے مقابلہ ہے۔ اور
مجھے یہ بات کہنا چاہئے۔ اسلام نہیں کہتا کہ ہم عقل سے مقابلہ کریں ......
کیوں...... اسلام کہتا ہے کہ عقل بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ جس کام کے لئے اللہ
تعالیٰ نے یہ عقل دی ہے۔ اس کام میں عقل کو استعمال کرلو۔ اس سے بڑی بڑی چیزیں
ایجاد کرو۔ بڑی بڑی تحقیقات کرو۔ راکٹ بناؤ، چاند پر جاؤ اور جو کچھ دنیا میں تم
سے ممکن ہو سکے۔ یہ دنیا جو ہے، ورکشاپ ہے۔ یہاں اللہ نے تمام مادے کی چیزیں
رکھی ہیں۔ اوزار بھی، ہتھیار بھی رکھے۔ اب عقل کے ذریعے سے تم اس
ورکشاپ میں کیا بناتے ہو۔ ایک دوسرے کو کس طرح جوڑتے ہو۔ دو کو تیسرے
کے ساتھ کس طرح پروتے ہو۔ یہ تمہاری عقل کا کمال ہے۔ دنیا میں کرو اور
قیامت تک کرتے رہو گے۔ اسلام اس کے خلاف نہیں۔

اگر آپ چاند کے اوپر جاتے ہیں۔ اگر جاتے ہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ ہم
اس کے خلاف نہیں اور میرا یہ خیال ہے دوسرے مذاہب بھی اس کے خلاف
نہیں۔ جب خلا نورد چاند سے واپس آیا تو آپ کو معلوم ہے کہ امریکہ کے صدر
نے ان کا استقبال کیا۔ مذہبی پیشواؤں کو، پادریوں کو وہ لے کر آیا اور یہ کہا جب
خلا نورد زمین پر آئیں گے تو سب سے پہلے بائبل پڑھی جائے گی۔ تاکہ بارگاہ
خداوندی میں ہم شکر ادا کریں۔ کہ اس چاند پر جانے کی توفیق دی۔

آپ نے اگر وہ پروگرام دیکھا ہو گا تو آپ کو معلوم ہو گا۔ بائبل پڑھی گئی

اور وہ Sciencetist جو چاند کے اوپر گئے تھے وہ گردن جھکا کے ادب سے سن رہے تھے۔

ہم اور آپ ابھی تو ہم نے اور آپ نے کوئی راکٹ نہیں بنایا۔ لیکن ہمارے نوجوان جو ہیں وہ اس فکر میں ہیں کہ مولانا سائنس اتنی ترقی کر گئی ہے۔ مذہب کو چھوڑیئے اس میں کیا رکھا ہے اور جنہوں نے واقعی اتنی ترقی کر لی ہے۔ چاند پر پہنچ گئے ہیں وہ اترنے کے بعد بھی اپنے مذہب کو نہیں چھوڑتے۔

میں نے عرض کیا میں نہیں کہتا کہ عقل سے مقابلہ کیا جائے...... عقل کا اپنا میدان ہے۔ اللہ کی وحی کا اپنا میدان ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مقالہ لکھا ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ دنیا میں عدالتیں دو ہیں۔ ایک عقل کی عدالت ایک نقل کی عدالت' جیسے آپ کے ملک میں عدالتیں دو ہیں ایک دیوانی کی عدالت ایک فوجداری کی عدالت اور دیوانی کے معنی پاگل کے نہیں۔ اس لئے کہ لفظ دیوانے کے معنی پاگل کے بھی آتے ہیں تو اکبر الہ آبادی نے جب وہ ایک دیوانی عدالت کے منصف ہو گئے تھے تو انہوں نے اس پر بھی شعر لکھ دیا۔ انہوں نے کہا کہ

نہ گیا کار گزاری میں بھی وحشت کا خیال
جس عدالت کا وہ منصف ہو وہ دیوانی ہے

عقل اور نقل

دیوانی عدالت میں اور مقدمہ جاتا ہے۔ فوجداری عدالت میں دوسرے مقدمات جاتے ہیں۔ اگر فوجداری عدالت کا مقدمہ دیوانی میں لے جاؤ۔ جج کہے گا کہ ہمارا یہ حق نہیں جاؤ' فوجداری کا مقدمہ فوجداری میں لے جاؤ۔ اس طرح پر دو عدالتیں ہیں۔ ایک عدالت عقل کی عدالت ہے دوسری عدالت نقل کی عدالت ہے۔ اگر آپ نقل کا مقدمہ عقل کی عدالت میں لے جائیں گے کبھی جواب نہیں ملے گا دونوں عدالتیں الگ الگ ہیں۔ میں نے یہ بات اس لئے عرض کی ہم غلط

بحث نہیں کرتے۔ عقل کو عقل کا مقام کہتے ہیں۔ نقل کو نقل کا مقام کہتے ہیں۔
لیکن اگر یہ عقل چاہے کہ نقل کا مقام ہم حاصل کریں یہ قیامت تک کبھی ماننے کو
تیار نہیں۔ عقل کی رسائی عالم بالا تک نہیں ہے۔ عرش الٰہی تک نہیں ہے۔ علامہ
اقبال کا شعر ہے فرمایا کہ

عقل کو آستاں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں

اس کی قسمت میں وہ حضوری نہیں ہے جو اللہ نے نبی پیغمبر کو اور وحی کو
عطا فرمائی تو میں نے عرض کیا کہ آیئے جائزہ لیں۔ کہ اس وقت جو لوگ یہ کہتے ہیں
کہ انسانوں کو عقل کے ذریعے سے ضابطے اور اصول اور زندگی کی قدریں بنانی
چاہئیں۔ ہمیں نبی کی ضرورت نہیں۔

اسلام نے آپ کو اور ہمیں بھی اس کا موقع دیا تھا کہ اگر انسانوں کے
عقل کے ذریعہ سے اصول اور ضابطے بن سکتے ہے تو بنا کے دیکھو اور نہیں بنا سکتے۔
آج ہی میں صبح یونیورسٹی میں عرض کر رہا تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ کے دنیا میں
تشریف لانے سے پہلے جہاں اور بے چارے بچے پر ظلم ہو رہے تھے۔ وہاں انسانوں کے
سب سے کمزور طبقوں میں یہ ظلم ہو رہا تھا کہ مرنے والے کے ترکہ سے عورتوں
اور بچوں کو محروم کر دیا گیا۔ انسانوں نے اپنی عقل سے سوسائٹی میں جو کے ضابطے
بنائے تھے۔ میرے بیوی بچے نہیں' اپنے بیوی بچوں پر ظلم نہ کرو۔ انہوں نے اصول
ایسا بنایا تھا' ضابطہ ایسا بنایا کہ کسی عورت کو ترکہ نہیں ملے گا۔ کسی بچے کو ترکہ نہیں
ملے گا۔ اصول کیا ہیں۔ اصول یہ ہیں کہ جو تلوار لے کر میدان جنگ میں لڑنے کے
قابل ہو اس کو مرنے والے کا ترکہ ملے گا۔ بیوی کو ترکہ نہیں کیونکہ یہ تلوار لے
کے میدان جنگ میں لڑنے کے قابل نہیں اور وہ چھوٹے بچے' مرنے کے بعد' جو
یتیم ہونے والے ہیں وہ تلوار اٹھانے کے بھی قابل نہیں۔ میدان جنگ میں لڑنے
کے قابل کہاں سے آئے۔ ان بچوں کو بھی محروم کیا جائے۔

سارا گھر آ کے صاف کر دیا۔ مرنے والے کا جوان بیٹا آیا۔ ایک بیٹا سارے

گھر کو صاف کر کے لے گیا اور وہ گھر جو خوشحالی کی زندگی گزار رہا تھا اس گھر کی ملک
اور عورت بھی آج نان شبینہ کی محتاج...... یہ بچے یتیم بھی۔ اب تو کوئی بھیک بھی
ان کو دینے کے لئے تیار نہیں۔ ان کے پاس سونے اوڑھنے اور بچھونے کے لئے
سامان بھی نہیں۔ یہ ظلم انسانوں کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا۔ مگر انسان ٹس سے
مس نہیں کرتے۔ اور اس ظلم کو اپنے معاشرے میں دیکھ رہے تھے۔ یہ ظلم وحی
کے ذریعہ سے نہیں' نبی کے ذریعہ سے نہیں' انسانوں کے بنائے ہوئے ضابطے کے
ذریعے سے ہو رہا تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ آج سے یہ ظلم ہم نے ختم کر
دیا ہے۔ آج سے ہم نے یہ ظلم اس طریقہ پر ختم کر دیا کہ آئندہ سے ترکہ کی بنیاد
تلوار اٹھانا نہیں ہے۔ جس کے ذریعہ سے عورتوں کو اور بچوں کو محروم کیا گیا ہے۔
اب ہم بنیاد بتاتے ہیں۔ بنیاد یہ ہے کہ آپ کو حق دیتے ہیں کہ آپ کس کس کو دینا
چاہتے ہیں۔ کتنا کتنا دینا چاہتے ہیں۔

ابتدائے اسلام کے اندر وصیت کا حق دے دیا گیا تو اس کے بعد کیا ہوا۔
بیوی سے ناراض ہوئے اس کا نام نکال دیا۔ کسی ایک بچے سے خوش ہو گئے سارا
ترکہ اسے دے دیا۔ کسی محلے والے سے خوش ہو گئے سارا اسی کو دے دیا۔ باپ
سے رنجش ہو گئی' باپ کا نام نکال دیا...... مطلب یہ ہوا' ایک ظلم سے نجات ملی
ہے' انسانوں کو یہ حق دے دیا ہے کہ اچھا ترکہ کا اصول تم بناؤ۔ ترکہ کی مقدار تم
تجویز کرو۔ مگر آپ نے دیکھا کہ انسانوں نے اپنے ہی معاشرے میں اپنے ہی گھروں
پر بڑا ظلم کیا۔ اور اس کے نتیجہ میں انہوں نے یہ کیا کہ لڑکیوں کو ترکہ دو...... بعض
لوگ تو بے باک ہیں۔ ان کے دل میں خوف آخرت نہیں۔ ان کے دل میں سماج کا
خوف بھی نہیں لیکن بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو طبع حضوری کے اندر انہوں نے یہ
حیلہ نکالا۔ باپ کا انتقال ہوا' بہنوں کے پاس گئے اور جا کے کہا کہ ہمارے باپ کی
اتنی زمین ہے اس کا اتنا نکلتا ہے۔ اتنی جائیداد ہے' تمہارا حصہ اتنا نکلتا ہے۔ اتنا پیسہ
ہے تمہارا حصہ اتنا نکلتا ہے۔ اب اپنی بہنوں سے پوچھتے ہیں کہ آپ اپنا حصہ لیں
گی۔ یہ پوچھنے کی کیا بات ہے۔ یہ تو ایسی بات ہے کہ آپ کے یہاں کوئی مہمان

آگئے اور آپ یہ کہیں کہ آپ کھانا تو نہیں کھائیں گے۔ ان عورتوں اور بہنوں کو یہ بات معلوم ہے کہ ہمارے بھائی کا ارادہ دینے کا نہیں ہے۔ کیوں تعلقات خراب کریں۔ وہ عورتیں کہہ دیتی ہیں ہم نے آپ کو گفٹ کر دیا۔ ہم نے آپ کو ہبہ کر دیا۔ ہم نے معاف کر دیا۔ اور آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری بہنوں نے معاف کر دیا ہے' ہبہ کر دیا ہے۔ لہٰذا ہمارے لئے یہ حلال ہے لیکن آپ کے لئے وہ حلال نہیں ہے۔ قانون شریعت معلوم کیجئے۔ یہ ہبہ نہیں ہے۔ یہ غصب کرتا ہے' چھینتا ہے' علماء نے لکھا ہے کہ ہبہ اسے کہتے ہیں جو ہبہ کرنے والے کے ہاتھ میں اور قبضہ میں ہو۔ جب میرے قبضہ میں کچھ نہیں ہے تو پھر ہبہ کس چیز کا کرتا ہوا۔ ہاں ہبہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ جائیداد کا زمین کے کاغذات اس کے نام ہٹا کر اسے دے دیں۔ اس کا پیسہ بنک سے نکال کے اپ اسے دے دیں۔ اس کی جھولی میں ڈال دیں۔ اب اگر وہ چاہے ہبہ کرنا اب ہبہ کر سکتی ہے۔ مگر آپ کو معلوم ہے کہ اگر اس کے ہاتھ میں چلا گیا تو پھر کون ہبہ کرتا ہے۔ شریعت کی رو سے یہ ہبہ نہیں ہے۔ اسلام نے عورتوں کو حق دیا ہے اور بچوں کو حق دیا ہے۔ لیکن ہم نے اور آپ نے یہ بھی سوسائٹی کے اندر ظلم کیا ہے۔ کہ اس حق کو ہم نے اور آپ نے روک لیا۔ تو خیر بات یہ تھی ضابطہ اور اصول جو ہے وہ عقل کے ذریعہ سے نہیں ہونا چاہئے۔ وہ اللہ کی وحی کے ذریعہ سے ہونا چاہئے۔ دوسری خرابی اور ہے۔ اگر آپ عقل کے ذریعے ضابطے اور اصول مقرر کریں۔ نبی اور پیغمبر نہ ہو' اللہ کی وحی پر ہدایت نہ ہو۔ تو کیا نتیجہ نکلے گا.....؟

معجون مرکب

میں نے شاید پہلے بھی عرض کیا ہے۔ کلکتہ کے اندر لوگوں نے اپنی پسند کا ایک مذہب بنایا تھا جس کا نام ہے برہمو سماج..... برہمو سماج والے وہ لوگ تھے جنہوں نے کہا کہ اسلام کو تو مولویوں نے خراب کر دیا۔ عیسائیت کو پادریوں نے خراب کر دیا۔ ہندو ازم کو پنڈتوں نے خراب کر دیا۔ بدھ ازم کو راہبوں نے خراب کر دیا۔ اب ہم سب مل کے ان چاروں مذاہب کی تعلیمات کو لے کر ایک

خوبصورت اور اچھا مذہب بنائیں گے۔ وہ ایک معجون بنائیں گے۔ سارے مذہبوں
کو ملا کر... ایک معجون اور ایک مرکب...... اس کا نام برہمو سماج... اس میں
اسلام سے بھی لے لو...... عیسائیت سے بھی لو' بدھ ازم سے بھی لو۔ ہندو ازم
سے بھی لو۔ اور بہت اعلیٰ درجہ کے اصول تیار ہو گئے۔ مگر جتنے لوگوں نے برہمو
سماج کا مذہب بنایا تھا۔ انہیں لوگوں پر ختم ہوا۔ آگے نہیں چلا۔

کلکتہ میں ایک مشہور شخصیت تھی.... ڈاکٹر ٹیگور...... ڈاکٹر رابندر ناتھ
ٹیگور...... شاعر بھی ہیں۔ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی فرماتے ہیں کہ میں ایک
مرتبہ بحری جہاز کے ذریعہ سے یورپ سے ہندوستان کلکتہ کی بندرگاہ کی طرف آ رہا
تھا۔ فرمایا کہ اس جہاز میں ٹیگور بھی تھا۔ ہندو اور عیسائی نوجوان بھی تھے۔ بعض
نوجوانوں نے رابندر ناتھ ٹیگور سے یہ سوال کیا کہ آپ کلکتہ میں رہتے ہیں۔ ذرا
ہمارے سوال کا جواب دیجئے۔ کہ جن لوگوں نے برہمو سماج اپنی پسند کا مذہب بنایا
تھا۔ اسلام میں تو انہیں کیڑے نظر آئے۔ عیسائیت میں انہیں کیڑے نظر آئے۔ بدھ
ازم میں انہیں کیڑے نظر آئے۔ عیسائیت یہ تو ان کی اپنی پسند کا مذہب تھا۔ یہ چلا
کیوں نہیں...... ٹیگور سے سوال کیا۔ ڈاکٹر ٹیگور نے جواب دیا اور سید صاحب یہ
فرماتے ہیں کہ جواب سن کے میں بہت خوش ہوا۔ ٹیگور نے یہ جواب دیا کہ برہمو
سماج والوں نے اصول تو اچھے اچھے بنائے لیکن ان کے اصول کے اوپر عمل کر کے
دکھانے والی پیغمبرانہ شخصیت نہیں ہے۔ برہمو سماج کا کوئی نبی نہیں۔ جو
ان تعلیمات کے اوپر عمل کر کے دکھائے۔ کہ دیکھو یہ تعلیمات ہیں۔ یہ میرا عمل
ہے' جیسے اسلام دنیا میں آیا' قرآن و سنت کی یہ تعلیمات ہیں اور سرکار دو عالم
ﷺ کی عملی شکل ہیں۔ ان کی عملی تصویر ہے۔

اس نے کہا کہ برہمو سماج والوں نے اصول تو اچھے اچھے بنائے ہیں مگر ان
کے پاس کوئی نبی نہیں اور اس نے کہا کہ جن تعلیمات پر عمل کر کے رکھنے والی
کوئی پیغمبرانہ شخصیت نہ ہو۔ وہ تعلیمات دنیا میں چلا نہیں کرتی ہیں وہ زمین میں دفن
ہو جاتی ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر انسان عقل کے ذریعہ سے اچھے اچھے

اصول بھی اگر ہمارے اور یہ طے کرنا مشکل ہے کہ اچھا ہے یا نہیں۔ کیونکہ ہم اور
آپ تو بہت پیچھے ہیں۔ جن ملکوں کو ہم سمجھتے ہیں کہ وہ بہت آگے ہیں۔ ان کی
عقلیں بھی بہت آگے ہیں۔ ان کو دیکھئے۔

ایمانداری سے بتائیے کیا امریکہ کے اندر ایک زمانے میں شراب قانون کے
خلاف نہیں تھی۔ جرم تھی مگر جب شرابیوں کی اور چرسیوں کی تعداد زیادہ ہو گئی
اور پارلیمنٹ کے اندر شرابیوں کے ووٹ زیادہ ہو گئے تو شراب پینا داخل تہذیب
ہو گیا۔

اب آپ مجھے بتائیے کہ پہلے وہ باطل تھا یا اب یہ باطل ہے۔ پہلے وہ حق
تھا اب یہ حق ہے۔ تو آپ کے نعرے تو روز تبدیل ہوں گے۔ ہمیں یہ معلوم ہی
نہیں ہے کہ بتائیے خیر کسے کہتے ہیں۔ شر کسے کہتے ہیں۔؟

توہین انسانیت

برطانیہ کی پارلیمنٹ کے اندر حیرت کی بات ہے۔ جس کی تہذیب اور جس
کی دانشوری سے ساری دنیا متاثر ہے۔ لیکن افسوس یہ بدنما داغ بھی آپ دیکھئے
چلئے۔

برطانیہ کی پارلیمنٹ نے پچھلے دنوں یہ قانون پاس کیا کہ اگر مرد کا مرد
کے ساتھ اگر ناجائز تعلق ہو جائے تو یہ قانون کے خلاف نہیں۔ یہ بھی داخل
تہذیب ہے۔

آپ مجھے ایمانداری سے بتائیے کہ انسان کی عقل اس قابل ہے کہ آپ
اس کو یہ حق دیں کہ خیر کسے کہتے ہیں شر کسے کہتے ہیں۔ اس کو یہ معلوم نہیں ہے
کہ خیر کا وجود کس طرح آتا ہے۔ شر کی تعریف کیا ہے۔ علامہ اقبال نے کہا ہے۔

خرد واقف نہیں ہے نیک و بد سے
بڑھی جاتی ہے ظالم اپنی حد سے

نبی کا وجود

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ درحقیقت عقل انسانی کو یہ شعور نہیں ہے کہ وہ خیر و شر کے بارے میں آپ کو ہدایت کر سکے۔ اور اگر وہ مقرر کر لے تو وہ چل نہیں سکتی۔ کیونکہ اس کا کوئی نبی کوئی اور پیغمبر نہیں ہے۔ تعلیمات دنیا میں وہی چل سکتی ہیں کہ جو اللہ کی وحی کے ذریعے سے آئے۔ نبی اور پیغمبر اس کا عملی نمونہ ہو۔

میرے دوستو! ہم اور آپ بڑے خوش قسمت ہیں۔ ہمیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا نبی اور ایسا پیغمبر عطا فرمایا ہے جو تمام نبیوں میں سے افضل ہے۔ جن کی تعلیمات ساری دنیا کے اندر اپنا لوہا منوا چکی ہے۔ ساری دنیا کے لوگ اس بات کو ماننے کے لئے تیار ہیں کہ اسلام کی تعلیمات سے بڑھ کر دنیا میں کسی مذہب نے ایسی تعلیمات کو پیش نہیں کیا۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آپ اس پر غور کریں۔ ہم اور آپ ایک آزاد ملک میں ہیں اور یہ اس لئے بنا ہے کہ یہاں پر ہم اللہ اور اس کے رسول کا قانون جاری کریں گے۔ لیکن اگر اس ملک میں ہم نے اور آپ نے عقل کو یہ حق دیا کہ وہ ضابطے بنائے وہ اصول مقرر کرے اور وہ قدریں بنائیں تو میرے دوستو ہمیں یقین نہیں ہے۔ کہیں خیر کی جگہ شر، شر کی جگہ خیر آ جائے۔ ایک ہی طریقہ ہے اور وہ طریقہ یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت، آپ کے لائے ہوئے دین کو جو آپ نے خیر و شر کا معیار بنایا ہے اس کو اپنائیں اور اس پر عمل کریں۔ تو معلوم یہ ہوا۔ اس زمانے میں مقابلہ عقل سے ہے۔ یہودیت سے نہیں ہے، نصرانیت سے نہیں ہے، مشرک مذہب سے نہیں۔ تو ہمیں حضور ﷺ کے اسوہ پر عمل کرنا چاہئے۔

ہم ہر سال، اس سال بھی، سیرت کے جلسوں میں بڑے ذوق و شوق سے شریک ہوتے ہیں اور یہ بھی سمجھتا ہوں کہ یہ آپ کی محبت ہے۔ حضور اکرم ﷺ سے، لیکن ساتھ ہی ساتھ اگر ہم اور آپ، آپ کی زندگی اور آپ کی سیرت کو اپنانے کی کوشش نہ کریں، صرف تعریف کریں۔ تو میرے دوستو ہمیں اور آپ کو ثواب تو بے شک ملتا ہے مگر یہ کہ وہ مقصد پورا نہیں ہوتا جس مقصد کے لئے سرکار

دو عالم ﷺ تشریف لائے ہیں۔ جس کی خاطر آپ نے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ یہ دنیا ہم جانتے ہیں کہ اس قابل نہ تھی کہ حضور ﷺ کو یہاں آنے کی زحمت دی جاتی۔ مگر کوئی ایسا اہم مقصد تھا جس کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ تشریف لائے۔ اور وہ یہی تھا کہ دنیا کے انسانوں میں آپ اپنی لائی ہوئی دین کی اور شریعت کی تعلیمات کو ان کے اندر پیدا کریں۔ جب تک ہم اور آپ عمل نہیں کریں گے۔ ہماری سچی اور حقیقی محبت کا اظہار نہیں ہو گا۔ (ختم شد)

(از ماہنامہ الخیر ملتان)

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے جتنے بھی رسول حق تعالیٰ نے مبعوث فرمائے ہیں ان کو نشانِ صداقت کے طور پر کچھ ایسی صفتیں عطا فرمائیں جو دوسروں کے لئے باعث حیرت ہوں، اور ان کا مقابلہ کرنا بس سے باہر ہو۔

پیغمبروں کی ایسی علامات صداقت کو شرعی اصطلاح میں معجزات کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تمام پیغمبروں اور رسولوں کو جتنے بھی معجزے عطا فرمائے گئے وہ اور ان سے بڑھ کر معجزات آخر الانبیاء اور خاتم المرسلین ﷺ کو عطا کئے گئے۔ انبیاء سابقین کے تمام معجزات کا تعلق زمین سے تھا۔ اور ان کا ظہور صرف زمین پر ہوا۔ لیکن حضور اکرم ﷺ کو جس طرح اور بہت سے کمالات اور منصب نبوت و رسالت کے اعتبار سے امتیاز بخشا وہاں اسی طرح معجزات کی کمیت اور کیفیت اور ان کی نوعیت کے لحاظ سے بھی خصوصیت کی رعایت کی گئی۔

آپ کے معجزات کا ظہور زمین پر بھی ہوا اور کواکب و سموات کی بلندیوں پر بھی۔ پھر آپ کے خصوصی اور امتیازی معجزات بھی بہت سے ہیں جن میں سے بعض کا وجود دائمی اور استمراری ہے۔ جیسے قرآن پاک اور دین اسلام کی بقاء و تحفظ قیامت تک اور بعض معجزات اپنے وجود کے اعتبار سے وقتی ہیں اور بقائے شہرت کے اعتبار سے دائمی نیز یہ کہ بعض کا تعلق عالم شہادۃ اور عالم مثال سے ہے۔ اور بعض کا تعلق عالم غیب سے اور عالم آخرت جیسے شفاعت کبریٰ کہ اس کا ظہور عالم آخرت میں ہوگا۔ جو کہ عالم غیب ہے۔ اور معجزہ اسراء معراج جو آپ کے خصوصی اور مشہور ترین معجزات میں سے ہے۔ اس کا ظہور حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں ہوا۔ اس معجزے کا تعلق عالم دنیا اور عالم شہادت سے بھی ہے۔ اور عالم مثال سے بھی۔ اس معجزے کے بارے میں تمام صحابہ تابعین اور علماء اسلام کا اتفاق ہے۔ کہ اسراء معراج یعنی اس معجزے کے دونوں حصوں کا وقوع ایک مرتبہ

بحالت بیداری ہوا ہے۔ جس پر اس واقع کی تفصیلات شاہد ہیں کیونکہ
حضور اکرم ﷺ نے صبح کو جب کفار قریش کے سامنے بیت المقدس تک کے سفر
اسراء کو بیان فرمایا تو کفار نے نہ صرف اس پر تعجب کیا بلکہ آپ کا مذاق اڑایا اور
بیت المقدس اور اس کے راستے کی علامتیں اور نشانیاں دریافت کیں۔

اگر یہ محض ایک خواب ہوتا تو اس طرح کا خواب دیکھنا نہ کوئی معجزہ ہے۔
اور نہ رسولوں اور پیغمبروں کی یہ خصوصیت ہے۔ ایک عام مسلمان بلکہ ایک کافر
بھی دور دراز مقامات میں جانے کا خواب دیکھ سکتا ہے۔ نہ اس کے خواب دیکھنے کی
ایسی اہمیت تھی کہ آپ مجمع کفار میں جا کر اس کو امتیازی شے کے طور پر بیان
فرماتے اور نہ کفار ہی کو اس پر تعجب کرنے اور آپ کا مذاق اڑانے کی کوئی وجہ ہو
سکتی تھی۔ نہ بیت المقدس کی نشانیاں دریافت کرنا کوئی معقولیت تھی۔ اس معجزہ
اسراء و معراج کے علاوہ بھی آپ کو روحانی اور جسمانی طور پر معراج ہوئی ہے۔
اور ایک دو صحابہ ؓ سے جو مروی ہے کہ انہوں نے معراج کو روحانی کہا ہے۔ اس
سے مراد یہ معجزہ معراج نہیں ہے بلکہ دوسری مثالی اور روحانی معراج ہے۔

غرض یہ معجزہ بھی حضور اکرم ﷺ کے مشہور ترین اور خصوصی معجزات
میں سے ہے۔ اس معجزے کے دو حصے ہیں ایک مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک اور
دوسرا بیت المقدس سے عرش الٰہی تک۔ پہلے حصے کو اصطلاحی طور پر اسراء کہا جاتا
ہے۔ اور دوسرے حصے کو معراج اور کبھی دونوں حصوں کے مجموعہ کو بھی معراج یا
اسراء کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

معجزہ اسراء و معراج کب پیش آیا۔ اس بارے میں علماء سیرت کی مختلف
رائیں ہیں۔ راجح قول یہی ہے کہ ۱۰ نبوی میں شعب ابی طالب سے واپس مکہ
مکرمہ آپ کے تشریف لے آنے کے بعد خواجہ ابو طالب اور خدیجۃ الکبریٰ ؓ کا
انتقال ہوا۔ جس کا آپ کو بہت صدمہ ہوا اور یہ سال عام الحزن کہلایا اور
روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ کی وفات پر پانچ نمازیں
فرض ہونے سے پہلے ہوئی ہے۔ بہرحال اور راجح اور قوی رائے یہی ہے کہ سفر

طائف سے واپسی کے بعد ۱۱ یا ۱۲ نبوی میں معراج کا واقعہ پیش آیا ہے۔ اسی طرح مہینہ کی تعیین میں بھی تھوڑا سا اختلاف ہے۔

مشہور رائے یہی ہے کہ ۲۷ رجب کی شب میں آپ کو سفرِ اسراء یعنی مسجد حرام سے بیت المقدس تک آپؐ کا تشریف لے جانا قرآن حکیم میں اجمال کے ساتھ صراحتاً بیان فرمایا گیا ہے۔ اور سفرِ معراج کے مختلف حصے قرآن کریم میں دوسری جگہ ذکر کئے گئے ہیں۔ متعدد احادیث میں حضور اکرم ﷺ نے اپنے اس معجزے کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شب حضور اکرم ﷺ ام ہانیؓ کے مکان میں آرام فرما رہے تھے۔ آپؐ پوری طرح سوئے ہوئے نہیں تھے۔ نیم خوابی کی حالت میں دیکھا" آپؐ نے دیکھا کہ مکان کی چھت کھلی اور اس میں سے حضرت جبرئیل امین اترے اور ان کے ساتھ کچھ اور فرشتے اترے۔ حضرت جبرائیل نے شق صدر کرکے آپ کا قلب نکالا اور آبِ زمزم سے دھویا۔ اور اس کو ایمان و ایقان اور حکمت و معرفت سے پر کرکے سینہ میں رکھ دیا۔ اور سینہ کو درست کر دیا گیا۔ اس کے بعد آپ کے سامنے جنت کی ایک نہایت تیز رفتار سواری براق کو پیش کیا گیا۔ آپؐ اس پر سوار ہوئے اور بیت المقدس کے سفر کا آغاز ہوا۔ راستے میں ایک ایسی جگہ آپ کا گزر ہوا جہاں کثرت سے کھجور کے درخت تھے۔ حضرت جبرائیل نے آپؐ سے کہا کہ یہاں اتر کر نماز پڑھیے۔ آپ نے دو نفل نماز پڑھی۔ جبرائیل امین نے دریافت کیا۔ آپؐ کو معلوم ہے۔ "آپ نے کس جگہ نماز پڑھی ہے۔"

آپ نے فرمایا "مجھے نہیں معلوم" حضرت جبرئیل نے کہا آپؐ نے یثرب میں نماز پڑھی ہے۔ جہاں آپ ہجرت کریں گے۔

آپؐ وہاں سے روانہ ہوئے تو راستے میں وادی سینا پر گزر ہوا۔ جبرائیل علیہ السلام نے وہاں بھی اسی طرح نماز پڑھوائی۔ اور آپؐ نے نفل نماز پڑھی۔ حضرت جبرائیل نے بتایا کہ یہ وادی سینا ہے۔ اور آپؐ نے شجرہ موسیٰ کے قریب نماز پڑھی ہے۔ جہاں حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ یہاں

سے براق پر سوار ہو کر آپؐ چلے تو راستہ میں شہر مدین آیا جو کہ حضرت شعیب علیہ السلام کا وطن تھا۔ اسی طرح آپؐ نے وہاں بھی نماز پڑھی۔ وہاں سے روانہ ہوئے تو راستہ میں ایک مقام آیا۔ حضرت جبرائیل امین نے اتر کر نماز پڑھنے کے لئے کہا۔ آپؐ نے اس جگہ بھی نماز نفل ادا فرمائی۔ بعد میں حضرت جبرائیل امین نے اس جگہ کے متعلق یہ فرمایا کہ یہ بیت اللحم ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش ہے۔

گویا اس سفر میں ان مقامات ارضی کی بھی آپ کو سیر کرائی۔ جن کو الگ الگ انبیاء سابقین کے ساتھ شرف نسبت حاصل تھا۔ اسی طرح آپؐ کو عالم مثال کی بھی بہت سی چیزیں اس معجزے کے دوران مشاہدہ کرائی گئیں۔ اور روایات میں بیان کی ترتیب سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ مشاہدات سفر اسراء میں بیت المقدس پہنچنے سے پہلے کرائے گئے ہیں۔ اس لئے ان کا ذکر براق پر سوار ہونے کے بعد متصلاً اور مسجد اقصیٰ پہنچنے کے واقعات سے پہلے کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر یہی ہے کہ عالم مثال کے یہ مشاہدات عروج سموٰت سے پہلے کے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ آپ براق پر سوار ہو کر جا رہے تھے راستے میں ایک بوڑھی عورت کے پاس سے آپ کا گزر ہوا۔ اس نے آپ کو آواز دی۔ حضرت جبرائیل جو آپ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے فرمایا آپ چلئے اس کی طرف التفات نہ کیجئے اور آگے چلے تو ایک بوڑھا مرد نظر آیا۔ اس نے بھی آواز دی۔ جبرائیل امین نے کہا کہ آپ چلتے رہئے۔ اس کی طرف توجہ نہ دیجئے۔ پھر آگے چلے تو آپ کو چند حضرات جنہوں نے آپ کو سلام کیا۔ حضرت جبرئیل نے کہا کہ ان کے سلام کا جواب دیجئے۔ اس کے بعد جبرائیل امین نے بتایا کہ وہ بوڑھی عورت جو راستے میں ایک طرف کھڑی تھی اور آپ کو آواز دے رہی تھی' وہ کیا تھی' دنیا کی اب اتنی ہی عمر باقی رہ گئی ہے۔ جتنی اس عورت کی باقی ہے۔ اور وہ جو بوڑھا مرد جس نے آپ کو بعد میں آواز دی تھی وہ شیطان تھا۔ ان دونوں کا مقصد آپ کو اپنی طرف مائل کرنا تھا۔ اور چند حضرات کی جماعت جو آخر میں ملی تھی۔ جنہوں نے آپ کو سلام کیا تھا۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ

السلام ' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔

راستے میں آپ کا گزر ایک قوم پر بھی ہوا جن کے تانبے کے ناخن تھے اور وہ ناخنوں سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ اور کھسوٹ رہے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے جبرائیل امین سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں۔؟ حضرت جبرائیل امین نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو آدمیوں کا گوشت کھاتے ہیں۔ یعنی ان کی غیبت کرتے ہیں۔ اور ان کی آبرو ریزی کرتے ہیں۔ ایک شخص کو آپ نے دیکھا کہ ایک نہر میں تیر رہا ہے۔ اور پتھروں کا لقمہ بنا بنا کر چبا رہا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہے۔؟ جواب دیا کہ یہ سود خور ہے۔ کچھ لوگوں کے پاس سے آپ کا گزر ہوا جو اس طرح کاشت کر رہے ہیں کہ ایک دن میں تخم ریزی بھی کرتے ہیں۔ اسی دن میں کھیتی بھی کاٹ لیتے ہیں۔ کاٹنے کے بعد کھیتی پھر ویسے ہی سرسبز و شاداب ہو کر لہلہانے لگتی ہے جیسی پہلے تھی۔ آپ نے حضرت جبرائیل سے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ حضرت جبرائیل نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ ان کی ایک نیکی اس طرح سات سو گنا سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ اس کا نعم البدل عطا فرماتا ہے۔ پھر آپ کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے تھے اور کچل جانے کے بعد پھر ویسے ہی ہو جاتے تھے۔ جیسے پہلے تھے۔ یہی سلسلہ جاری رہا۔ جو ختم نہیں ہوتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو فرض نمازوں میں کاہلی کرتے تھے۔ اثنائے راہ میں آپ نے ایک قوم کو دیکھا کہ جن کی زبانیں اور ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں۔ اور کٹ جانے کے بعد پھر صحیح سالم ہو جاتے ہیں اور پھر کاٹے جاتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ جو ختم نہیں ہوتا۔ آپ نے دریافت فرمایا تو حضرت جبرائیل امین نے کہا کہ یہ آپ کی امت کے وہ واعظ ' خطیب اور مقرر ہیں جو دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں اور خود عمل نہیں کرتے۔ اس سفر اسراء کے یہ واقعات ہیں جن کا تعلق عالم مثال

سے ہے۔ اور امت کے لئے سبق آموز اور درس عبرت ہیں۔ غرضیکہ آپ نہایت تیز رفتار براق پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچے۔ براق اس حلقہ میں باندھا جس میں انبیاء کرام علیہ الصلوۃ والسلام اپنی اپنی سواریوں کو باندھا کرتے تھے۔ مسجد اقصیٰ میں حضور تشریف لے گئے۔ اور دو رکعت نماز ادا فرمائی مسجد اقصیٰ میں حضور اکرم ﷺ کے اعزاز کے طور پر استقبال کے لئے حق تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہ الصلوۃ والسلام کو جمع فرمایا تھا۔ تھوڑی دیر میں اذان دی گئی۔ اس کے بعد صفیں بنا کر تکبیر کہی گئی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور اکرم ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر امامت کے لئے آگے بڑھایا۔ آپ نے امام بن کر سب کو نماز پڑھائی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو حضرت جبرائیل امین نے پوچھا آپ کو علم ہے کہ یہ کون لوگ ہیں جن کو آپ نے نماز پڑھائی ہے۔؟ آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ جبرائیل امین علیہ السلام نے کہا کہ جتنے نبی حق تعالیٰ نے مبعوث فرمائے ہیں۔ ان سب نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ بیت المقدس میں آپ کے تشریف لانے کے بعد آسمان سے فرشتے بھی نازل ہوئے اور انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے ساتھ ملائکہ نے بھی آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ بیت المقدس میں تمام انبیاء کرام اور ملائکہ کا آپ کو امام بنانا اشارہ تھا آپ کے سید الاولین ہونے کی طرف۔ اس کے بعد آپ کے دوسرے سفر کا آغاز ہوا۔ اور سموات کی طرف آپ نے عروج فرمایا۔ آسمان دنیا پر پہنچے تو وہاں کے دربان فرشتوں نے دریافت کرنے کے بعد دروازہ کھولا۔ اندر داخل ہوئے تو ایک نہایت بزرگ شخص کو آپ نے دیکھا۔ حضرت جبرائیل نے تعارف کرایا۔ کہ یہ آدم علیہ السلام ہیں۔ ان کو سلام کیجئے۔ آپ نے سلام کیا۔ حضرت آدم نے جواب دیا۔ اور مرحبا کہا اور دعائے خیر دی۔ آپ نے دیکھا کچھ صورتیں حضرت آدم کے داہنی جانب ہیں اور کچھ بائیں جانب ہیں جب حضرت آدم علیہ السلام داہنی جانب دیکھتے ہیں۔ تو خوش ہوتے ہیں اور ہنستے ہیں اور بائیں جانب نظر کرتے ہیں تو روتے ہیں۔ آپ کے دریافت کرنے پر حضرت

جبرائیل نے بتایا کہ دائیں جانب ان کی نیک اولاد کی صورتیں ہیں اور بائیں جانب
بری اولاد کی صورتیں ہیں پھر آپ دوسرے آسمان پر تشریف لے گئے تو حضرت یحییٰ
اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آپ کی ملاقات کرائی گئی۔ انہوں نے کلمات
ترحیب کہے اور دعائیں دیں۔ تیسرے آسمان پر اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام
سے تعارف اور سلام و کلام ہوا۔ چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے
پانچویں پر حضرت ہارون علیہ السلام اور چھٹے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں
پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے ملاقات کرائی گئی۔ ان سب حضرات نے آپؐ کا
پرجوش استقبال کیا۔ علماء کرام نے لکھا ہے اس ترتیب سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ
والسلام کے ساتھ ملاقات کرانا حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے ادوار کی جانب
اشارہ تھا۔ اس کے بعد آپؐ نے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف عروج فرمایا۔ سدرۃ المنتہیٰ
ساتویں آسمان پر ایک بہت بلند بیری کا درخت ہے۔ زمین سے جو چیز اوپر اٹھائی
جاتی ہے وہ پہلے یہاں تک جاتی ہے اس کے بعد اوپر اٹھائی جاتی ہے۔ اسی طرح ملا
اعلیٰ سے جو چیز نازل ہوتی ہے وہ پہلے وہاں آکر ٹھہرتی ہے۔ پھر وہاں سے نیچے اترتی
ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ سے مقام صریف الاقلام کی جانب آپ اوپر تشریف لے گئے۔
جہاں کاتبان قضا وقدر اور لوح محفوظ سے فرشتے جو امور اور احکام خداوندی نقل
کرتے ہیں۔ ان کے قلموں کے لکھتے ہوئے آپؐ نے آواز سنی۔ اس کے بعد آپؐ
قرب خداوندی کے اس بلند ترین مقام میں تشریف لے گئے۔ جہاں حق تعالیٰ نے
آپؐ سے کلام فرمایا۔ اور آپؐ کو خاص وحی سے نوازا گیا۔ اس وحی میں حق تعالیٰ
نے حضور اکرم ﷺ کے وہ اوصاف اور خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔ جو آپ کے سوا
کسی اور مخلوق کو عطا نہیں کی گئیں۔ غرض اسراء و معراج حضور اکرم ﷺ پر حق
تعالیٰ کا خصوصی انعام اور امتیازی معجزہ ہے۔ اور اس معجزاتی سفر میں قرب خدا
وندی کی آپؐ کو وہ معراج عطا ہوئی ہے۔ جو مخلوقات میں اور کسی کو نصیب ہوئی نہ
ہوگی۔ (ماخوذ ماہنامہ حمایت الاسلام)

شب برات

برکت والی راتیں

بعد خطبہ ماثورہ..... حٰمٓ ○ وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ○ اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ ○ اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ ○ فِیْھَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ ○ صدق اللہ.......

بزرگان محترم اور برادران عزیز !

اس وقت سورۃ دخان کی ابتدائی آیتیں آپ کے سامنے تلاوت کی گئی ہیں۔ یہ ایک مشہور سورۃ ہے۔ اور اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی رات کا ذکر فرمایا ہے کہ جو برکت والی ہے۔ اگرچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اور بھی راتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً لیلۃ القدر اور لیلۃ الاسراء ' معراج کی رات '
سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی.....

یہ اسراء اور معراج کی رات کہلاتی ہے۔ یہ ایک علمی فرق ہے۔ کہ مسجد الحرام سے بیت المقدس تک کا جو سفر ہے یہ اسراء کہلاتا ہے۔ اور مسجد اقصیٰ سے عرش الٰہی تک کا سفر معراج کہلاتا ہے۔ لیکن اس سفر کے دونوں حصوں اور منزلوں کو سفر معراج اور معراج سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ صرف علمی فرق ہے۔ ایک ایسی رات کا بھی ذکر فرمایا ہے کہ جس میں سرکار دو عالم ﷺ مسجد حرام سے بیت المقدس تک اور بیت المقدس سے عرش الٰہی پر تشریف لے گئے۔ اس کے علاوہ بعض ایسی راتوں کا بھی ذکر فرمایا ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک محترم ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے دس دنوں کی اور دس راتوں کی اور قسم ہمیشہ ان چیزوں کی کھائی جاتی ہے کہ جس کی عظمت ہے۔ جن کا احترام ہے۔ جن کا تقدس ہے۔

وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ..... قسم ہے فجر کی اور دس (عظمت والی) راتوں کی۔

میں نے اس سے پہلے کئی مرتبہ یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ جس کی قسم کھائی گئی۔ یہ سمجھ لو اس کا احترام دل میں باقی ہے۔ ذلیل چیز کی قسم کوئی نہیں کھاتا۔ جو لوگ اپنی آنکھوں، سر کی اور باپ کی قسمیں کھانے کے عادی ہیں۔ گو یہ طریقہ اسلام میں قسمیں کھانے کا نہیں ہے۔ بلکہ اسلام میں منع ہے مگر میں یہ بتا رہا ہوں کہ جو آدمی آنکھوں کی قسم کھاتا ہے، سر کی قسم کھاتا ہے وہ بھی اپنے ہاتھوں کی قسم حقیقی کھاتا۔ کیونکہ جسم انسانی میں جو اعضاء بہت اہم ہیں ان کی قسم کھاتا ہے۔ اسی طرح نہایت اہمیت رکھنے والی ذات اور ہستی کی قسم کھائی جاتی ہے اور صرف وہ اللہ ہے یا اللہ کا کلام ہے۔ تو میں نے عرض کیا کہ جہاں قسمیں کھائیں اللہ تعالیٰ نے دس راتوں کی اور راتوں سے مراد دن اور رات دونوں ہیں۔ کیونکہ ہمارے ہاں اصل ہے رات، جو رات کی تاریخ ہوتی ہے وہی اگلے دن، دن کی تاریخ ہوتی ہے۔

قسم ہے فجر کی اور قسم ہے دس راتوں کی، بعضوں نے کہا کہ یہ دس راتیں ذی الحجہ کی ہیں۔ ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں۔ بعضوں نے کہا کہ یہ عشرہ محرم کی دس راتیں ہیں اور دس دن لیکن بہرحال ان دس راتوں کا بھی ذکر فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بعض ایسی راتوں کا بھی ذکر فرمایا ہے کہ جس میں کسی کی تعیین نہیں رات رات ہے۔ فرمایا کہ

وَالضُّحٰى وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ○ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ○

قسم ہے دن کی اور قسم ہے رات کی اور اگر آپ دیکھیں تو ایک رات لیلۃ القدر ہوئی اور ایک رات لیلۃ مبارک ہوئی۔ اور ایک رات لیلۃ الاسراء ہوئی۔ ان سب کو چھوڑ کر اگر آپ دیکھیں گے تو یہ میرے اور آپ کے اختیار میں ہے کہ ہم اور آپ ہر رات کو لیلۃ القدر بنا لیں اور ہر رات کو لیلۃ البرات بنا لیں فرمایا کہ

اے خواجہ چہ پرسید زشب قدر نشانی
ہر شب شب قدر است اگر قدر بدانی

رات کی عبادت کی لذت

ہر رات کو اگر آپ جاگیں اور اللہ کی یاد میں آپ نوافل پڑھیں اور تلاوت کریں تو آپ نے تو ہر رات کو لیلۃ القدر بنا دیا۔ رات عبادت کے لئے مخصوص ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رات تو رات ہے۔ انسانوں کے عمل سے دو راتیں مشہور ہو گئیں۔ شب عابداں اور شب دزداں نیک لوگوں کی رات اور چوروں کی رات ' ایک آدمی جب رات ہوئے دیکھتا ہے کہ خلق خدا سو گئی ہے اور ایک کالی چادر بچھا دی گئی ہے پھر اندھیرے میں اللہ کے مخلص بندے کھڑے ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر اللہ سے باتیں کرتے ہیں۔ یہ شب بیدار لوگ ہیں۔ یہ عابدوں کی رات ہے۔ اس رات کا وہ اس طرح انتظار کرتے ہیں جس طرح ہم اور آپ دن کا انتظار کرتے ہیں۔ ان کو شوق ہے۔ ان کے لئے رات میں لذت ہے۔ دن میں لذت نہیں۔ خلوت میں لذت ہے جلوت میں لذت نہیں۔

حضرت پیران پیر کا واقعہ

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور واقعہ ہے کہ سلطان سنجر ' سنجر ایک جگہ کا نام ہے۔ جہاں کے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اس لئے وہ سنجری بھی ہیں۔ سنجر سے چل کر بغداد آئے۔ بغداد سے چل کر دہلی آئے۔ اور دہلی سے پھر آکر اجمیر میں قیام پذیر ہوئے۔ تو سنجر ایک جگہ کا نام ہے۔ سلطان سنجر نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ کہا کہ میں آپ کو اپنی سلطنت کا اور ریاست کا ایک حصہ دینا چاہتا ہوں۔ تاکہ آپ اس کی آمدنی سے فراغت کے ساتھ اللہ کی عبادت کیا کریں۔ کہ انہوں نے یہ پیشکش واپس کر دی اور واپس کرکے یہ لکھا کہ

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد
در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم

سنجر کی چھتریاں بھی مشہور ہیں۔ چتر کہتے ہیں چھتری کو، اور چھتری کا فلسفہ یہ ہے کہ چھتری ہمیشہ کالے رنگ کی ہوتی ہے۔ کیونکہ کالے رنگ کی یہ خاصیت ہے کہ آفتاب کی تیزی کو، دھوپ کی شدت کو، سورج کی شعاعوں کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ یہ خاصیت زرد رنگ میں نہیں ہے۔ ہرے رنگ میں نہیں ہے۔ سفید رنگ میں نہیں ہے۔ بلکہ سفید رنگ دور پھینکتا ہے۔ اور کالے رنگ میں یہ خاصیت ہے کہ آفتاب کی تیزی کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ اور کالے رنگ کے کپڑے کے نیچے جو آدمی ہوتا ہے اس کو دھوپ کی تیزی محسوس نہیں ہوتی۔ اس لئے ہمیشہ چھتری کالی ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں۔ جس طرح سنجر کی چھتری کالی ہوتی ہے۔ خدا کرے میرا مقدر بھی ایسے ہی کالا ہو جائے۔ اگر میرے دل میں تیرے ملک سنجری ذرا بھی کوئی قدر و منزلت ہو۔ فرمایا کہ

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد
در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم

مجھے تیرے ملک سنجری کوئی پرواہ نہیں ہے.........کیوں........؟

اللہ والوں کی دنیا سے بے نیازی کی وجہ

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بزرگان دین جو بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں۔ یہ بناوٹی نہیں۔ ہمیشہ یاد رکھئے کہ جس آدمی کی جیب میں کوئی پیسہ نہ ہو وہ اگر بڑا بول بولے گا تو صاف پتہ چل جائے گا کہ میاں صاحب کی جیب میں کچھ بھی نہیں۔ بات اتنی بڑی بڑی کر رہا ہے۔ اور جس کی جیب میں رقم ہوتی ہے وہ جب بات کرتا ہے تو پتہ چل جاتا ہے کہ خالی نہیں ہے۔ فرمایا کہ یہ جو اللہ والے ریاستوں پہ، سلطنتوں پہ لات مار دیتے ہیں تو فرمایا کہ ان کی باتوں سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ ان کی باتیں خالی نہیں ہیں۔ ان کے پاس بھی کوئی سلطنت ہے۔ تبھی تو اس سلطنت کو خاطر میں نہیں لاتے اور جن کے پاس کچھ نہیں ہوتا ان کا انداز اور

ہے۔ اور فرمایا کہ جو سلطان سنجر کی پیشکش کو رد کر رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں۔ کہ میں نہیں لیتا۔ مجھے پرواہ نہیں۔ معلوم ہوا کہ ان کے خود اپنے پاس کچھ ہے۔

عالمگیر کا زمانہ ہے۔ شاہ جہاں کے یہ بیٹے ہیں۔ اور شاہ جہاں کا ایک بیٹا تھا دارا شکوہ' ان دونوں میں کشاکش تھی۔ دارا شکوہ مذہبی نہیں تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر مذہبی تھے۔ عالمگیر کے زمانے میں جب یہ بادشاہ ہو گئے تو ایک مجذوب ننگے پھرا کرتے تھے۔ مادر زاد ننگے .... تھے مجذوب...... بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ وہ افغانستان کا جاسوس تھا۔ لیکن مولانا تھانوی نے فرمایا کہ ان کے کلام میں جو تاثیر اللہ نے رکھی ہے۔ اس کو دیکھ کر دل قبول نہیں کرتا کہ ان کو جاسوس کہا جائے۔ وہ واقعی خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ مگر وہ تھے مجذوب تو عالمگیر نے کسی آدمی کو بھیجا کہ جاؤ دیکھ کر آؤ یہ کوئی بنا ہوا آدمی ہے یا واقعی مجذوب فقیر ہے۔ تو وہ کس کو بھیجتے' ایک وزیر کو بھیجا' ایک بڑے رئیس کو بھیجا' جاؤ دیکھ کے آؤ' ظاہر حالت سے تو یہ نظر آیا کہ یہ ننگا ہے کیونکہ ننگا پھرتا ہے۔ انہوں نے جا کر رپورٹ دے دی۔ عالمگیر کے سامنے جو رپورٹ دی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ

بر سرمد برہنہ کرامات تہمت است
کشفے کہ ظاہر است از و کشف عورت است

ننگے پھرنے والے سرمد کے اوپر کرامت کا شبہ کرنا یہ بھی کوئی بات ہے۔ یہ تو احمقوں کی جنت میں رہنے کے مترادف ہے۔ وہ تو یونہی بنا ہوا آدمی ہے۔ وہ مجذوب وغیرہ کچھ نہیں ہے .... تو عالمگیر نے حکم دے دیا۔ اور حکم دینے سے پہلے انہوں نے یہ کہا کہ اتمام حجت کے لئے یہ کرو کہ ایک سینی کے اندر ایک جوڑا لے جاؤ۔ کچھ رقم لے جاؤ۔ یہ لے جا کر انہیں پیش کر دو۔ اور کہہ دینا کہ اورنگ زیب عالمگیر نے آپ کو یہ جوڑا بھجوایا ہے۔ تو انہوں نے بڑے غصے میں یہ جوڑا واپس کر دیا اور کہا کہ جاؤ یہ جوڑا واپس لے جاؤ۔ اور اپنے بادشاہ کو میرے یہ دو شعر لکھ کے دے دینا...... فرمایا کہ

آں کس کہ ترا تاج جہانبانی داد

ما را بجز اسباب پریشانی داد

جس خدا نے تیرے سر پر سلطنت کی جہانبانی کا تاج رکھا ہے۔ اس خدا نے مجھے ننگا پھرایا ہے۔

پوشند لباس ہر کہ را عیب دید

بے عیباں را لباس عریانی داد

جن کے بدن پر داغ دھبے ہوتے ہیں۔ وہ چھپانے کے لئے لباس پہنتے ہیں۔ خدا کے فضل سے میرے بدن پہ کوئی داغ دھبہ نہیں ہے۔ اس لئے مجھے لباس کی حاجت نہیں ہے..... لے جایئے۔

ایک آدمی بالکل برہنہ بادشاہ وقت کو یہ جواب دے رہا ہے۔ آپ ایمانداری سے بتایئے کہ کیا یہ خالی ہاتھ معلوم ہوتا ہے ..... نہیں ..... معلوم ہوتا ہے کہ اگر اورنگ زیب کے پاس دنیاوی سلطنت ہے تو حضرت سرمد ؒ کے پاس بھی کوئی سلطنت ہے۔ کہ جس کی وجہ سے ان کو اتنا عروج ہے۔ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا وقار عطا فرمایا ہے کہ انہوں نے جوڑا واپس کر دیا...... تو خیر میں یہ بات عرض کر رہا تھا کہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ نے بادشاہ کے اس قاصد کو واپس کیا اور کیا کہہ کے واپس کیا..... فرمایا.....

چوں چتر سنجریں رخ بختم سیاہ باد

در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم

زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب

من ملک نیم روز بیک جو نمے خرم

تیرے پاس دن کی سلطنت ہے میرے پاس رات کی سلطنت ہے۔ رات کو جس وقت میں تنہائی میں ہاتھ باندھ کر اللہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے رات کو ایسی سلطنت عطا فرماتے ہیں کہ میں تیری دن کی سلطنت کو ایک جو کے بدلے میں بھی لینے کو تیار نہیں ہوں۔

ظاہر و باطن کی دولت کا فرق

حضرت مولانا تھانوی نے فرمایا کہ تاریخ آپ کے سامنے موجود ہے۔ چودہ سو سال اسلام کی، اور یہ پچھلی تاریخ ہے۔ لیکن آپ یہ دیکھیں گے کہ ایسی مثالیں تو بہت سی ہیں کہ بڑے بڑے صاحب دولت و حشمت بڑے بڑے بادشاہ تخت و تاج چھوڑ چھاڑ کے تنہائی میں بیٹھ گئے، عبادت کرنے لگے، ایسی مثالیں بہت سی ملیں گی۔ لیکن فرمایا کہ ایک بھی مثال آپ کو ایسی نہیں ملے گی کہ جس میں کسی درویش اور فقیر اور اللہ والے نے اپنی کٹیا کو چھوڑ کے تخت شاہی کو اختیار کیا ہو۔ ایک بھی مثال ایسی نہیں ملے گی۔ جس سے یہ معلوم ہو کہ باطنی دولت اللہ تعالیٰ جن کو عطا فرماتے ہیں۔ یہ ظاہری دولت اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

تو مطلب میرے کہنے کا یہ تھا کہ ایک رات تو اللہ تعالیٰ نے لیلۃ الاسراء، ایک لیلۃ القدر اور ایک لیلۃ مبارک بتائی ہے۔ وہی راتیں دو ہیں، اور پھر عام رات کا ذکر فرمایا ہے۔ فرمایا کہ

اے خواجہ چہ پرسید ز شب قدر نشانی
ہر شب شب قدر است اگر قدر بدانی

کیفیت احسان

اگر تم ہاتھ باندھ کے اپنے اللہ کے سامنے کھڑے ہو جاؤ تو تمہیں محسوس ہوگا کہ ہر رات لیلۃ القدر ہے۔ ہر رات شب قدر ہے۔ بہرحال یہ شعبان کا مہینہ ہے اور میں نے گزشتہ جمعے یہ بات عرض کی تھی کہ یہ مہینہ درحقیقت رمضان کی تمہید ہے اور تمہید کا لفظ کہہ کے یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ جس طرح فرض سے پہلے سنت پڑھتے ہیں اور فرض کے بعد سنتیں اور نفلیں پڑھتے ہیں بالکل اسی طریقے سے شعبان کا مہینہ رمضان المبارک کی تمہید ہے۔ یہ اصل میں سنتیں ہیں فرض کی، اور سنت کا کام کیا ہے۔؟ سنت کا کام یہ ہے کہ عبادت چاہے ہزار سال کی ہو قبول نہیں ہے۔ جب تک کہ خشوع اور خضوع کے ساتھ نہ ہو۔ جب تک حضور قلب کے ساتھ نہ ہو، کبھی کبھی مہینوں اور سالوں کی عبادت قابل قبول نہیں

ہوتی۔ لیکن ایک کی عبادت اس لئے قبول ہو جاتی ہے کہ اس وقت اس کے دل کی کیفیت اچھی تھی۔ ان اللہ لا ینظر الی صورکم ولا الی اموالکم حدیث ہے۔

اللہ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا۔ تمہارے ظاہری اعمال کو نہیں دیکھتا۔ ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم (وفی روایۃ ولکن ینظر الی قلوبکم ونیاتکم) مگر وہ تمہارے دل کی حالت کو دیکھتا ہے۔ اور تمہاری نیت کو دیکھتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ہر عبادت قابل قبول نہیں ہے۔ جب تک کہ اس میں یہ روح اور رنگ نہ پیدا ہو جائے۔

اگر آپ یہ کہیں کہ ہماری تو عبادت بغیر روح اور رنگ کے ہی سہی۔ نہیں پیدا ہوتا نہ سہی' فرض ادا ہوا کیوں....؟

آہ کو بھی اک عمر چاہئے اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک

پیدل سفر ہے' قافلوں سے گزرتا ہے۔ پتہ نہیں جان بچے گی؟ اتنا طویل زمانہ اس میں لگ جاتا تھا۔ مگر جب وہ حج کر کے واپس آتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ یادوں کی گٹھڑی بن کے آیا ہے۔ جانے اور آنے کے اندر یہ جتنا وقت لگا ہے۔ جب تک وہ بیت اللہ پہنچا ہے۔ اس وقت تک تو وہ ولایت کی منزل کو پہنچ گیا ہے۔ گھر سے روانہ ہوا ہے۔ کیفیت حضوری موجود ہے۔ مہینہ گزرا' دو مہینے گزرے' تین مہینے گزرے' یہ ایسا ہے جیسے اللہ کے گھر تک جانے کے لئے ریاضت کرتا رہا ہے۔ لیکن آج آپ نے دیکھا کہ ایک آدمی اپنے بستر سے اٹھا' جا کے جہاز میں بیٹھا اور جا کے چند گھنٹوں کے بعد بیت اللہ پہنچ گیا۔ دونوں میں فرق ہے..... کیوں....؟ اس لئے کہ حاضری سے پہلے اس کی حالت جو بدل جاتی تھی وہ نہیں بدلی۔

رمضان کا انتظار

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ان لوگوں کے دل کی حالت اور ہوگی جو عین رمضان میں یعنی چاند کے دن سوچیں گے کہ اچھا بھی رمضان آگیا۔ ان کے

دل کی کیفیت اور ہو گی اور جو شعبان کے آتے ہی یہ سمجھ رہے ہیں کہ رمضان تو آگیا' بھئی اس کے لئے تیاری کرو۔ ان دونوں کیفیتوں میں فرق ہے۔ تو میں نے عرض کیا کہ شعبان رمضان کی تمہید ہے۔ جس طرح سے فرض کی تمہید میں سنتیں' ادا کی جاتی ہیں۔ اس شعبان کے مہینے میں ایک رات اللہ تعالیٰ نے ایسی عطا فرمائی ہے کہ جو اس رات کے بالکل مطابق ہے۔ جو رات رمضان میں آنے والی ہے۔ اس کا نام ہے لیلۃ القدر' اس کا نام ہے لیلہ مبارکہ ..... اس رات کو حدیث میں لیلۃ البرآت بھی کہا گیا ہے۔ لوگ کہتے ہیں۔ شب برات' شب برات کہنا صحیح نہیں ہے۔ برات تو وہ ہوتی ہے جو دولہا کے ساتھ ہوتی ہے۔ اسے کہتے ہیں برات...... یہ ہے شب برآت' لیلۃ البرآت' برآت کے معنی آتے ہیں' بری ہونا' عذاب سے بری ہونا۔ یہ لیلۃ البرآت بھی ہے لیلۃ مبارکہ بھی ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ شعبان کی پندرہویں رات کا ذکر قرآن کریم میں کسی جگہ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ انہیں ایک پریشانی ہے۔ اور وہ پریشانی یہ ہے قرآن کریم میں یہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ ہم نے قرآن کریم کو ایک رات میں نازل فرمایا ہے جس کا نام لیلۃ القدر ہے۔ اور وہ رمضان کی ستائیسویں رات ہے۔ یا آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے ایک رات۔ فرمایا کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ لیلہ مبارکہ جو ہے وہ شعبان کی پندرہویں رات ہے تو ماننا پڑے گا کہ شعبان کی پندرہویں کو بھی قرآن اترا۔ اور رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے ایک رات لیلۃ القدر میں بھی اترا ہے...... اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ○ .... اور...... اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ ○ کون سی بات صحیح ہے۔؟ لہٰذا اس کا علمی حل ہے اور وہ حل یہ ہے کہ لیلہ مبارکہ کوئی الگ رات نہیں ہے۔ اسی رات کو کسی جگہ لیلۃ القدر فرمادیا اور کسی جگہ اللہ تعالیٰ نے اسی رات کو لیلۃ مبارکہ فرمادیا ہے۔ یہ دونوں کی دونوں ایک ہی رات ہیں۔ اور وہ رمضان کی رات ہے۔ لہٰذا شعبان کی رات کا قرآن میں کوئی ذکر نہیں ہے۔...... لیکن بہرحال ہماری شریعت میں احکام کو ثابت کرنے کے لئے ایک ہی بنیاد تو نہیں ہے۔ قرآن' حدیث' اجماع امت' اور قیاس' چار

ستونوں کے اوپر ہماری شریعت کی بنیاد رکھی ہوئی ہے۔ جو قرآن سے ثابت ہو' وہ بھی شریعت' جو حدیث سے ثابت ہو وہ بھی شریعت...... اگر قرآن کریم میں ذکر نہیں ہے نہ سہی' لیکن مفسرین کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ نہیں یہ بات صحیح نہیں۔ قرآن میں اس کا ذکر ہے۔ لیلۃ القدر رمضان کی ستائیسویں رات لیلۃ مبارکہ شعبان کی پندرھویں رات' وہاں یہ خیال کر دیا یہ کہے گی کہ صاحب قرآن شعبان میں بھی اترا ہے۔ پندرھویں رات کو بھی' اور رمضان میں بھی اترا ہے۔ ستائیسویں رات لیلۃ القدر میں بھی اترا ہے۔ یہ دو باتیں کیسی ہیں۔؟ یہ دو نہیں ہیں۔ اس کے سمجھنے کا فرق ہے۔

ظاہری تعارض کا حل

اور ایک طبقہ نوجوانوں کا ایسا ہے کہ جہاں پر وہ یہ دیکھتا ہے کہ دو باتوں میں فرق ہو گیا ہے۔ ایک دم کہتے ہیں کہ یار شریعت کو لپیٹ کر رکھو ایک طرف' یہ تو سمجھ میں ہی نہیں آتی...... کسی حدیث میں کچھ آتا ہے کسی حدیث میں کچھ آتا ہے۔ کسی آیت میں کچھ ہے' کسی آیت میں کچھ ہے۔ حالانکہ قرآن کریم چیلنج کر کے یہ بات کہتا ہے کہ اگر یہ کتاب کسی اکیڈمی یا کسی انسان کی بنائی ہوتی تو اس میں کہیں نہ کہیں آپ کو اختلاف ضرور نظر آتا۔ مگر قرآن کریم میں کہیں بھی۔ کسی جگہ بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بس سمجھنے کا فرق ہے۔

یا بعضے لوگ کہا کرتے ہیں کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے سب سے زیادہ محبت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے ہے۔ پھر دوسری حدیث میں آتا ہے کہ مجھے سب سے زیادہ محبت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہے۔ پھر تیسری حدیث میں آتا ہے کہ مجھے سب سے زیادہ محبت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہے۔ انہوں نے کہا کہ دیکھئے صاحب کہ یہ مولویوں کی حدیثیں ہیں۔ یا پہلی بات صحیح ہے۔ یا دوسری بات صحیح ہے یا تیسری بات صحیح ہے یہ مجموعہ اضداد جو آپ نے جمع کیا ہے۔ اس کا نام آپ نے حدیث رکھا ہے۔ میرے دوستو! قصور حدیث رسولؐ کا نہیں ہے۔ قصور آپ کے ذہن کا ہے' قصور آپ کی سمجھ کا ہے۔ کسی اللہ والے

نے سچ کہا ہے۔ فرمایا کہ

چوں بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست
سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست

اگر کسی صاحب دل کی بات تمہارے کان میں پڑے تو یہ نہ کہو کہ یہ بات غلط ہے۔ بلکہ سمجھنے کی کوشش کرو۔ اس میں کوئی تضاد نہیں۔

میرے دوستو! میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی صاحب یہ کہیں کہ مجھے سب سے زیادہ بریانی پسند ہے۔ آپ نے کاپی پر نوٹ کر لیا۔ اس کے بعد دوسری کسی مجلس میں یہ کہے کہ مجھے سب سے زیادہ ململ پسند ہے۔ آپ نے وہ بھی نوٹ کر لیا اور تیسری مرتبہ وہ یہ کہے کہ مجھے سب سے زیادہ اونٹ پسند ہے۔ تو آپ یہ کہیں گے کہ کیا بات ہے؟ صاحب آپ ہی کا کہا ہوا ہے کہ آپ نے پہلے کہا تھا مجھے سب سے زیادہ بریانی پسند ہے۔ پھر آپ نے کہا ململ پسند ہے۔ پھر آپ نے کہا اونٹ پسند ہے' یہ کیا بات ہے؟ ...... مگر نہیں...... یہ تینوں باتیں صحیح ہیں۔ جہاں ذکر ہے کھانے کا' ماکولات کا فرمایا غذاؤں کے اندر مجھے سب سے زیادہ بریانی پسند ہے۔ جہاں پہننے کا سوال ہے وہاں پر مجھے سب سے زیادہ ململ کا کپڑا پسند ہے۔ جہاں سواریوں کا ذکر ہے مجھے سب سے زیادہ اونٹ کی سواری پسند ہے۔ آپ بتایئے کہ کونسی بات غلط ہے۔؟

جب ایک آدمی محبت کرتا ہے تو اس کی محبت کے دائرے الگ الگ ہوتے ہیں۔ بیویوں کی محبت کا دائرہ الگ ہے۔ اولاد کی محبت کا دائرہ الگ ہے۔ دوستوں کی محبت کا دائرہ الگ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے باقی اولاد میں سب سے زیادہ محبت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے ہے۔ بیویوں میں سب سے زیادہ محبت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہے۔ دوستوں میں سب سے زیادہ محبت ابوبکر صدیق ؓ سے ہے۔ آپ مجھے بتایئے کہ اس میں کون سا تضاد ہے۔؟ جس سے معلوم ہوا کہ درحقیقت تضاد ہمارے دماغ میں ہے۔ قرآن میں تضاد نہیں' حدیث میں تضاد نہیں۔

نزولِ قرآن کے درجات

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ کہا گیا کہ قرآن رمضان کی لیلۃ القدر میں نازل ہوا۔ یا شعبان کی لیلہ مبارکہ میں نازل ہوا۔ محققین علماء نے لکھا ہے کہ نزول قرآن کی تین منزلیں ہیں۔ نزول قرآن کے تین درجے ہیں نزول قرآن کے کا ایک درجہ ہے منظوری...... یعنی آج کی رات منظوری کی رات ہے کس کی عمر کتنی ہے۔ ؟ کس کا رزق کتنا ہے ؟ کس کی عزت کتنی ہے؟ کس کی اولاد کتنی؟ یہ شعبان کی پندرھویں رات کو اللہ کے یہاں فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ○ بڑی بڑی باتوں حکمت والی باتوں کا فیصلہ دیا جاتا ہے۔ منظوری دی جاتی ہے۔ پورے سال میں جو رزق مقرر کیا جاتا ہے۔ وہ ملے گا 'جو عمر مقرر کی گئی ہے۔ وہ ملے گی' جو امور طے کئے گئے ہیں وہ عمل پذیر ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ نزول قرآن کی ایک منزل اللہ کی طرف سے نزول کا فیصلہ ہے۔ یہ فیصلہ نزول کا ہوا ہے۔ شعبان کی پندرھویں رات لیلہ مبارکہ میں یہ فرمانا صحیح ہے۔ کہ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ ۞ ...... کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ ہم نے اس کو برکت والی رات میں نازل کیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ منظوری اللہ نے قرآن کی دی ہے۔ شعبان کی پندرھویں شب میں یعنی لیلہ مبارکہ میں یہ منظوری صادر فرمائی ہے۔ اور جہاں فرمایا کہ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ○ نزول قرآن کی ایک منزل یہ ہے کہ لوح محفوظ سے 'لوح کے معنی آتے ہیں 'تختی' محفوظ کے معنی ہیں مضبوط کہ جس میں کوئی تبدیلی اور تصرف نہیں کر سکتا۔ وہ محفوظ ہے۔ یہ قرآن کریم جو ہمارے اور آپ کے پاس محفوظ ہے۔ یہ قرآن کریم نقل ہے۔ اس قرآن کریم کی جو لوح محفوظ میں ہے اور یہ ایک رات میں نازل فرمایا ہے۔ اس رات کا نام لیلۃ القدر ہے۔ اور وہ رمضان کے آخری عشرے کے طاق راتوں میں نازل فرمایا ہے۔ اس رات کا نام لیلۃ القدر ہے۔ اور وہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے ایک رات ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ نزول قرآن کا فیصلہ پندرھویں شعبان میں 'لوح محفوظ سے آسمان دنیا تک وہ لیلۃ القدر میں اور آسمان دنیا سے سرکار دو عالم ﷺ کے قلب مبارک

تک تیس سال کی مدت میں نازل ہوا۔

تنزیل قرآن کی حکمت

لوگ اعتراض کیا کرتے تھے وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً

یہ کیسی کتاب ہے۔ ارے بھئی توریت بھی تو آئی ہے دنیا میں انجیل بھی تو آئی ہے دنیا میں' اور زبور بھی تو آئی ہے دنیا میں' وہ تو روز صبح و شام نہیں آتی تھیں۔ ایک لکھی ہوئی کتاب کی شکل میں آگئیں یہ کیا بات ہے کہ قرآن کریم اس طرح ایک مرتبہ میں ایک دفعہ میں کتابی شکل میں ہمیں کیوں نہیں دی۔؟ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ○ (الفرقان ۲۵ پ ۱۹ آیت ۳۲)

یہ آخری کتاب ہے۔ توریت آخری کتاب نہیں' انجیل آخری کتاب نہیں' زبور آخری کتاب نہیں' یہ آخری کتاب ہے۔ ان کتابوں کی حفاظت کی ذمہ داری قوموں پر تھی۔ اور قرآن کی حفاظت کے لئے سرکار دو عالم ﷺ سے کہا گیا کہ آپ جلدی نہ کریں۔ صبر سے پڑھیں۔ سنتے رہیں' یاد کریں' یہ خیال نہ کریں کہ لمبی لمبی سورتیں ہیں' جو نازل ہو رہی ہیں' یہ مجھے کیسے یاد رہیں گی۔ جلدی جلدی پڑھنے کی کوشش نہ کریں۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ○ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ○ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ○ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ○...... (القیامہ ۷۵' پ ۲۹ آیت ۱۷)

آپ جلدی جلدی زبان کو حرکت نہ دیں۔ قرآن کی حفاظت کا وعدہ ہم نے کیا ہے۔ ہم یاد کرائیں گے آپ کو جس کا مطلب یہ ہے کہ توریت اور انجیل اور زبور آخری کتاب نہیں۔ ان میں تحریف ہو گئی ہے۔ وہ مٹ گئیں اور چودہ سو سال کم زمانہ نہیں ہوتا اور ایسے ایسے نشیب و فراز سے گزرنا پڑا۔ ایک بحث ایک زمانے میں چلتی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی عزیمت

حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں یہ ایک مسئلہ قرآن کا مسئلہ تھا۔ اور بحث یہ تھی کہ یہ قرآن جو ہمارے اور آپ کے پاس ہے یہ قرآن قدیم ہے یا حادث ہے۔؟ اور اس زمانے میں معتزلہ کا بڑا زور تھا۔ اور ہمیشہ یاد رکھئے کہ جس وقت ایوان حکومت کے اندر اگر کوئی باطل قدم رکھ دے تو پھر وہ باطل تنہا نہیں رہتا۔ بلکہ وہ ساری قوم کے سروں پر مسلط ہو جاتا ہے۔ خلیفہ بھی اسی خیال کا تھا۔ قرآن مخلوق یا غیر مخلوق' اصل بحث یہ تھی' بات تو خاص تھی ہے اگر یہ مخلوق ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں بھی مخلوق ہوں۔ میں آج سے پچاس سال پہلے نہیں تھا۔ اب ہوں اور مخلوق نے آگے چل کے بھی مٹ جانا ہے اور قرآن جو ہے یہ صفت ہے اللہ کی۔ جب اللہ کی صفت ہے تو اس کے مخلوق ہونے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔ یہ غیر مخلوق ہے۔ یہ بحث چلی۔ خلیفہ نے بلایا۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو آپ نے فرمایا کہ قرآن غیر مخلوق ہے۔ حکم دے دیا کہ ان کو جیل خانے میں بند کر دو۔ اور ان کو ہلاک کر دو۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت! جان بچانے کے لئے کہنے میں کیا حرج ہے۔؟ آپ کہہ دیجئے کہ قرآن مخلوق ہے۔ فرمایا میرا معاملہ ہر مسلمان کا معاملہ نہیں ہے۔ مسلمان کو اجازت ہے کہ جان بچانے کے لئے زبان سے باطل کا اظہار کر دے۔ لیکن آج اگر میں نے جان بچانے کے لئے اس باطل کو اپنی زبان سے ادا کر دیا تو آنے والی نسل کا یہ عقیدہ بن جائے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ آنے والی نسل کا عقیدہ غلط ہو' وہ گمراہ ہوں' جان دینا مجھے پسند ہے...... اب آپ دیکھتے ہیں' قرآن کریم اسی آب و تاب کے ساتھ زندہ ہے۔ قرآن کریم کے آج تک ایک نقطے' ایک جملے' اور زیر زبر میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ یہ قیامت تک ایسا ہی رہے گا۔ لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی نے بڑی اچھی بات کہی ہے۔

برسوں فلاسفی کی چناں اور چنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ نزولِ قرآن تین مرتبہ ہے ایک نزولِ قرآن کا فیصلہ جو شعبان کی پندرہویں رات لیلہ مبارکہ میں ہے۔ ایک نزولِ قرآن ایک رات کے اندر لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا تک وہ رمضان کی ستائیسویں رات لیلۃ القدر میں' ایک آسمانِ دنیا سے سرکارِ دو عالم ﷺ کے قلبِ مبارک تک تیئیس سال کی مدت میں لہٰذا کوئی شبہ نہیں ہے۔ اگر آپ لیلہ مبارکہ سے شعبان کی پندرہویں رات مراد لیں۔ تب بھی کوئی منافقہ نہیں ہے۔ لیکن اس کے علاوہ حدیث میں جو فضیلت بیان کی گئی ہے اس رات کی' فرمایا کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ اتنی کثرت سے گناہوں کو معاف فرماتے ہیں جیسے کہ قبیلہ بنی کلب کی بکریوں کے بال' بنی کلب کی بکریاں تھیں' ان کے بڑے گھنے گھنے بال ہوا کرتے تھے۔ فرمایا کہ جتنی کثرت سے ان گھنے بال ان کے جسم پر ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بے شمار مغفرتیں فرماتے ہیں گناہوں سے اس رات کے اندر' شعبان کی پندرہویں شب لیلہ مبارکہ ہے۔ حدیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ پھر رات کے بعد جو دن آ رہا ہے۔ وہ پندرہویں تاریخ ہے شعبان کی۔ اس دن روزے کی فضیلت ہے غرضیکہ اس رات کو ہم گزاریں جیسا کہ اس کے گزارنے کا حق ہے۔ یہ رات برکت والی رات ہے۔ ایک بات آخر میں کہہ کے ختم کرتا ہوں۔

مبارک ساعات میں جرم کی شناعت

علماء نے لکھا ہے کہ برکت کے معنی کیا ہیں۔ برکت کے دو معنی ہیں۔ برکت کے معنی ہیں فضل رحمت........ جو بھی آپ لیں۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ اور برکت کے ایک اور معنی آتے ہیں۔ اللہ نے بڑی برکت دی ہے کیا مطلب؟ پیسے زیادہ ہو گئے ہیں اولاد میں برکت دی ہے۔ اولاد زیادہ ہو گئی ہے۔ اللہ نے جائیداد میں برکت دی۔ جائیداد بڑھ گئی........ معلوم ہوا کہ برکت کے ایک معنی میں اضافہ اور زیادتی یعنی کثرت' فرمایا کہ یہ رات ایسی رات ہے کہ اگر اس رات میں اللہ سے آپ یہ دعا مانگیں کہ اللہ میری روزی میں برکت فرما' میری عمر میں اضافہ فرما' میرے ایمان میں اضافہ کر دے' میری اولاد میں اضافہ کر دے'

میری عزت میں اضافہ کر دے" تو یہ رات اضافہ کے لئے سب سے بہتر رات ہے۔ یہ رحمت و برکت کی بھی رات ہے۔ اور اضافے کی بھی رات ہے۔ اور اضافہ کا طریقہ جو ہے وہ اللہ کے سامنے گڑگڑانا ہے اور مانگنا ہے........ بہرحال یہ لیلۃ البرأت کے معنی آتے ہیں۔ گناہوں سے معافی کی رات، یہ لیلۃ البرأت بھی ہے۔ یہ لیلۃ مبارکہ بھی ہے۔ اس میں جاگنا چاہئے۔ مگر جاگنا چاہئے عبادت کے ساتھ اگر آپ کہیں کہ صاحب آج تو رات کو جاگنا ہے تو تاش کے پتے لاؤ، چھکے کھیلیں گے کیونکہ رات بھر جاگنا ہے شطرنج لاؤ بھئی رات بھر جاگیں گے۔ یہ بات یاد رکھئے کہ جو جگہ جتنی مقدس ہوتی ہے اس جگہ عبادت کا ثواب بھی بہ نسبت دوسری جگہ کے زیادہ ہوتا ہے۔ اور اسی طرح جو جگہ مقدس ہوتی ہے اس جگہ کے گناہ کا جرم بھی بڑھ جاتا ہے۔ بازار میں جھوٹ بولیں اور بات ہے مسجد میں جھوٹ بولیں اور بات ہے۔ دونوں میں فرق ہے۔

اگر آپ اور ہم اور دنوں میں جاگیں اور لہو و لعب میں لگے رہیں وہ بھی گناہ ہے۔ مگر خاص وہ رات کہ جس رات میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو پکار رہے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ پوری رات اللہ تعالیٰ یہ ندا دیتے ہیں کہ ہے کوئی مانگنے والا۔ جس کا کوئی سوال میں پورا کروں کوئی روزی لینے والا ہے، جسے میں روزی دوں، تندرستی لینے والا ہے جسے میں تندرستی دوں۔ ایسی رات کو جس میں اللہ تعالیٰ پکار رہے ہوں۔ ہمارے اور آپ کے لئے زیب نہیں دیتا۔ کہ ہم معصیتوں میں، گناہوں کے اندر، اس رات کو گزاریں۔ اس رات کو خدا کی طرف متوجہ ہو کر گزارنا چاہئے۔ یہ اس رات کے بارے میں تھا۔ دعا کیجئے ہمیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(ماہنامہ الفرقان)

ماہ شعبان کا آخری جمعہ

خطبہ ماثورہ کے بعد تلاوت قرآن مجید

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ ..... لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (البقرہ ۱۸۳-۱۸۴)

بزرگان محترم اور برادران عزیز !

امید ہے کل سے ماہ صیام اور روزوں کا مہینہ شروع ہو جائے گا۔ آج شعبان کی ۲۹ تاریخ ہے۔ اور مجھے یہ واقعہ یاد آیا کہ شعبان کے آخری ایام میں ایک جمعہ میں حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو خطبہ دیا۔ اور یہ وہی خطبہ ہے کہ جس میں آپؐ نے رمضان کی فضیلت، روزے کی اہمیت اور اس عبادت کا ذکر فرمایا۔ حضرت سلمان ؓ فرماتے ہیں کہ شعبان کے آخری دن تھے اور جمعہ تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے خطاب فرمایا۔ قد اظلکم شہر عظیم مبارک

اے مسلمانو! ایک مہینہ تمہارے اوپر اپنا سایہ ڈالنے والا ہے۔ اس لفظ سے یہ بتا دیا کہ جو مہینہ آ رہا ہے اس کی حیثیت رحمت کی ہے۔ تب ہی فرمایا کہ وہ سایہ فگن ہونے والا ہے۔ قد اظلکم ظل کے معنی عربی میں آتے ہیں "سایہ"

ماہ عظیم

تو ظل کے معنی سایہ کے آتے ہیں، فرمایا کہ قد اظلکم شہر عظیم مبارک ایک مہینہ تمہارے اوپر اپنا سایہ ڈالنے والا ہے۔ اور وہ اب شروع ہو رہا ہے۔ وہ مہینہ عظمت والا ہے۔ وہ مہینہ برکت والا ہے۔ اور حضور اکرم ﷺ نے اس مہینے کی بہت سی خصوصیتیں اور اس کے بہت سے صفات بیان فرماتے ہیں۔ اسی مہینہ میں ایک عبادت بھی ہے جس کا نام ہے روزہ، اور قرآن کریم کی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے روزوں کا بیان الگ کیا ہے۔ رمضان کے مہینے کی صفت الگ بیان کی ہے۔ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں۔ اور یہی بات میں گذشتہ جمعہ عرض کر رہا تھا کہ ایک مسجد ہے اور ایک ہے مسجد میں ہونے والا کام یعنی اذان اور نماز، اور یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں۔ کیونکہ اگر کوئی شخص فرض کر لیجئے کہ مسجد میں

حاضری نہیں رہتا۔ نماز نہیں پڑھتا' اذان نہیں دیتا تو یہ بے شک بہت بڑا گناہ ہے۔ بہت بڑی کوتاہی ہے۔ مگر اس کے باوجود اگر کوئی آدمی مسجد کی بے حرمتی کرتا ہے اور مسجد کو ڈھانے کا خیال اور ارادہ کرتا ہے اس کا نام گناہ نہیں' یہ بغاوت ہے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ احترام مسجد اور چیز ہے اور مسجد میں ہونے والا کام جس کا نام نماز ہے وہ دوسری چیز ہے۔ احترام مسجد ان لوگوں کے لئے بھی ہے کہ جو مسجد میں جا کر نماز پڑھتے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو مسجد میں نہیں آتے۔ احترام ان کو بھی کرنا چاہئے۔

یہی حال ہے رمضان کے اس مہینے کا اور اس مہینے کے اندر ادا ہونے والی عبادت' جس کا نام روزہ ہے۔ تو قرآن کریم کے انداز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مہینے کی فضیلت اور عظمت اپنی جگہ پر ہے۔ روزے کی عبادت اور اس کی اہمیت اپنی جگہ پر ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اس مہینہ کا نام رمضان رمض' رمض کے معنی عربی میں آتے ہیں' حرارت' تپش' اتنی تپش کہ جو جلا کے رکھ دے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ عام طور پر رمضان کا مہینہ یا تو آتا ہے گرمیوں میں اور یا اگر گرمیوں میں نہ آئے تو کم سے کم روزے کی وجہ سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ تکلیف میں اور شدت میں ہے۔ اس لئے اس کا نام رمضان ہوا۔ مگر بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس مہینہ کا نام رمضان اس وجہ سے ہے کہ اس مہینے کی ساعتوں میں' اس کے دنوں میں' اس کی راتوں میں' اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت رکھی ہے کہ اگر کوئی خدا کی طرف متوجہ ہو جائے تو اللہ کی رحمت اس کے گناہوں کو اس طرح جلا کر ختم کر دیتی ہے کہ جس طرح تپش کسی چیز کو جلا کر رکھ دیتی ہے۔ تمام گناہ اس کے محو ہو جاتے ہیں۔ ختم ہو جاتے ہیں اور علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ رمضان کا جو لفظ ہے اللہ تعالیٰ کے ۹۹۹ نام' ایک کم ایک ہزار' ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اور اسی لئے اللہ کے نام کی عظمت برقرار رکھنے کے لئے صرف لفظ رمضان نہیں کہا جاتا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ قرآن کریم میں بھی فرق کرنے کے لئے شہر رمضان کہا۔ شہر کا لفظ بڑھا دیا۔

عظمت رمضان

بہر حال اس مہینہ کی عظمت کے لئے سب سے بڑی یہی بات ہے کہ اس کا نام وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مہینہ خالصتاً" اللہ کا مہینہ ہے اللہ کا مہینہ ایسا" جیسا کہ اللہ کا گھر' جیسے اللہ کی اونٹنی' جیسے اللہ کا کلام' ان تمام چیزوں کی طرف جو ہم نسبت کرتے ہیں کہ کسی جگہ کو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا گھر ہے تو آپ سب جانتے ہیں کہ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ نعوذ باللہ' اللہ تعالیٰ اس کے اندر رہتے ہیں یہ خدا کے رہنے کی جگہ ہے۔ یہ ہمارے اور آپ کے لئے گھر کا تصور ہے۔ زمین پر آسمان پر کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں پر اللہ موجود نہ ہو۔ مگر اس کے باوجود ایک جگہ کو کہا جاتا ہے کہ یہ خدا کا گھر ہے۔

بالکل اسی طرح...... ہم آپ سے یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ آپ بتائیے' سر سے لے کر پاؤں تک' آپ میں حیات اور زندگی ہے۔ مگر اگر میں یہ پوچھوں کہ کس جگہ ہے۔ آپ کہیں گے کہ کوئی جگہ نہیں بتا سکتے۔ سب جگہ ہے' سر میں اگر کوئی چیز آپ چبھائیے تو آپ کو محسوس ہوگا تکلیف ہو رہی ہے۔ یہ حیات کی وجہ سے ہی تو ہے۔ سر سے لے کر پاؤں تک ہر حصہ کے اندر حیات اور زندگی موجود ہے۔ سب بدن میں پھیلی ہوئی ہے۔

اضافت تشریفی

اللہ کا تعلق بھی ساری کائنات کے ساتھ ایسا ہے عرش پر' فرش پر' زمین و زمان' ہر جگہ اللہ موجود ہے۔ اور اللہ کی نسبت ہر جگہ ایسی ہے جیسے کہ حیات' انسان کی جسم میں پھیلی ہوئی ہے۔ مگر اس کے باوجود اگر آپ انسانی حیات اور زندگی کا تجزیہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ

ہاتھ کسی وجہ سے کٹ گیا' آپ زندہ ہیں' ناک کٹ گئی آپ زندہ ہیں' کان کٹ گیا آپ زندہ ہیں۔ ایک گردہ نکل گیا' آپ زندہ ہیں۔ جسم کی اور بدن کی بہت سی چیزیں کہ جن کے اندر حیات موجود ہے۔ جو اگر جسم سے الگ کر دی جائے تو آپ کی حیات اور زندگی پھر بھی باقی ہے۔ معلوم ہوا کہ ہاتھ میں حیات ہے

لیکن حیات کا اصل سرچشمہ نہیں ہے۔ پاؤں میں حیات ہے۔ کان میں حیات ہے۔
مگر یہ مرکز حیات نہیں ہے۔ ہاں اگر آپ کسی کا قلب نکال دیں۔ قلب نکالنے کے
بعد اب حیات ختم ہو گئی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کے ہر حصہ میں ہر جگہ پر
حیات ہے۔ لیکن عبادت کا مرکز اور حیات کا سرچشمہ ایک جگہ ہے۔ کہ جس کو
قلب کہا جاتا ہے۔ کہ اگر وہ سرچشمہ اور خزانہ نکال دیا جائے تو حیات ختم ہو جاتی
ہے۔

اسی طرح ہر جگہ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ مگر ایک مقام اور ایک جگہ ایسی ہے
جو اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مرکز ہے۔ اور وہ مرکزی علاقہ وہ ہے جس کو بیت اللہ اور
خدا کا گھر کہتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ
جگہ جہاں اللہ کی تجلیات نازل ہوتی ہیں۔ اس مرکزی جگہ کو گھر کہا جاتا ہے۔ ورنہ
وجود کے اعتبار سے خدا ہر جگہ موجود ہے تو میں نے عرض کیا۔ مہینے کا بھی یہی حال
ہے۔ روزہ کا مہینہ ایک تو اس وجہ سے ہے کہ اس مہینہ میں ایک ایسی عبادت ہے کہ
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک عبادت ایسی ہے جو میرے اور بندے کے درمیان راز
ہے۔ کسی کو خبر نہیں۔ اس کے علاوہ کوئی عبادت ایسی نہیں ہے۔ روزے کے
بارے میں اللہ کو بھی علم ہے ' بندے کو بھی علم ہے...... کیونکہ ایک آدمی گھر
آپ کے ساتھ بیٹھ کر سحری کھاتا ہے۔ لیکن جب صبح ہوتی ہے تو جا کے غسل خانہ
میں پانی پی لیتا ہے۔ آپ کے ذہن میں تو یہ ہے کہ یہ روزہ دار ہے۔ لیکن اس نے
جھوٹ کہہ کر غلط طریقے سے روزہ توڑ دیا ہے۔ آپ کو کوئی علم نہیں ہے۔ اس میں
دکھانے کا سوال نہیں ہے۔ جو روزہ رکھتا ہے تو اس کے بارے میں اللہ کو اور
اس کے بندے کے سوا کسی کو علم نہیں۔ اور فرمایا کہ اسی وجہ سے کیونکہ یہ اللہ
کے بندے کے درمیان ایک راز ہے فرمایا کہ اس کی جزاء اور اس کا بدلہ بھی میں
خود دوں گا۔ وانا اجزی بہ

عبادات میں امتیازی شان

شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک عبادت ایسی ہے کہ جب بندے کی عبادتیں (قیامت کے دن حساب کتاب کے دوران) تقسیم ہونے لگیں گی اور تقسیم ہو کر ختم ہو جائیں گی۔ صرف روزہ باقی رہ جائے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ معاوضہ میں ادا نہیں کیا جائے گا۔ وہ کیسے؟

حدیث میں تو آتا ہے کہ کسی انسان کا حق کسی انسان کے اوپر رہ گیا' جان کا' مال کا' عزت کا' آبرو کا جان کا حق یہ ہے کہ آپ نے کسی کو ایذاء پہنچائی مال کا حق یہ ہے کہ آپ نے کسی کی چیز غصب کر لی۔ عزت و آبرو کا حق یہ ہے کہ آپ نے کسی کی عزت کو نقصان نہیں پہنچایا' کسی کی غیبت کی' کسی کی برائی کی...... یہ حقوق العباد ہیں۔ اور حقوق العباد معاف نہیں کئے جاتے جب تک کہ صاحب حق خود معاف نہ کر دے۔

اگر آپ نے کسی کی غیبت کی ہے۔ آپ نے کسی کی عزت کو نقصان پہنچایا ہے۔ آپ صاحب حق سے کہیں کہ تم مجھے معاف کر دو۔ آپ نے اگر کسی کا مال غصب کیا ہے۔ آپ اس سے کہیں کہ تم مجھے معاف کر دو۔ آپ نے کسی کو کسی طریقے پر نقصان پہنچایا ہے۔ آپ اس سے یہ کہیں کہ تم مجھے معاف کر دو۔ اور اگر معاف نہیں کروایا' تو حدیث میں آتا ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ اس مظلوم کو جس کی جان کو نقصان پہنچایا۔ جس کے مال کو نقصان پہنچایا' جس کی عزت کو نقصان پہنچایا ہے۔ اس آدمی کی عبادتیں اس مظلوم کو دلوا دیں گے۔ نمازیں دلوائیں گے' حج دلوائیں گے' زکوٰۃ دلوائیں گے' جتنی نیکیاں ہیں سب کی سب تقسیم ہوں گی۔ اور تقسیم ہو کر جب بالکل خالی ہاتھ رہ جائے گا۔ صرف روزہ باقی رہ جائے گا۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ عبادت چونکہ ایسی عبادت ہے کہ جو میرے اور بندے کے درمیان راز تھا اس لئے معاوضہ میں ادا نہیں کی جائے گی۔ یہ ایک ایسی عبادت ہے کہ جس کا بدلہ اور جس کا اجر میں خود دوں گا اور یہ کسی صاحب حق کو منتقل نہیں کی جائے گی۔

بہت سی عبادتیں ایسی ہیں ان میں دکھاوا پایا جاتا ہے۔ ریاکاری پائی جاتی ہے مگر روزہ ایک ایسی عبادت ہے کہ کوئی آدمی اگر یہ چاہے کہ میں اس کے اندر دکھلاوا اور اس کے اندر ریاکاری اختیار کروں تو بھی ریاکاری ممکن نہیں سکتی۔ ریا سے خالی ہے۔

اخلاص شرط قبولیت ہے

اور حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں بندے سے ایک سوال کریں گے تم آج یہاں آئے ہو، ایسی کوئی نیکی بتاؤ، ایسی کوئی نیکی پیش کرو کہ جو نیکی تم نے صرف اللہ کے لئے کی ہو، بندہ غور کرے گا اور بہت سی نیکیوں کے نام لے گا، لیکن معلوم ہو گا کہ ہر نیکی اس نے کسی شہرت کی وجہ سے کی ہے۔ کسی لالچ کی وجہ سے کی ہے، کسی منفعت کی وجہ سے کی ہے۔ کسی مصلحت کی بناء پر کی ہے۔ یہ پھر کہے گا، کوئی ایسی عبادت میرے پاس موجود نہیں ہے کہ جس کو میں یہ کہوں کہ میں نے خالصتاً اللہ کے لئے کی ہے۔ اور خدا کی نظر میں اس نیکی کی بڑی قیمت ہے کہ جو خالصتاً اللہ کے لئے ہو۔

حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک غنی سے سوال کریں گے تو کونسی نیکی لے کے آیا ہے وہ جواب دے گا اور یہ کہے گا کہ جہاد کا موقع نہیں ملا جو میں جان دیتا۔ اور میرے پاس علم نہیں تھا جو میں تبلیغ کرتا۔ میرے پاس دولت تھی اور میں لوگوں میں تقسیم کیا کرتا تھا اور ان کو بانٹتا تھا۔ یہ نیکی لے کے آیا ہوں۔ حدیث میں آتا ہے کہ حق تعالیٰ فرمائیں گے کذبت جھوٹ بولا، تو نے یہ کام اس لئے کیا تھا کہ تیری سخاوت اور تیری داد و دہش کے چرچے ہو جائیں، وہ چرچا دنیا میں ہو گیا۔ اور شہرت دنیا میں تجھے حاصل ہو گئی اب آخرت میں تیرے لئے کوئی حصہ نہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض شہداء جنہوں نے جان دی تھی ان سے یہ پوچھیں گے کہ تم کون سی نیکی زاد آخرت کے طور پر لے کے آئے ہو۔ وہ کہیں گے کہ اے اللہ! ہم نے جان دی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کذبت جھوٹ بولا۔ تو نے یہ سب کچھ اس لئے کیا تھا کہ تیری بہادری کا اور تیری شجاعت کا

تذکرہ ہو' اور چرچا ہو' وہ حاصل ہو گیا۔ اب آخرت میں اس کے لئے کوئی حصہ نہیں' کوئی بدلہ نہیں۔

فرمایا کہ تیسرا گروہ علماء کا' ان سے اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کہ تم زاد آخرت کے طور پر کون سی نیکی لائے ہو۔ وہ کہیں گے کہ اے اللہ! ہم نے درس دیا تھا' وعظ کہا تھا اور نصیحت کی تھی۔ لوگوں کو سبق دیا تھا۔ میرے پاس پیسہ نہیں تھا' جہاد کا ہمیں موقع نہیں ملا تھا۔ یہی نیکی کر سکتے تھے۔ اور یہی نیکی لے کر آئے ہیں۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ کمبخت جھوٹ بولا۔ تو نے یہ سب کچھ اس لئے کیا تھا کہ لوگ یہ کہیں کہ صاحب یہ تو زبردست عالم ہے۔ اپنے علم کا چرچا' علم کی شہرت کی خاطر تو نے یہ سب کچھ کیا تھا۔ لہٰذا آخرت میں اس کے لئے کوئی حصہ اور کوئی بدلہ نہیں۔

آپ نے اندازہ لگایا' نیکیاں ہیں لیکن اس نیکی میں اخلاص نہیں ہے۔ خالص نہیں۔

اخلاص کیسے حاصل ہو؟

نماز میں اخلاص اس تصور سے پیدا ہوتا ہے کہ ہم ایسے دربار میں کھڑے ہیں کہ سامنے اللہ تعالیٰ ہے اور میری ہر نقل و حرکت اور ان الفاظ کو دیکھتا ہے۔ پھر اندازہ لگایئے کہ آپ کی نماز میں کیا کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ کھڑے ہونے کا انداز ٹھیک ہو جائے گا۔ رکوع کا انداز ٹھیک ہو جائے گا' سجدے کا انداز ٹھیک ہو جائے گا۔

جلدی جلدی آپ نہیں کریں گے۔ آپ کے ذہن میں یہ ہے کہ میرے سامنے حق تعالیٰ موجود ہے اور اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔

لیکن ایک آدمی ایسا ہے کہ سستی تو سب کچھ کرتا ہے۔ نعوذ باللہ نعوذ باللہ خدا کا تصور ہی موجود نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ یہاں پر موجود ہے نہ تو ایسے سجدے کا کیا مطلب؟

تصحیح نیت کا اہتمام

تو میں کہہ رہا تھا کہ ریاکاری "وکفیٰ" اللہ کے یہاں قابل قبول نہیں ہے۔ ایک اور واقعہ سنا ہے۔ ایک بہت بڑے محدث ہیں۔ وہ کسی دوسرے محدث کے پاس گئے اور جا کر یہ کہا' جیسے کبھی کبھی نعتیہ مشاعرہ ہوتا ہے۔ مذاکرہ ہوتا ہے اس زمانے میں عام طور پر اس کا نام مذاکرہ رکھا گیا تھا۔ حدیث کا مذاکرہ حدیث کے مذاکرے کا معنی یہ ہے۔ ایک حدیث آپ پیش کریں۔ ایک حدیث یہ پیش کرے۔ وہ دونوں کے دونوں محدث جمع ہوئے اور کہا کہ آج کی رات ہم اور آپ حدیث کا مذاکرہ کریں گے۔ ایک روایت اور ایک حدیث یہ پیش کرتے تھے۔ تو دوسری حدیث وہ پیش کرتے تھے۔ پھر تیسری حدیث یہ پیش کرتے تھے۔ اس مبارک مصروفیت کے اندر صبح کی اذان ہو گئی۔ تو مذاکرہ بند ہو گیا اور ایک محدث کہنے لگے آج کی رات اتنی مبارک رات تھی کہ مذاکرے میں بسر ہو گئی۔

نیکیوں میں بسر ہو گئی' دوسرے محدث کہنے لگے' ممکن ہے کہ آپ کی رات نیکی میں بسر ہوئی ہو مگر میں اندر سے کانپ رہا ہوں اور ڈر رہا ہوں کہ آج کی رات اگر اللہ تعالیٰ نے حساب لے لیا تو ہم چھوٹ گئے۔ کہنے لگے کہ حساب و کتاب کی کیا بات ہے۔ فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم۔ آپ کی کیفیت کیا تھی؟ میں اپنی کیفیت بتاتا ہوں۔ میں جب کوئی روایت اور حدیث پیش کرتا تھا تو میں یہ سمجھتا تھا کہ آپ میرے بارے میں یہ تسلیم کریں گے کہ یہ بڑے محدث ہیں۔ جب میں کوئی روایت پیش کرتا تھا تو میں یہ سمجھ کے پیش کرتا تھا کہ آپ میری عظمت کو لوہا مان لیں گے...... مجھے نہیں معلوم آپ کس نیت سے پیش کرتے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ جب آپ نے اندر کی چھپی ہوئی بات کہہ دی ہے تو سچی بات یہ ہے کہ جب میں بھی کوئی روایت پیش کرتا تھا تو یہ سمجھ کے پیش کرتا تھا کہ آپ بھی میرے علم کا لوہا مان لیں گے۔

انہوں نے کہا کہ ہم دونوں کی رات ریاکاری میں بسر ہو گئی۔ دیکھنے میں حدیث کا مذاکرہ ہے۔ لیکن اصل میں اپنے اپنے علم کی نمائش میں بسر ہوئی۔ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ آج کی رات نیکیوں میں بسر ہو گئی۔

شیخ سعدی ؒ نے بھی ایک حکایت لکھی ہے' بڑی اچھی..... اس سے بات سمجھ میں آجاتی ہے اور میں یہ کہا کرتا ہوں کہ سمجھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اگر کوئی کام صرف دکھاوے کے لئے کریں تو ہمارا کوئی یار' دوست' رشتہ دار اس کام کو کام سمجھتا ہے-؟ نہیں سمجھتا' وہ اس کام کو رد کر دیتا ہے- اس سے اندازہ لگایئے کہ آپ بندہ ہوتے ہوئے بندوں کے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہیں' اللہ کی شان تو بہت بلند ہے-

ایک سبق آموز واقعہ

شیخ سعدی ؒ فرماتے ہیں کہ ایک بہت بڑا درویش اور اس درویش کا اس زمانے کا بادشاہ بڑا معتقد تھا- اور بادشاہوں کا اعتقاد بھی عجیب ہوتا ہے- وہ کبھی کبھی شوق سے بھی کسی کے معتقد ہو جاتے ہیں اور وہ کبھی عقیدت کو سمجھتے نہیں ہیں- وہ درویش بڑا مکار دنیا دار تھا- بادشاہ نے اس درویش کی دعوت کی اور تمام ارکان دولت کو اور سلطنت کے بڑے بڑے عہدے داروں کو بلایا- یہ درویش جب اپنے گھر سے چلا تو اپنے ایک معصوم چھوٹے بچے کو بھی ساتھ دعوت پر لے آیا- یہ معصوم بچہ سادہ لوح تھا آپ سمجھئے' لوح کے معنی تختی..... سادہ کے معنی جس پر کچھ نہیں لکھا- ہم اور آپ بڑے چالاک ہیں- اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے- اس پر بہت داؤ پیچ لکھے جا چکے ہیں- اس میں بہت سی چالیں لکھی ہوئی ہیں- لیکن ایک معصوم بچہ جو ہے وہ سادہ لوح ہے- جس کی تختی پر کچھ بھی نہیں لکھا ہے- وہ اپنے باپ کے ساتھ دعوت میں آیا اور باپ کے پاس آ کے بیٹھ گیا- دعوت میں بڑے بڑے عجیب و غریب قسم کے کھانے' عجیب قسم کی ڈشیں تیار کی گئی تھیں-

کھانا چنا گیا تو بادشاہ نے کہا کہ آپ بسم اللہ کریں' شروع کریں' سب ارکان دولت انتظار میں کہ یہ درویش شروع کرے تو ہم بھی شروع کریں' اس نے کھانا شروع کیا اور یہ معصوم بچہ جو سادہ لوح ہے- وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے- درویش نے کوئی پانچ سات لقمے کھائے اور کھانے کے بعد اپنا ہاتھ روک لیا- بادشاہ نے کہا کہ حضور کھانا کھایئے- درویش نے کہا' بس ! میں اتنا ہی کھاتا ہوں - میری

خوراک اتنی ہی ہے اس سے زیادہ نہیں۔

بادشاہ کا اور زیادہ اعتقاد بڑھ گیا کہ ہم نے یہ سنا ہے کہ یہ ساری ساری رات بندگی اور عبادت کرتے ہیں۔ ان کا تو نورانیت سے پیٹ بھر جاتا ہے۔ اس کی جسمانی غذا کتنی کم اور تھوڑی ہے۔

اس نے جو کھانا کھایا ' بچہ دیکھ رہا ہے۔ شیخ سعدی ہتھ نے لکھا ہے کہ عشاء کی نماز جب پڑھنے کے لئے گئے تو سب لوگ نماز پڑھ کے فارغ ہو گئے۔ مگر درویش کی نماز ختم ہی نہیں ہوتی۔ شیخ سعدی ہتھ نے یہ الفاظ لکھے ہیں۔ بڑے پیارے الفاظ ہیں۔ طعام مختصر خوردو نماز طویل خواند 'کھانا مختصر اور نماز لمبی ' جب یہ نماز سے فارغ ہوا تو معصوم بچے کو لے کے گھر گیا اور جا کر بیوی سے کہا کہ بھوک لگی ہے۔ جلدی سے کھانا لاؤ..... بیٹا حیران ہے' بیٹا یہ سب کچھ دیکھ کے آیا ہے۔ بچہ معصوم ہے وہ داؤ پیچ کو نہیں سمجھتا۔ بیوی کھانا لائی اور جب یہ کھانے بیٹھ گئے تو بچہ کہتا ہے۔ بڑے پیارے الفاظ ہیں۔ اس بچے نے کہا کہ "پدر من در مجلس سلطان چرا طعام نہ خوردید؟" "اے میرے ابا جان ! آپ نے بادشاہ کی محفل میں کھانا کیوں نہیں کھایا۔؟

باپ نے سوچا کہ اس نے سوال بھی عجیب کر دیا ہے۔ اس نے جواب دیا "طعام نخوردوم کو تقاضائے بودم" بیٹا ! میں نے وہاں پر اس مصلحت سے ایک دکھاوے کے خیال سے کھانا نہیں کھایا۔ تاکہ تیرے باپ کا اعتقاد بڑھ جائے۔ اس لئے مجھے گھر آکر کھانا کھانا پڑا۔ تو بیٹا کیا کہتا ہے کہ جب آپ نے کھانا دکھاوے کے لئے کھایا تھا تو اس نماز کی بھی قضا کر لیجئے جو صرف دکھانے کے لئے لمبی پڑھی تھی۔

آپ نے اندازہ لگایا کہ خود انسان یہ سمجھتا ہے کہ جو کام کسی مصلحت اور کسی مفاد کی خاطر کیا جائے وہ قابل اعادہ ہے۔ لوٹانے کے قابل ہے۔ 'وہ عمل' عمل نہیں ہے ' باپ کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ افسوس یہ ہے کہ دکھاوے کے کھانے کی قضا تو ہم کرتے ہیں اور دکھاوے کی نماز کی قضا نہیں کرتے۔

لہٰذا اگر بندے ' بندوں کا وہ کام جو دکھاوے کے لئے کیا جائے اس کام کو

کام نہیں سمجھتے۔ اگر اللہ تعالیٰ بھی ہماری عبادت کو عبادت نہ سمجھے جو دکھانے کے لئے کی گئی ہے تو یہ اللہ نے انصاف کے عین مطابق کیا ہے۔ یہ کوئی بے انصافی نہیں ہے۔

عظیم نعمت کی ناشکری کا وبال بھی عظیم ہوتا ہے

ماہ رمضان اتنا مقدس اور اتنا بابرکت ہے کہ اس میں ہر نیکی کا بدلہ بڑھ گیا ہے۔ ہر نفلی عبادت فرض کے برابر اور ہر فرض ستر فرضوں کے برابر' تو ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہے کہ اگر چھوٹا موٹا معمولی گناہ' اگر رمضان کے علاوہ کیا جائے تو شاید اس کا گناہ اتنا نہیں ہے۔ اس کی پاداش اور اس کی سزا اتنی نہیں ہے۔ جتنا اگر کوئی رمضان کے مہینے میں کرے۔ جیسے ایک آدمی بازار میں بیٹھ کے جھوٹ بولے اور ایک مسجد میں بیٹھ کے جھوٹ بولے۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ جھوٹ حرام ہے' حرام' حرام سب برابر ہیں۔ مگر نہیں' حالات کی وجہ سے حرام' حرام کے اندر سنگینی بڑھ جاتی ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی پڑوسی کی عورت کی عزت پر ہاتھ ڈال دے۔ ہاتھ تو یہ جس کی عزت پر بھی ڈالتا ہے' حرام ہے لیکن فرمایا کہ یہ جو اس نے کیا ہے اپنے پڑوس کے ساتھ' یہ تو دہرا حرام ہو گیا۔ کیوں.....؟ فرمایا کہ وجہ یہ ہے کہ ایک تو اعتماد اور دوسرا یہ کہ پڑوسی کی تو عزت کی ذمہ داری اس پر تھی۔ بجائے محافظ بننے کے خود ہی لٹیرا بن گیا ہے۔ اس نے وعدہ خلافی کی ہے۔ پڑوس میں رہتے بھی ایک قسم کا دوسرے کے ساتھ وعدہ ہوتا ہے۔ وعدہ شکنی بھی کی اور عزت بھی خراب کر دی۔

اسی طریقے سے اگر ایک آدمی مسجد میں بیٹھ کے جھوٹ بولے؟ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک تو جھوٹ بولا۔ ایک مسجد کی بے حرمتی کی۔ اسی طریقے پر کوئی گناہ اگر رمضان کے مہینے میں کیا جائے' اس کی سزا دگنی ہے۔ اور غیر رمضان میں کیا جائے تو اس کی سزا معمولی ہے۔

میں اصل میں یہ کہنا چاہتا تھا۔ لکھنا نے لکھا ہے کہ اگر رمضان کے مہینے کا

روزہ کسی نے جان بوجھ کر توڑ دیا۔ تو فرمایا کہ اس کے ذمہ دو قضائیں ہیں۔ ایک روزے کی قضا دوسرا کفارہ' اور کفارہ ساٹھ روزے مسلسل رکھنا۔ متواتر دو مہینے کے روزے رکھنا اس کا کفارہ ہے۔ لیکن فرمایا کہ اگر رمضان ہی کا روزہ ہے' آپ نے شوال میں رکھ لیا' ذیقعدہ میں رکھ لیا کسی اور مہینے میں رکھ لیا۔ یہ بھی رمضان ہی کا فرض روزہ ہے۔ اور پھر آپ نے اسے توڑ دیا تو فقہاء نے لکھا ہے کہ صرف روزے کی قضا ہے۔ کفارہ نہیں۔

بہرحال ایسے مقدس اور مبارک مہینہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اور آپ کو دو سعادتیں عطا فرمائی ہیں۔ ایک نزول وحی' میں نے نزول وحی کا لفظ اس لئے کہا ہے صرف قرآن کریم نہیں کہا کیونکہ احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے یہاں یہی مہینہ مقرر ہے نزول وحی کے لئے۔ آسمانی کتابیں چار توریت' زبور' انجیل' قرآن...... اور حدیث میں آتا ہے کہ یہ چاروں کی چاروں کتابیں اللہ تعالیٰ نے رمضان ہی کے مہینہ میں نازل فرمائی ہیں۔ جتنے صحیفے اللہ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسی مہینے کو منتخب فرمایا ہے۔ اور یہ مہینہ نزول وحی کا مہینہ ہے۔ اور نزول قرآن کا مہینہ ہے۔

نُزِّلَ فِيهِ الْقُرْآنُ یہ اس لئے فرمایا کہ قرآن کریم جو نازل کیا گیا ہے تم کو بھی اس کی ذمہ داری ادا کرنی چاہئے۔ اس مہینے میں تمہیں کیا کرنا چاہئے۔ روزے کی بات الگ ہے۔ فرمایا

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ

وہ کتاب جو ہم نے اس مہینے میں اتاری ہے' نازل کی ہے۔ اس میں تین باتوں کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ ایک یہ کہ لوگوں کے لئے سراپا ہدایت ہے۔ اس کے ایک ایک لفظ میں ہدایت ہے۔ بعضے لوگ کہا کرتے ہیں' اس میں کیا ہدایت ہے۔ ہمیں تو اس کے معنی ہی نہیں معلوم...... علماء کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہمیں معلوم نہیں۔ اللہ کو معلوم ہے تو قرآن کریم میں نعوذ باللہ' نعوذ باللہ ایسے لفظ کیوں نازل کئے گئے۔ جن کے معنی اللہ کو معلوم ہے بندے میں سے کسی کو نہیں معلوم۔

حروف مقطعات کی حکمت

میں نے عرض کیا کہ قرآن کریم کا ایک ایک لفظ موجب ہدایت ہے۔ جس کے معنی معلوم نہیں ہے' وہ بھی ہدایت کا ذریعہ ہے۔ کیسے؟ آپ اگر انگلینڈ کے اندر ہیں' کسی استاد سے نہ پڑھیں تو آپ انگریزی تو بول سکتے ہیں مگر اے بی سی ڈی (A,B,C,D) نہیں بول سکتے۔ یہ تو تب آپ سیکھیں گے کہ کلاس میں بیٹھ کر پڑھیں۔ استاد آپ کو پڑھائیں گے۔ ایک آدمی جو کسی اردو بولنے والے ملک میں رہتا ہے۔ وہاں وہ اردو بول سکتا ہے تقریریں کر سکتا ہے۔ الف با نہیں کہہ سکتا۔ یہ تو تب ہو گا کہ وہ مکتب میں جا کے پڑھے گا۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ "ا' ب" یہ الگ الگ بولے جانے والے حروف ہیں۔

سرکار دو عالم ﷺ امی ہیں۔ امی کے معنی یہ ہیں۔ ام کے معنی ماں اور امی کے معنی یعنی نسبتی "ماں والے" ماں والے کے معنی یہ ہیں' اگرچہ اللہ تعالیٰ نے بے شمار علوم آپؐ کو عطا فرمائے۔ مگر آپ ایسے ہی تھے جیسے کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور آپؐ نے کسی معلم' کسی استاد اور کسی مکتب میں نہیں پڑھا۔ امی کے معنی یہ نہیں ہے کہ آپ کے پاس علم نہیں ہے۔ آپؐ کا علم ساری کائنات سے بڑھ کر ہے۔ لیکن حضور اکرم ﷺ امی ہیں۔ کسی استاد کے پڑھے ہوئے نہیں' کسی مکتب میں پڑھا نہیں۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ آپ کے پاس علم نہیں آپ کا علم ساری کائنات سے بڑھ کر ہے۔ لیکن حضور اکرم ﷺ بھی ہر کسی استاد کے پڑھے ہوئے ہیں۔ کسی مکتب میں پڑھا نہیں کسی معلم نے پڑھایا نہیں تو آپؐ عربی کی لمبی لمبی عبارتیں تو بول سکتے ہیں مگر آپؐ یہ کیسے بول سکتے ہیں۔ الم۔ حم۔ کھیعص یہ کیسے بول سکتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ الگ الگ بولے جانے والے حروف بھی اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی زبان سے ادا کرا کے یہ بتا دیا کہ یہ قرآن معجزہ ہے۔ جو اللہ نے حضور ﷺ کو عطا فرمایا ہے۔ عبارت کے لحاظ سے بھی ایک معجزہ ہے۔ لمبی لمبی عبارت پڑھنے والوں کے لئے بھی ایک معجزہ ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے حروف پڑھنے والوں کے لئے بھی ایک معجزہ ہے۔ اور یہ وہ مخص

ادا نہیں کر سکتا ہے جس نے کسی استاد سے نہ پڑھا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم جہاں سے شروع ہوتا ہے سب سے پہلے یہ بتا دیا کہ دیکھو یہ حروف کی نشانی یہ ہے کہ ہم ان کو ادا کر رہے ہیں۔ جنہوں نے پڑھا نہیں۔

جس سے معلوم ہوا کہ دراصل اس کے معنی اگرچہ ہمیں نہیں معلوم مگر ان حروف کے ذریعے سے بھی انسانوں کو یہ ہدایت ملی ہے کہ وہ یقین کر لے کہ یہ کلام، اللہ کا کلام ہے۔ ورنہ حضور ﷺ الگ الگ بولے جانے والے حروف ادا نہیں کر سکتے تھے۔

ہدایت کا معنی

تو میں نے عرض کیا ھدی للناس ہدی کے معنی ہیں، راستہ دکھانا، ہمیشہ یاد رکھئے۔ راستہ دکھایا جاتا ہے روشنی سے۔ روشنی دو طرح کی ہے۔ ایک روشنی دماغ میں ظاہر ہوتی ہے ایک روشنی قلب پر ظاہر ہوتی ہے۔ اگر آپ کو رستہ معلوم نہیں ہے اور آپ کو یہ بتا دیا جائے کہ آپ یہاں سے جائیے، بائیں ہاتھ کی طرف مڑ جائیے اور داہنے ہاتھ کی طرف آپ کو جو مکان نظر آئے گا، وہ منزل ہے۔ آپ جو جا رہے ہیں۔ اس روشنی میں جا رہے ہیں۔ یہ ہدایت ہے جو ایک آدمی نے آپ کو دی ہے۔

ایک ہدایت وہ ہے کہ کوئی بات آپ کی سمجھ میں نہیں آتی۔ ایک استاد وہ بات آپ کو سمجھا رہا ہے تو آپ کہتے ہیں کہ اب میرے دماغ میں روشنی آ گئی۔ بات سمجھ میں آ گئی۔

کل ہی ایک جگہ ایک تعلیم یافتہ کہنے لگے کہ صاحب! وہ فلکیات اور فلاں سائنس، فلاں ریاضی کے ذریعے سے چاند کے بارے میں یہ تحقیقات ہیں۔ چاند کے بارے میں یہ رائے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ اسلام کا نقطہ نظر سمجھیں۔ آپ کی باتوں سے مجھے انکار نہیں ہے۔ اسلام کا نقطہ نظر یہ نہیں ہے کہ وہ آپ کے حساب کو، آپ کی ریاضی کو، آپ کے سسٹم کو غلط کہتا ہے۔ نہیں، یہ سب صحیح ہیں۔ مگر اسلام یہ کہتا ہے کہ تم بحیثیت بندے کے اس کارروائی کے اس

طریقِ کار کے پابند اور ذمہ دار ہو جو طریقِ کار ہم نے مقرر کیا ہے۔ جس سائنس کیا کہتی ہے۔ آلہ کیا کہتا ہے۔ اس کی کوئی بحث نہیں ہے۔

اور میں نے یہ عرض کیا تھا کہ مثال کے طور پر آپ حالتِ سفر میں ہیں۔ رات کا وقت ہے، ستارے بھی نظر نہیں آ رہے۔ ابر ہے، آپ عشاء کی نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔ تہجد کی نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔ کوئی آدمی نہیں جو بتائے قبلہ کدھر ہے۔؟ کوئی آلہ آپ کے پاس موجود نہیں ہے جو قطب شمالی اور قطب جنوبی بتائے کہ قبلہ کدھر ہے۔؟ آپ کیا کریں گے۔؟

اسلام کہتا ہے کہ جو ہم نے طریقہ مقرر کیا ہے، اس کی تم پابندی کرو اور وہ یہ ہے کہ تم اپنی عقل سے چاروں طرف دیکھ کے یہ اندازہ لگاؤ کہ قبلہ کس طرف ہونا چاہئے۔ آپ اپنی طرف سے اس میں تفکر کریں۔ سوچیں کہ قبلہ کس طرف ہونا چاہئے۔ جب آپ نے سوچ لیا اور آپ کا ضمیر کہتا ہے کہ قبلہ ادھر ہے۔ اس طرف نماز پڑھ لیں اور نماز پڑھنے کے بعد وہیں لیٹ گئے اور صبح ہوئی تو پتہ چلا کہ سورج نکلنے سے معلوم ہوا کہ قبلہ تو ادھر تھا۔ اسلام کہتا ہے کہ اس کی نماز ہو گئی۔ اس کی عبادت ہو گئی۔ کیونکہ ہم نے جس طریقِ کار کا پابند بنایا تھا۔ وہ طریقِ کار اس نے اختیار کر لیا۔

آپ یہ کہیں کہ صاحب ! آلہ یہ بتا رہا ہے۔ یہ قطب نما یہ بتا رہا ہے۔ بے شک بتا رہا ہو گا۔ اسلام نے جس طریقِ کار کا پابند بنا دیا ہے اس طریقِ کار پر عمل کرو۔

اسلام نے کہا کہ اگر ۲۹ تاریخ (شعبان) کو ابر ہو، کوئی شہادت نہ ہو، کوئی ثبوت نہ ہو، اب ہمارا بتایا ہوا طریقِ کار یہ ہے کہ آپ اس دن کو تیس قرار دیں۔ اور اس کے بعد احکامِ شرع جاری کرائیں۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ جی دیکھیں ! میرا حساب یہ کہتا ہے میری تقویم یہ بتاتی ہے۔ میرا فن یہ بتاتا ہے۔ یہ سب کچھ آپ کو بتاتا ہے۔

مگر اسلام نے جو طریقِ کار ہم کو بتایا تھا ہم نے اس پر عمل کر دیا۔ مگر یہ سمجھنا

ہے کہ غلطی بھی ہوئی ہو۔ مگر ہم نے وہ کارروائی پوری کر لی ہے جس کا حکم ہمیں اسلام نے دیا۔ بہرحال ' رمضان المبارک کی آمد کے موقع پر کچھ تمہیدی کلمات ' آپ کی خدمت میں عرض کئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

(انوار الحق ملتان)

فضائل رمضان المبارک، شب قدر کی فضیلت

بمقام جیکب لائن جامع مسجد کراچی، مورخہ ۲۷ رمضان ۱۴۰۳ھ

بزرگانِ محترم، برادرانِ عزیز !

سب سے پہلے ہم اور آپ اللہ کی بارگاہ میں شکر گزار ہیں کہ جس منزل کے لئے گرتے پڑتے بھوکے پیاسے چلے تھے آج اللہ نے ہمیں اس منزل مقصود پر پہنچا دیا۔ اور اس موقع پر ان الفاظ میں شکر ادا کرنا چاہئے۔ فرمایا کہ

شکر خدا کہ نمردیم و رسیدیم بہ دوست
آفریں باد بریں ہمت مردانۂ ما

اللہ نے توفیق عطا فرمائی اور آج ہم اس منزل پر پہنچ گئے ہیں۔ جیسے بھی پہنچے۔ خواجہ صاحب کا ایک شعر ہے۔

مقام فنا تک جو پہنچے ہیں اے دل
تو مر مر گئے ہیں مگر آگئے ہم

آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس منزل پر پہنچا دیا اس منزل کا نام عاشقوں کے لئے منزل وصال ہے۔ اور اہل عقل کے لئے دربار کی حاضری ہے۔ عشق کا مذاق الگ ہے عقل کا مذاق الگ ہے۔ عشق دوسرے طریقہ پر سوچتا ہے۔ عقل دوسرے طریقے پر سوچتی ہے۔

عشق را ناز و نیاز دیگر است
عشق را محرم راز دیگر است

عشق ان چیزوں سے بالکل بے نیاز ہے۔ وہ بالکل یہ نہیں سوچتا کہ مجھے کیا ملنا چاہئے

اور کیا حاصل ہونا چاہئے۔ وہ اس سے بالکل بے نیاز ہے۔ اسی لئے عشق کے سوچنے
کا انداز بالکل الگ ہے۔ اور عقل کے سوچنے کا انداز الگ ہے۔ عاشق جب منزل
وصال پہ آتا ہے تو کیا کہتا ہے اور کہتا ہی نہیں قربانی بھی دیتا ہے۔ ایک عاشق حرم
کے سامنے پہنچا، اور جب حرم کے سامنے پہنچا تو تڑپ کر گر گیا اور اس نے یہ شعر
پڑھا۔

چو رسی بہ کوئے دلبر بسپار جان مضطر
کہ مبادا بار دیگر نہ رسی بدیں تمنا

آج میرے سامنے حرم ہے اور میری حاضری ہے۔ اس سے بہتر کوئی
موقع نہیں ہے کہ میں یہاں جان اپنی اللہ کی راہ میں قربان کر کے جاؤں۔

[illegible] یوپی کی ایک مشہور بستی اور ایک مشہور قصبہ ہے۔ ایک زمانہ میں
وہاں سے حاجیوں کا قافلہ چلا۔ ان حاجیوں میں سے بہت سے تو رسمی حاجی بھی تھے۔
رسمی حاجی ان حاجیوں کو کہتے ہیں جو خدا کے گھر کا طواف کر کے آجاتے ہیں۔ گھر
والے سے ملاقات نہیں کرتے۔ اور وہ حقیقی حاجی ہیں کہ جو صرف گھر کا طواف ہی
نہیں کرتے بلکہ گھر والے سے گلے لگ کر آتے ہیں اس سے ملاقات کر کے آتے
ہیں جبھی تو کہ رہے مولانا جلال الدین رومی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں۔

حج زیارت کردن خانہ بود
حج رب البیت مردانہ بود

رب البیت سے ملاقات کرنا یہ مردانہ حج ہے۔ اور صرف گھر کا طواف کرنا
رسمی حج ہے۔ جو بہرحال فرض ادا ہو جاتا ہے۔ حاجی بہت سے تھے ایک انہیں میں
عاشق تھا اور ایک عاشق اگر کسی محفل میں پہنچ جاتا ہے تو وہ ساری محفل کا رنگ
بدل دیتا ہے اسی لئے کسی بگڑے دل عاشق نے کہا تھا۔

در محفل خود راہ مدہ ہمچو منے را
افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

ہم جیسوں کو تم اپنی مجلس میں مت آنے دو۔ اگر تم نے ہم جیسوں کو آنے دیا تو وہ ساری کی ساری مجلس کو تڑپا دے گا۔ وہ ایک بچہ ان حاجیوں کے اندر مضطرب بے چین اور عاشق تھا۔ حاجیوں کا قافلہ جا رہا ہے کسی کے پاس زاد راہ ہے۔ کوئی لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک کہہ رہا ہے۔ وہ بچہ خاموش ہے اور کوئی زاد راہ اس کے ساتھ موجود نہیں۔ بعض حاجیوں نے اس سے سوال کیا کہ میاں تم بھی حج بیت اللہ کو جا رہے ہو۔ کیا بات ہے کہ تمہارے پاس کوئی زاد راہ موجود نہیں۔ اس نے کہا جی ہاں میرے پاس کوئی زاد راہ نہیں..... کیوں.....؟ اس نے کہا میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ اگر کسی سلطان وقت اور امیر کے گھر آپ جائیں تو کیا اپنا کھانا باندھ کر لے جائیں گے۔ کیا یہ سلطان امیر کی توہین نہیں ہے۔؟ اور میں رب العالمین کے دربار میں جا رہا ہوں تو کیا میں اپنا کھانا اور ناشتہ باندھ کر لے جاؤں۔ جواب دیا..... فرمایا کہ

کودکے دیدم اسیر ہمہ تن
جاں تہ شد عشق الٰہی روشن

ایک عاشق کو دیکھا۔

گاہ مستانہ زدے نعرہ شوق
کبھی کبھی نعرے لگاتا ہے

اس سے جب ہم نے یہ سوال کیا تو اس نے کیا جواب دیا۔ اس نے کہا

گفت لائق نیواز درواز تسلیم
بردن زاد بدرگاہ کریم

تحفہ اور ناشتہ اللہ کے دربار میں لے جانا یہ اللہ کو ناگوار ہوگا۔ اس لئے میں نہیں لے جاتا۔ انہوں نے کہا اچھا یہ تو بتاؤ کہ سارے لوگ لبیک کہہ رہے ہیں۔ تم کیوں خاموش ہو؟ اس نے کہا۔

گفت ترسم زقفا گے خطاب
کہ بیاوا شنوم لا بہ جواب

آپ تو حوصلہ کے لوگ ہیں۔ اللہ میاں کو پکار رہے ہیں اور اس امید پہ پکار رہے ہیں کہ اللہ میاں آپ کو جواب دیں گے ۔ میں تو بہت کم حوصلہ کا آدمی ہوں۔ ڈرتا ہوں کہ اگر میں پکاروں اور اللہ تعالیٰ یہ کہہ دیں کہ ہم تجھ سے بات نہیں کرتے تو کیا رہ جائے گا۔ اس لئے میں خاموش ہوں ۔ حاجیوں کی ساری صف میں ایک بجلی کی لہر دوڑ گئی۔

عاشق کا کمال

اس عاشق نے سب کو دیوانہ بنا دیا۔ سب کی نظر اس بچے کے اوپر ہے۔ مجھے بتایا یہ تھا کہ جب سب کے سب بیت اللہ میں پہنچے اور حج کرنے کے بعد منیٰ میں گئے اور دیکھا کہ لوگ اپنے اپنے جانور قربانی کے ذبح کر رہے ہیں تو یہ وہاں کھڑا ہو گیا کہتا ہے کہ

گفت یا رب تو گر روانی
کہ بجز جاں چہ کنم قربانی

اے اللہ میں تو کوئی دنبہ نہیں لایا۔ کوئی بکرا ساتھ لے کر نہیں آیا۔ صرف ایک جان ہے جس کو میں قربانی کے طور پر دے سکتا ہوں۔ میرے پاس اور کچھ نہیں..... اور

بجوری گفت یکے نعرہ کشید
بر سر خاک چو بسمل بہ تپید

یہ نعرہ لگایا...... اور نعرہ لگا کے زمین پہ لیٹ گیا اور تڑپ کر وہیں پہ جان دے دی۔

میں یہ بتا رہا تھا کہ عاشق کا مزاج یہ ہے وہ یہ نہیں سوچتا کیا ملے گا کیا نہیں ملے گا۔ ؟ اس طریقے پہ وہ غور نہیں کرتا۔ اور اس طریقہ پہ سوچتا نہیں۔ بلکہ ان چیزوں سے وہ بے نیاز ہوتا ہے۔ ہاں اہل عقل حساب لگاتے ہیں کیا ملے گا کیا فائدہ ہو گا۔ مطلب میرے کہنے کا یہ ہے کہ منزل وصال مل گئی عاشقوں کے لئے اور اہل

عشق کے لئے سلطانی اور بادشاہ کا دربار مل گیا۔ ملاقات کے لئے اس منزل وصال کا نام لیلتہ القدر ہے۔ قدر کی رات اور لیلہ رات کو کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں ہے لفظ دن' یہ زمانہ کے ٹکڑوں کے دو نام ہیں۔ زمانہ کا ایک ٹکڑا غروب آفتاب سے شروع ہوتا ہے۔ صبح صادق تک اس کا نام ہے۔ رات اور طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب کے ٹکڑے کا نام ہے۔ دن' رات کے بھی ٹکڑے ہیں۔ یہ اول شب ہے' یہ آخر شب ہے۔ یہ رات کا درمیانی حصہ ہے۔ دن کے بھی ٹکڑے ہیں۔

مخصوص اوقات کی فضیلت

یہ چاشت ہے یہ اشراق ہے' یہ ظہر ہے یہ دوپہر ہے یہ سہ پہر ہے اس کے بھی نام ہیں۔ دن اور رات دونوں کو اگر ایک جگہ ملا دیا جائے تو اس کو کہتے ہیں یوم' اردو میں ترجمہ کرتے ہیں۔ ہم دن اصل میں ہے یوم جو چوبیس گھنٹے کا ہوتا ہے۔ اور اگر سات دن کو جمع کر دیا جائے تو اس کو کہتے ہیں ہفتہ' چار ہفتوں کو جمع کر دیا جائے تو اس کو کہتے ہیں مہینہ۔ اور بارہ مہینوں کو چونکہ مہینے بارہ ہی ہوتے ہیں۔ فرمایا کہ

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ

بارہ مہینے' ان کو اگر ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو اس کو کہتے ہیں سال (سن) اور اگر سالوں کو سو کی مقدار میں جمع کر دیا جائے تو اس کو کہیں گے صدی۔ عربی میں کہتے ہیں دہر' اب آپ سمجھیں یہ سب کے سب زمانے کے ٹکڑوں کے نام ہیں۔ بڑے سے بڑا ٹکڑا ہے صدی' اس سے چھوٹا سال اس سے چھوٹے مہینے۔ اس سے چھوٹے ہفتے' اس سے چھوٹے دن' اور دن چھوٹی رات' اس سے چھوٹے اوقات' یہ بات میں نے اس لئے عرض کی کہ تمام ساعتیں برابر نہیں۔ تمام دن برابر نہیں۔ تمام راتیں برابر نہیں۔ تمام مہینے برابر نہیں۔ تمام سال برابر نہیں۔ ایک کو دوسرے پر اللہ تعالیٰ نے فوقیت و فضیلت عطا فرمائی ہے۔ وہ صدی سب سے بہتر اور افضل صدی ہے۔ جس میں سرکار دو عالم ﷺ تشریف لے آئے اور آپ کے ذریعے سے

دنیا میں اسلام آیا ہے۔ سب سے بہتر صدی وہ ہے۔

حضور ﷺ خلاصہ کائنات ہیں

کیونکہ آپ خلاصہ کائنات ہیں۔ مقصود کائنات ہیں۔ جن کی خاطر زمین و آسمان بنائے گئے تھے۔ جس دن وہ ہستی آئی ہے جس صدی میں آئی ہے۔ وہ صدی تمام صدیوں سے بہتر اور افضل ہے۔ کسی عاشق نے سچ کہا ہے۔ فرمایا کہ

ہوتا نہ تیرا نور گر کچھ بھی نہ ہوتا جلوہ گر
تیرے سبب یہ سب بنا صل علی محمد

سب سے بہتر سال

سب سے بہتر سال کونسا! سب سے بہتر سال وہ ہے جس میں سرکار دو عالم ﷺ نے مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی ہے۔ اس لئے ہمارے اور آپ کے نزدیک وہ سال آج تک یادگار چلا آ رہا ہے۔ اور قیامت تک یادگار رہے گا۔ اس کا نام ہو گا سنہ ہجرۃ النبی حضور کی ہجرت کا سال

افضل مہینہ

سال کے مہینوں میں کون سا مہینہ افضل ہے! ان مہینوں میں سب سے افضل مہینہ سید الشہور اور رمضان کا مہینہ ہے اور رمضان کے مہینے کے علاوہ دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے۔

افضل رات

راتوں میں سب سے افضل رات لیلۃ القدر ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ سب سے افضل رات وہ ہے کہ جس رات میں سرکار دو عالم پیدا ہوئے یعنی لیلۃ مولدہ آپ کی پیدائش کی رات سب سے افضل ہے۔ لیکن بعض راتیں ایسی

ہیں کہ افضل تو ہیں مگر وہ واپس نہیں آتی۔ وہ رات سب سے افضل ہے کہ جس میں حضور ﷺ پیدا ہوئے اور تشریف لائے۔ لیکن وہ ہر سال نہیں آتی۔ وہ ایک رات تھی جس کو یہ شرف مل گیا۔ اور سرکارِ دو عالم ﷺ کی ولادت کی عزت اسے کے نصیب ہو گئی۔ ہر سال میں واقع نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ کون سی رات افضل ہے۔ وہ لیلۃ القدر ہے۔ لیلۃ القدر ہر سال آتی ہے۔ ہر سال لوٹ کر واپس آتی ہے اور یہ سال بھر میں ہمیں اور آپ کو ایک بار نصیب ہوتی ہے۔ اور بھی راتیں ہیں فرمایا کہ لیلۃ الاسراء والمعراج جس رات میں سرکارِ دو عالم ﷺ تشریف لے گئے ہیں عرش الٰہی پر وہ رات افضل ترین رات ہے۔ وہ بھی ایک دفعہ وہ ہر سال لوٹ کر نہیں آتی کیونکہ یہ ایک واقعہ تھا جو پیش آگیا۔ اس کے علاوہ لیلۃ النصف من شعبان ' جس کو ہم اور آپ شب مبارک ' لیلۃ البرأت کہتے ہیں۔ یہ رات بھی افضل ہے۔ لیکن راتوں میں سب سے افضل رات وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرمایا ہے۔ جس کا ذکر فرمایا کہ انا انزلنہ فی لیلۃ القدر آج ہمیں اور آپ کو اللہ نے اسی رات کے اندر یہ موقع دیا ہے۔ کہ ہم اور آپ اللہ کی خدمت اور بارگاہ میں اپنی عرضی اور حاضری کو پیش کریں۔ قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ نے اسی رات کا ذکر فرمایا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ وہ رات ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

لیلۃ القدر کیوں افضل ہے

آپ نے دیکھا ہو گا کبھی کبھی چھوٹا سا عمل بڑے سے بڑے عمل کے اوپر غالب آجاتا ہے۔ کیسے ' کبھی اس عمل کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ وہ زیادہ مقبول ہوتا ہے۔ نماز ہے آپ نے جماعت سے پڑھی ثواب اس کا زیادہ ہے۔ ستائیس نمازوں کے برابر ہے۔ اسی نماز کو آپ نے تنہا پڑھا۔ ایک نماز کا ثواب ہے۔ ایک ہی عمل ہے اگر آپ نے دوسرے طریقہ پر ادا کیا ہے اس کا ثواب زیادہ ہے اگر آپ نے اس طریقہ پر ادا کیا ہے تو اس کا ثواب کم ہے ' جبکہ اگر آپ نے وہ نماز یہاں ادا کی ہے تو اس کا ثواب اور ہے لیکن اگر آپ نے وہی نماز حرم میں ادا کی

ہے یا مسجد نبوی یا مسجد اقصیٰ کے اندر ادا کی ہے تو اس مقدس جگہ کی وجہ سے اس کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ملے گا۔

اخلاص کی برکت

بعض اوقات چھوٹا سا عمل ہوتا ہے کیفیت کی وجہ سے وہ بڑے بڑے اعمال پہ غالب آ جاتا ہے۔ حضرت سلطان الاولیاء نظام الدین ؒ کا واقعہ لکھا ہے کہ خدام آ جاتے تھے۔ زائرین و شائقین کے لئے کھانا پکا کر لے جاتے تھے۔ ایک صاحب بریانی کی دیگ پکا کر لے گئے۔ اور کہا کہ حضرت میں پیش کر رہا ہوں۔ انہوں نے توجہ نہیں کی۔ بالکل توجہ نہیں کی۔ تھوڑی دیر آنکھیں بند کئے بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد متوجہ ہوئے اور انہوں نے اسے قبول کر لیا۔ انہوں نے دریافت کیا کہ اتنی دیر آپ مراقبہ میں کیا سوچ رہے تھے۔ اتنی دیر بعد آپ نے کیوں قبول کیا۔؟ اس کی کیا وجہ ہے۔ فرمایا کہ تمہارے آنے سے پہلے ایک شخص آدمی تھوڑے سے چنے لے کر آیا تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ اس کی طرف متوجہ تھے۔ تیری دیگ اور بریانی کی طرف متوجہ نہیں تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اگر کبھی اخلاص چھوٹے سے چھوٹے عمل کو حاصل ہو جائے تو وہ بعض اوقات بڑے بڑے اعمال پہ غالب آ جاتا ہے۔ اسی طرح ایک رات ایسی عطا فرما دی۔

حضور اکرم ﷺ کی خصوصیات

اور حضور اکرم ﷺ کی چند خصوصیات ہیں۔

پہلی خصوصیت

ایک خصوصیت آپ کی یہ ہے کہ اللہ نے آپ کی امت کے لئے روئے زمین کو مسجد بنا دیا۔ اس سے پہلے کسی ملت اور کسی قوم کے لئے یہ اجازت نہیں تھی۔ عبادت کرنی ہے عبادت خانہ میں جاؤ گے تو عبادت ادا ہو گی ورنہ نہیں۔ لیکن اس امت کی خصوصیت ہے کہ روئے زمین میں جس جگہ بھی تم نماز ادا کرو گے

اللہ نے اسے خیمہ بنا دیا ہے۔

دوسری خصوصیت

اور مسجد بنانے کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری عبادت قبول ہو گی۔ آپ کی خصوصیتوں میں دوسری خصوصیت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے مٹی کو پاکی کا ذریعہ بنا دیا۔ کسی امت کو یہ رعایت نہیں دی گئی۔ بلکہ بعض اوقات یہ تھا کہ اگر بدن پر نجاست لگ جائے تو سوائے بدن کے کھرچنے اور کاٹنے کے طہارت کی کوئی صورت نہیں تھی۔ کپڑے پر لگ جائے تو پھاڑ پھینکنے کے سوا پاکی کی کوئی شکل نہیں تھی۔ لیکن یہ صدقہ ہے اور طفیل ہے سرکار دو عالم ﷺ کا' اللہ نے آپ کے طفیل میں مٹی کو پاکی کا ذریعہ بنا دیا۔ وضو کی ضرورت ہے پانی نہیں ہے تیمم کر لیں' نماز پڑھ لیں۔ غسل کی ضرورت ہے پانی نہیں تیمم کر لیں نماز پڑھ لیں۔ یہ خصوصیت بھی حضور ﷺ کی امت کی ہے کہ اللہ نے آپ کی امت کے لئے مٹی کو پاکی کا ذریعہ بنا دیا۔

تیسری خصوصیت

ایک خصوصیت اور ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ نے سرکار دو عالم ﷺ کے سر پر شفاعت کا تاج رکھا ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام ہوں گے۔ وہ اللہ کی بارگاہ میں اپنی اپنی امتوں کے لئے شفاعت نہیں کر سکیں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے روئے زمین کی قبروں میں سے سرکار دو عالم ﷺ اپنے روضہ مبارک سے اٹھائے جائیں گے۔ اور اس کے ساتھ آپ کی امت کو اٹھایا جائے گا۔ تمام انبیاء کرام کو اٹھایا جائے گا۔ ان کے ساتھ ان کی امتوں کو اٹھایا جائے گا۔ ہر نبی کے ہاتھ میں جھنڈا ہو گا۔ سرکار دو عالم ﷺ کے ہاتھ میں جھنڈا ہو گا۔ جس کا نام ہو گا لواء الحمد' امت کا لقب ہو گا۔ حمادون' جس مقام پر حضور کو ٹھہرایا جائے گا اس مقام کا نام محمود' ذات گرامی کا نام محمد ہے۔ ہاتھ میں جو جھنڈا ہے لواء الحمد ہے جو امت ہے...... اس کا لقب حمادون ہے جس مقام پر بیٹھیں گے وہ

مقام مقام محمود ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ اس طریقے سے اٹھائے جائیں گے۔ ساری
امتیں اپنے اپنے نبیوں سے کہیں گی کہ ہمارے لئے اللہ کے یہاں سفارش فرمائیں۔
حضرت آدم فرمائیں گے میں شرمندہ ہوں مجھ سے ایک لغزش یہ ہو گئی تھی کہ میں
نے درخت کا استعمال کر لیا تھا جس کو منع کیا گیا تھا۔ اس کی ندامت اور شرمندگی
سے آج میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں پاتا کہ اللہ کی بارگاہ میں تمہاری شفاعت
کروں۔ اور کسی نبی کے پاس جاؤ۔ ایک نبی حضرت نوح علیہ السلام ہوں گے۔ ان
کی قوم ان سے یہ کہے گی کہ آپ ہماری شفاعت فرمائیں۔ حضرت نوح علیہ السلام
فرمائیں گے میں نے اپنے کافر بیٹے کے لئے دعا کی تھی۔ یہ مجھ سے لغزش ہو گئی
تھی۔ اس شرمندگی کی وجہ سے خود کو شفاعت کے قابل نہیں پاتا۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ
ساری امتیں حضور ﷺ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں اور حضور ﷺ تمام
امتوں کی شفاعت فرمائیں گے۔

عاشق کا سوال

جب حضور ﷺ یہ بیان فرما رہے تھے ایک عاشق کو یہ خیال پیدا ہوا کہ یا
رسول اللہ اول تو آپ کی امت ہی ماشاء اللہ بہت زیادہ ہے بڑی تعداد میں ہے اور
یہ ساری کی ساری امتیں جب آپ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں گی شفاعت
کے لئے تو بھی ہمیں یہ خطرہ ہے کہ ہم وہاں رل نہ جائیں۔ آپ ہمیں پہچان بھی
لیں گے یا نہیں پہچانیں گے۔ اول تو امت کی تعداد بہت زیادہ پھر ساری امتیں
جمع...... یہ خیال انہی لوگوں کو پیدا ہوتا ہے جو سنجیدگی کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ
عالم آخرت ایک عالم ہے جنت ایک مقام ہے۔ جہنم ایک جگہ ہے..... اور جو
لوگ خیالی باتیں کرتے ہیں بتائیے جنت کے کمروں میں کھڑکیاں کتنی ہیں۔ اس کی
چھت میں کھڑکیاں کتنی ہیں۔ کسی نے حضرت تھانوی سے سوال کیا تھا کہ مولوی صاحب آپ جو یہ
فرماتے ہیں کہ جنت میں ہر چیز مل جائے گی مجھے تو اور کسی چیز کا شوق نہیں ' حقہ کا
شوق ہے حقہ ملے گا یا نہیں۔ اگر وہ یہ کہیں کہ ملے گا تو سوال یہ ہو گا کہ جنت میں
آگ کہاں سے آئے گی۔ آخر میرا دل حقہ کو چاہا تو فرمایا کہ ہاں اگر تمہارا دل حقہ کو

جانا تو ضرور ملے گا۔ لیکن ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ جنت ایسا پاکیزہ مقام ہے کہ اس پاکیزہ مقام میں جا کر کسی کے دل میں حسد کی خواہش پیدا نہیں ہوگی۔

مقام کی برکت

آپ کراچی میں رہتے ہیں۔ چھٹی کا دن سینماؤں میں تفریحات میں گزارتے ہیں۔ بتایئے اگر آپ مدینہ یا مکہ میں موجود ہوں تو کیا کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں سینما گھر اگر ہوتا تو میں سینما میں جاتا۔ نہیں ہوتا۔ یہ صرف اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ آدمی خراب ماحول میں ہوتا ہے تو بری خواہشیں پیدا ہوتی ہیں۔ تو فرمایا کہ تمہارے دل میں حسد کی خواہش پیدا ہوتی تو ضرور ملے گی۔ لیکن تمہارے دل میں یہ خواہش پیدا ہی نہیں ہوگی۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ آپ ہمیں کیسے پہچانیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم فکر نہ کرو ہم تمہیں پہچان لیں گے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے فرمانے سے اطمینان تو ہو گیا لیکن دل کی ابھی تسلی نہیں ہوئی۔ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ لاکھوں گھوڑوں میں اگر کوئی پچکلیاں گھوڑا جس کے ہاتھ پاؤں، پیشانی سفید ہیں تو کیا وہ پہچانا جاتا ہے یا نہیں۔ صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ گھوڑا تو اس لئے پہچانا جاتا ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں پیشانی سفید ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر یاد رکھو میری امت جو پانچ وقت روزانہ کی نماز کے لئے وضو کرتی ہے۔ قیامت میں اس وضو کی برکت کی وجہ سے ان کے ہاتھ پاؤں، پیشانی اس طرح چمکیں گے جس طرح پچکلیاں گھوڑے پر سفیدی ہوتی ہے۔ اور میں اس علامت اور نشانی سے اپنی امت کو پہچان لوں گا۔ تو میرے دوستو! یہ خاصیتیں ہیں حضور ﷺ کی جن میں سے ایک لیلۃ القدر بھی ہے.......

ایک خصوصیت لیلۃ القدر ہے

لیلۃ القدر بالکل اس طریقہ پر سمجھئے۔ آپ نے فرمایا ایک شخص نے ایک مزدور سے یہ مزدوری طے کی کہ تم پورے دن یا صبح سے لے کر دوپہر تک کام کرو

گے تو ہم تمہیں بیس روپے دیں گے۔ دوسرے مزدور سے کہا کہ اگر تم ظہر سے عصر تک کام کرو گے تو تمہیں تیس روپے دیں گے۔ اور تیسرے مزدور سے یہ کہا کہ اگر تم عصر سے مغرب تک کام کرو گے تو چالیس روپے دیں گے۔ ایک مزدور یہ کہتا ہے کہ میں نے صبح سے بارہ بجے تک کام کیا ہے تو آپ نے چھ گھنٹے کے مجھے بیس روپے دیئے اور اس نے تین گھنٹے کام کیا ہے اس کو بھی تیس روپے دیئے۔ اور اس نے تو ڈیڑھ گھنٹہ ہی کام کیا ہے تو اس کو آپ نے چالیس روپے دے دیئے۔ اعتراض کرنے لگے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جو آدمی یہ اعتراض کرتا ہے فرمایا" ان میں سے ایک یہودی ہیں۔ یعنی حضرت موسیٰ کی امت کہ جس نے اتنی محنت کی ہے اور اس کا اتنا ثواب ملا ہے۔ دوسرا نصرانی ہیں۔ جس نے کام تھوڑا کیا ہے معاوضہ اس کو اتنا ہی ملا ہے۔ اور فرمایا کہ جس کو ایک گھنٹہ کی اجرت چالیس روپے مل گئی۔ سرکار دو عالم ﷺ کی امت ہے۔ کہ آپ کے صدقے میں تھوڑی خدمت عبادت کا کتنا صلہ ہم نے تم کو عطا فرمایا۔ یہ خصوصیت ہے حضور ﷺ کی۔

٭

لیلۃ القدر کہتے ہیں" لیلۃ القدر" دال پر آپ زبر لگائیں یا جزم لگائیں۔ دونوں کے معنی ایک ہیں۔ کیا معنی قدر کے ہیں عزت" شرف" بڑا صاحب قدر و منزلت۔ اس کی عزت زیادہ ہے اس کا مرتبہ زیادہ ہے۔ لیلۃ القدر ایسی رات ہے جس کی عزت جس کا شرف" جس کا مرتبہ بہت زیادہ ہے۔ کیوں.....؟

نزول قرآن

اس لئے زیادہ ہے کہ اللہ نے اس رات میں قرآن مجید کو نازل فرمایا ہے۔ اور نزول قرآن کے لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وحی کے آنے کے لئے اللہ نے ایک مہینے کو منتخب کر رکھا ہے اور وہ رمضان کا مہینہ ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ رمضان کی پہلی رات کو اللہ نے حضرت ابراہیم پر صحیفے نازل فرمائے اور چھ راتیں گزرنے کے بعد پھر ساتویں رات کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر توریت نازل فرمائی۔ مگر کب؟ سات سو سال کے بعد" صحف ابراہیم نازل ہوئے۔ اس کے

سات سو سال بعد رمضان کی چھ راتیں گزرنے کے بعد اللہ نے توراۃ کو نازل فرمایا۔ پھر چھ سو سال کے بعد بارہ راتیں جب رمضان کی گزر گئیں تو اللہ نے زبور کو نازل فرمایا۔ پھر چھ سو سال کے بعد اللہ نے انجیل کو نازل فرمایا۔ اور اس کے بعد اللہ نے رمضان کی آخری راتوں میں ایک رات کے اندر جس کو لیلۃ القدر کہتے ہیں قرآن مجید کو نازل فرمایا۔ صحف ابراہیم رمضان میں اترے۔ توریت رمضان میں اتری۔ زبور رمضان میں اتری۔ انجیل رمضان میں اتری۔ قرآن رمضان میں اترا۔ راتیں مختلف ہیں' لیلۃ القدر کب ہے؟

لیلۃ القدر کب ہے؟

کون سی رات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم سے مت پوچھو' تم اسے تلاش کرو' ڈھونڈو' کیسے ڈھونڈیں۔ اس کے ڈھونڈنے کا ایک طریقہ ہے اور وہ طریقہ یہ ہے۔ اگر ہم آپ سے کہیں کہ نمازوں میں سے ایک نماز بہت زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ اور وہ نماز ہے صلوۃ وسطی۔ اب ڈھونڈو صلوۃ وسطی (درمیانی نماز) کو۔ یوں تو پانچ نمازوں میں ہر نماز وسطی ہے۔ اگر آپ عشاء اور فجر کی نماز کو الگ کر دیں اس لئے کہ ایک رات میں پڑھی ہے۔ اور ایک ابھی صبح ہونے سے پہلے پڑھی' دو ادھر اور دو ادھر تو پھر ظہر کی نماز صلوۃ وسطی ہو گئی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ صلوۃ وسطی تو بتا دیا۔ لیکن صلوۃ وسطی کون سی ہے......؟ تو اللہ نے مخفی رکھا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر صلوۃ وسطی کی فضیلت حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہر نماز کی پابندی کرو۔ صلوۃ وسطی تمہیں ضرور مل جائے گی۔

بعض چیزوں کو مخفی رکھنے کی حکمت

اسی طرح اللہ نے بعض چیزوں کو مخفی کر دیا ہے۔ جیسے اسم اعظم اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ جس کو اعظم کہتے ہیں۔ اللہ نے اس کو چھپا دیا ہے۔ تم ہر نام کی تعظیم کرو اس میں اسم اعظم بھی آ جائے گا جمعہ کی ساعتوں میں سے ایک ساعت مقبولیت کی ساعت ہے۔ وہ ساعت کون سی ہے۔؟ وہ نہیں بتائی۔ ڈھونڈیں

اور تلاش کریں۔ فرمایا کہ

خورش دہ بگنجشک و کبک حمام

اگر آپ واقعتاً ایک شکار کھیلنا چاہتے ہیں اور آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی پسند کا شکار آ جائے تو پھر آپ کبک، حمام، چڑیا، سب کو ہی کو آپ تیر کا نشانہ بنائیں جو آپ کی پسند کا شکار ہے وہ بھی بہر صورت آ جائے گا۔ تو مطلب یہ ہوا کہ یہ رات اللہ تعالیٰ نے چھپا دی ہے۔ لیکن اس طریقہ پر چھپائی ہے کہ آخری راتوں سے ایک رات ہے جو طاق راتوں میں سے رات کہلاتی ہے۔ ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ اب ذرا یہاں سے چلئے۔ میں پر ایک ۲۱ میں پر تین ۲۳ میں پر پانچ ۲۵، میں پر سات ۲۷، میں پر نو ۲۹ ان عددوں میں کون سا عدد اللہ کو سب سے زیادہ پسند اور اسلام میں اہم ہے تحقیق سے یہ معلوم ہوتا ہے۔

سات کا عدد

کہ سات کا عدد اللہ کو بہت زیادہ پسند ہے۔ اور اسلام میں اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ کیسے؟ آسمان سات ہیں۔ زمین کے طبقات سات ہیں۔ دن سات ہیں۔ ہفتہ سات دن کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ خانہ کعبہ کا طواف سات چکر ہیں۔ صفا و مروہ کی سعی سات ہیں۔ رمی جمار سات ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلامیہ کے اندر سات کا عدد بہت ہی زیادہ مرغوب ہے۔ اس لئے فرمایا کہ میں پر سات کیا ہوتے ہیں۔ ستائیس اور بعض صحابہ نے حلف اور قسم سے یہ بات کہی ہے کہ میں قسم کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ رمضان کی ۲۷ تاریخ کو اللہ تعالیٰ شب قدر عطا فرماتے ہیں۔ زیادہ تر اسی پر اتفاق ہے۔ اور بھی طریقے لوگوں نے بتائے ہیں۔ فرمایا کہ لیلۃ القدر اس میں نو حروف ہیں۔ ل، ی، ل، ۃ، ا، ل، ق، د، ر۔ اور فرمایا کہ ان نو حرفوں کو اللہ نے تین دفعہ ذکر فرمایا ہے۔ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۔ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۔ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ تو ۲۷=۹×۳ غرضیکہ مختلف طریقوں سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ وہ لیلۃ القدر جس کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

۲۷ ویں شب

وہ درحقیقت ۲۷ ویں شب ہے۔ وہ قدر و منزلت کی رات ہے کیوں......؟ کتاب قدر و منزلت والی جس پر کتاب اتری۔ وہ قدر و منزلت والے جس کے لئے کتاب اتاری گئی۔ وہ قدر و منزلت والی امت جس پہ کتاب نازل کی۔ وہ قدر و منزلت والے آقا جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ قدر و منزلت والا۔ جس نے کتاب نازل کی۔ وہ قدر و منزلت والے۔ رات قدر و منزلت والی۔ اور نبی کی امت قدر و منزلت والی۔ اس لئے فرمایا کہ یہ رات قدر و منزلت والی ہے اس لئے کہ اس میں تمام شرف جمع ہیں۔ شرف میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ ایک بات' دوسری بات یہ ہے کہ قدر کے ایک معنی آتے ہیں تنگ ہونے' جیسے یہ جگہ ہے۔ یہاں آپ بیٹھے ہوئے ہیں لوگ زیادہ ہو جائیں تو کہیں گے بھیڑ ہو گئی ہے۔ یہ جگہ تنگ ہو گئی۔ "جائے تنگ است مرداں بسیار" یہ رات تنگی کی رات ہے۔ کیا مطلب! یہ کائنات اتنی وسیع ہے آسمان کے نیچے لیکن جب لیلۃ القدر آتی ہے تو وہ ساری کی ساری فضا تنگ ہو جاتی ہے۔ کیوں؟ فرمایا کہ عرش فرش کے تمام ملائکہ اور فرشتے جمع ہو جاتے ہیں۔ فرشتوں کے سردار جمع ہو جاتے ہیں۔ اور سرداروں کے علاوہ ایک اور شخصیت ہے جس کا نام ہے روح الامین۔ بعض علماء نے کہا کہ یہ لقب حضرت جبرائیل کا اور بعضوں نے کہا کہ نہیں روح ایک شخصیت ہے جو خیر و برکت لے کر آتا ہے۔ بہرحال ملائکہ اور فرشتے آتے ہیں۔ اور اتنی بڑی تعداد میں آتے ہیں کہ زمین و آسمان کی درمیانی فضا تنگ ہو جاتی ہے کیوں آتے ہیں فرمایا کہ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ سَلَامٌ ملائکہ اور فرشتے آتے ہیں آپ کو دیکھتے ہیں کہ آپ بارگاہ خداوندی میں متوجہ ہیں۔ کیا کہتے ہیں۔ کہتے ہیں السلام علیکم' السلام علیکم۔ آپ کو سلام بھیجتے ہیں۔ آپ کے جان و مال کے لئے دعا کرتے ہیں۔ آپ کی صحت و تندرستی کے لئے دعا کرتے ہیں۔ ملائکہ اور فرشتے سلام کہتے ہیں اور ایک دفعہ کہہ کر ختم نہیں کر دیتے بلکہ ساری رات ان کا کلمہ یہ ہے کہ وہ آپ پر سلام بھیجتے رہتے ہیں۔ یہاں

حتیٰ کہ صبح صادق ہو جاتی ہے۔

نزول ملائکہ کی وجہ

ملائکہ اور فرشتے کیوں آتے ہیں۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ کیا کوئی تقریب ہے۔ اسی وجہ سے آتے ہیں۔ ملائکہ اور فرشتے کس وجہ سے آئیں گے۔ آپ کو یاد ہوگا اور تاریخ اپنی یاد رکھنی چاہئے۔

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را

اپنی تاریخ اٹھا کر دیکھئے کبھی اسے پڑھ لیا کیجئے کہ وہ کیا ہے۔ جب ہمارے باپ حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ پیدا کر رہے تھے تو مخالفت فرشتوں نے کی تھی۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ پیدا کرنا چاہتے تھے ابوالبشر کو۔ ملائکہ نے کہا تھا کہ اے حضور آپ ایسی مخلوق کو پیدا نہ کیجئے یہ تو بڑی گندی مخلوق ہے۔ بڑی خراب مخلوق ہے۔ کیوں......؟ فرمایا

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ

اگر کسی کو حضور ﷺ کی تعلیمات نے آدمی بنا دیا ہو تو بات اور ہے اگر قرآن نے کسی کو درست کر دیا ہو تو بات اور ہے۔ ورنہ حضرت انسان وہی انسان ہے جو اپنی بچی کو زندہ زمین میں دفن کر دیتا تھا۔ یہ وہی انسان ہے جو اپنی بچی کو لے جا کر کنویں میں ڈال دیتا تھا۔ وہ بھی تو آخر آدم کی اولاد تھے۔ غلط تو نہیں کہا تھا فرشتوں نے۔

ایک شخص کا واقعہ

حضور ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آئے ہیں اسلام قبول کرنے کے لئے روتے ہوئے بیوی بھی رو رہی ہے۔ شوہر بھی رو رہا ہے۔ کیا بات ہے خیریت تو ہے؟ کہا جی آپ ہمیں مسلمان کر دیجئے۔ بات یہ ہے کہ ہمارے گھر میں ایک لڑکی

نہایت حسین پیدا ہوئی ہم نے یہاں کے رواج کے مطابق اسے زندہ دفن نہیں کیا۔
وہ بڑی ہو گئی بڑی ہونے کے بعد ایک دن یہ خیال پیدا ہوا کہ اس کے لئے شوہر
ڈھونڈنا پڑے گا۔ میں نے اور بیوی نے مشورہ کیا اور لے جا کر کنویں میں ڈال دی۔
جب کنویں میں ڈال دیا تو وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہی تھی۔ وہ منظر
ابھی تک ہمیں یاد ہے۔ وہ اپنا ظلمات منظر ہے۔ ہم ایسے دین میں نہیں رہنا
چاہتے۔ آپ ہمیں دین اسلام میں داخل فرما لیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور
اکرم ﷺ روئے اور اتنا روئے کہ آپ کی ریش مبارک (داڑھی مبارک)
آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ آخر وہ بھی تو ایک بچی کے باپ تھے۔ اس کی بچی تو ماں
تھی۔ لیکن آپ نے دیکھا کہ کس قدر سنگ دلی سے وہ اپنی اولاد کو اس طریقہ پر ذبح
کر رہے ہیں۔ فرشتوں نے سچ کہا تھا کہ اگر اس مخلوق کی دیکھ بھال نہ ہوئی تو
سوائے خونریزی اور قتل و غارت گری کے اور کچھ نہیں کرے گی۔ جب فرشتوں
نے یہ کہا تھا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ چلو آج زمین پر چلو۔

فرشتے اور عالم دنیا

اور بعض روایتوں میں ہے کہ ملائکہ آئیں گے چار مقامات قائم کریں گے
اور چاروں مقامات پر اپنے جھنڈے لگائیں گے۔ ایک مقام قبر النبیؐ سرکار دو عالم
ﷺ جہاں آرام فرما رہے ہیں ایک جھنڈا وہاں ہو گا۔ ایک حرم میں ایک مسجد اقصیٰ
اور ایک طور سینا پر ہو گا۔ ان چار مقامات پر ان ملائکہ کے جھنڈے ہوں گے۔ اور
اتنی بڑی تعداد میں آئیں گے کہ زمین کی فضا تنگ ہو جائے گی۔ اس لئے کہ تم نے
جس کی پیدائش کی مخالفت کی تھی چلو اس کی نسل اور اولاد تمہیں دکھائیں۔ اور
میرے دوستو! صحیح آدمی وہ ہے۔

عطر آنست.....

عطر آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔ عطر وہ ہے جو خود اپنی خوشبو سے
یہ کہہ دے کہ میں عطر ہوں۔ اگر کوئی صاحب کہے کہ میرے ہاتھ میں عطر ہے۔ تو

وہ کسی کام کا! وہ عطر ہی کیا جس کی خوشبو خود نہ بتائے کہ میں عطر ہوں۔ ایک بڑے نیک تاجر تھے ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے لئے بھی دعا میں نام ہے۔ بڑے بھولے تھے۔ میں نے ان سے ایک مرتبہ کہا کہ یہ صاحب بڑے لائق وکیل ہیں۔ اگر آپ کے ہاں کوئی موقعہ ہو تو ان کو بھی کوئی مقدمہ وغیرہ دے دیجئے۔ پوچھنے لگے کہ مولانا صاحب وکیل کا تعارف نہیں کرایا جاتا۔ میں نے کہا کیوں۔؟

ایک عورت کا واقعہ

کہنے لگے ایک عورت تھی اس کے بچہ ہونے والا تھا۔ اور وہ تھی بھی بڑی بھولی عورت...... اپنے شوہر سے کہنے لگی کہ تم میرے شوہر ہو۔ دیکھو جب مجھے بچہ ہونے لگے تو مجھے اٹھا دینا۔ اس نے کہا ارے ظالم اگر تیرے بچہ ہو گا تو تو مجھے اٹھائے گی۔ میں تجھے کیا اٹھاؤں گا۔ آپ سمجھیں کہ نیک وہ ہے جس کو دیکھ کر لوگ یہ سمجھیں کہ یہ نیک ہے جس کا تعارف کرایا جائے کہ یہ نیک ہے۔ وہ نیک نہیں۔ حضرت تھانوی فرمایا کرتے تھے مجھے یہ بات پسند ہے کہ تمہاری اداؤں کو دیکھ کر لوگ یہ پوچھیں کہ تم کس اللہ والے کے مرید ہو۔ تم تو فرشتہ معلوم ہوتے ہو۔ کس بزرگ کے ہاتھ پر تم نے بیعت کی تھی۔ اور ایسا ہی ہوتا تھا۔ ایک شخص سفر کر رہے تھے۔ ریل کے اندر اور ریل میں سفر کرتے ہوئے ٹی ٹی صاحب آئے اور انہوں نے کہا کہ آپ کو ٹکٹ لینے کی ضرورت نہیں۔ آپ ویسے ہی سفر کر لیجئے۔ انہوں نے کہا کیوں صاحب آپ تو ریلوے کے ملازم ہیں مالک تو نہیں ہیں۔ اور میں ریلوے کا سفر کر رہا ہوں۔ مجھے تو اللہ کے ہاں جواب دینا پڑے گا۔ ریلوے کے مالکوں کو "آپ کون ہوتے ہیں مجھے اجازت دینے والے" وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اور پھر وہ کہنے لگے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا تعلق مولانا تھانوی کے ساتھ ہے۔ مولانا فرماتے تھے کہ اداؤں سے یہ پتہ چل جائے کہ یہ کسی اللہ والے سے مرید ہے۔ مسلمان وہ ہے جس کی اداؤں سے یہ پتہ چل جائے کہ یہ امتی ہے سرکار دو عالم ﷺ کا۔ وہ سچا مسلمان ہے تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ فرشتے آئیں تو اللہ دکھائیں کہ دیکھو یہ لوگ اپنے بستروں کو' راتوں کی نیند' اپنے آرام کو چھوڑ کر

آئے ہیں۔ اتنی تعداد میں یہ لوگ جمع ہیں۔ یہ گڑگڑا کر اللہ کے سامنے رو رہے ہیں۔ یہ قرآن کی تلاوت اور نیکی کے کام کر رہے ہیں۔ فرشتے حیران ہوں گے اور حیران ہو کے یہ کہیں گے کہ یہ بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن یہ قرآن کا معجزہ ہے۔ یہ سرکار دو عالم کا معجزہ ہے۔ کہ ان کو فرشتوں سے بھی اونچا بنا دیا۔ اس لئے آئے۔ جب یہ رات ایسی ہے کہ اس میں ملائکہ آئیں گے تو علماء نے لکھا ہے۔

نزولِ ملائکہ کا اثر

ملائکہ کی موجودگی سے ہم پر اور آپ پر کیا اثر ہو گا۔ فرمایا رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔ دل نرم ہو جائیں گے۔ آنکھوں میں آنسو آ جائیں گے۔ جب تمہاری یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو سمجھ لینا کہ ملائکہ اللہ فوج در فوج یہاں پر آ رہے ہیں اور ان کے اترنے کا یہ اثر ہوتا ہے کہ آپ کا دل رونے کو چاہتا ہے۔ خدا کی طرف متوجہ ہونے کو چاہتا ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ بسا اوقات میر مجلس کسی محفل میں ہو تو وہ ساری مجلس کے رنگ کو بدل دیتا ہے۔ تو فرمایا کہ فرشتے اتریں گے اور فرشتے اتریں تو ہماری اور آپ کی یہ کیفیت ہو گی تو میرے دوستو!! اب بات تو صرف یہ رہ گئی کہ ہم اور آپ عاشق ہیں تو ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ اور اگر ہم اور آپ عقل پرست ہیں تو دربار کی حاضری سے ہمیں کیا فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اگر ہم عاشق ہیں تو عاشق کا کام تو یہ ہے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ مجھے کچھ نہیں چاہئے۔

ایک اللہ والے کا قصہ

ایک اللہ والے کا ذکر ہے کہ خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ انہوں نے کہا اریدان لا ارید کہ میں یہ مانگتا ہوں کہ کچھ نہیں مانگ۔ انہوں نے کہا پھر عبادت کیوں کرتا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ عبادت اس لئے کرتا ہوں کہ میں بندہ ہوں اور بندہ کا کام ہی بندگی کرنا ہے۔ اگر عبادت نہ کروں تو اور کیا کروں۔ نہ چاہئے مجھے کچھ نہیں' یہ عاشق کی شان ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کتنا ہی دے دیں اور جو آدمی عقل والا ہے وہ سوچتا ہے یہ سال بھر میں

موقع ملا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دربار لگایا ہے اور آج دربار میں ہمیں حاضری کا موقع مل رہا ہے۔ آج ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ عقل مندی کی بات کرنی چاہئے۔ نادانی اور بے وقوفی کی بات نہیں کرنی چاہئے۔ بے وقوفی کی بات یہ ہے کہ مجھے سب سے بڑی تکلیف یہ ہے کہ میرے شہر میں پانی نہیں آتا یا مجھے بجلی کی تکلیف ہے۔ تکلیف تو بے شک آپ نے کہی ٹھیک ہے تو آپ نے ایسی گھٹیا درجے کی بات کی ہے کہ معمولی حاکم سے یہ کام ہو سکتا ہے۔ آپ نے فائدہ نہیں اٹھایا۔ آپ کو وہ بات کہنی چاہئے جو آپ کے شایانِ شان ہو۔ اگر وہ واقعۃً آج دربار میں حاضری ہے تو ہمیں اور آپ کو کیا مانگنا چاہئے۔

ہم کیا مانگیں

مانگنا وہ چاہئے۔ ایک صحابی حضور ﷺ کو وضو کرواتے تھے۔ آپؐ ان سے خوش ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا بولو کیا چاہتے ہو۔ میں تمہارے لئے دعا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری چاہت قبول فرمالیں گے۔ فرمایا 'اچھا اگر آج آپ نے خود سوال کیا ہے تو میرا جواب یہ ہے فرمایا' اریدُ مرافقتک فی الجنۃ میں جنت میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا 'او غیر ذلک' سوچ لے ' اور کچھ اور چاہتا ہو تو بول اس نے کہا نہیں 'ایسا نادان نہیں' میں کچھ نہیں چاہتا۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ جنت میں آپؐ کی معیت نصیب ہو جائے۔ دیکھئے یہ ذوق اونچا مذاق ہے۔ میرے دوستو! آج اس دربار کی حاضری سے ہمیں کیا فائدہ اٹھانا چاہئے۔ ایک تو فائدہ یہ اٹھانا چاہئے کہ ہم اپنی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہماری زندگی سیاہ اور تاریک نظر آتی ہے۔ کوئی گناہ شاید ایسا ہم سے چھوٹا ہے۔ سارے گناہ ہم نے کئے۔ انسانوں کی غلطیاں ہم نے کی ہیں۔ انسانوں کا قصور ہم نے کیا ہے۔ خدا کا قصور ہم نے کیا۔ رسول کا قصور ہم نے کیا ہے۔ تو سب سے پہلا کام ہمارا اور آپ کا یہ ہے کہ ہم اللہ سے یہ کہیں کہ اے اللہ تو ہمارے ان داغوں کو دھو دے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ سارے سال موقع نہیں ملا۔ نہ سوچتے تھا' اور اگر سوچتے بھی تو کم از کم دربار تو نہیں لگا تھا۔ آج ہمیں اور آپ کو سب سے پہلے توجہ کرنی چاہئے۔

توبہ ٹوٹ جائے تو پھر توبہ کریں

آپ یہ کہیں گے کہ جی ہم تو ہر سال توبہ کر لیتے ہیں۔ آپ گھبرائیں نہیں۔ ہر سال توبہ کر لیتے ہیں، ہر سال توڑ لیتے ہیں۔ تب بھی کوئی حرج نہیں پھر توبہ کیجئے۔ اگر پھر ٹوٹ گئی تو پھر توبہ کیجئے۔ یہ انسانوں والا معاملہ نہیں کہ ایک دفعہ غلطی ہو پھر وہ معاف نہیں کرتا اور بخشتا نہیں، یہ اللہ کا دربار ہے۔ اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

بتوں کی پوجائی ہے آگ کی پوجائی ہے۔ میرے پاس آ جاؤ۔ سو مرتبہ بھی اگر تو توبہ کر کے میرے پاس آ جا، انسان معاف نہیں کرتا۔ بعض مرتبہ تو ایسا ہوتا ہے کہ دنیا کا حاکم اگر معاف کرتا ہے تو کہتا ہے کہ اس کی مثل احتیاط سے رکھو۔ وقت پر نکالیں گے۔ کبھی اور جب اللہ تعالیٰ معاف کرنے پر آتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ اس کو معاف کر دیا۔ اس کی مثل کو اس طریقے پر جلا دو کہ اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔ کیونکہ یہ آثار گناہ جو ہیں یہ نظر نہ آئیں۔ اور اس کے بعد ہم اس کو ولایت کا درجہ عطا فرمائیں گے۔ بڑے بڑے گنہگار ہیں توبہ کی ہے۔ اللہ نے ان کو اونچا مقام عطا فرمایا ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض۔

حضرت فضیل بن عیاض کا واقعہ

بس ان کا واقعہ میں عرض کر دیتا ہوں۔ حضرت فضیل بن عیاض چور ہیں، ڈاکو ہیں، قاتل ہیں اور ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ زندہ مال پر، ایک نوجوان لڑکی کو دیکھا اور کہا کہ میں اس کے گھر میں ڈاکہ ڈالوں گا اور لڑکی کو اٹھا کر لاؤں گا۔ ہے کسی کی مجال کہ مجھے روک دے۔ اپنے پروگرام کے مطابق محلے کی چھتوں پر سے کودتے ہوئے

جا رہے ہیں کسی کی اسے نہیں۔ کسی مکان میں سے آواز آرہی تھی۔ گنگنانے کی۔ انہیں یہ خیال ہوا کہ میری تلاش میں کہیں دشمن تو نہیں چھپے باتیں کر رہے۔ انہوں نے کان لگایا اور کان لگا کر سننے لگے۔ جب کان لگایا تو آواز یہ آئی..... فرمایا
أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ
..... ترجمہ یہ ہے کہ اے سننے والے کیا ابھی تک وقت نہیں آیا کہ تیرا دل خدا کے ذکر کے آگے جھک جائے۔ کہتے ہیں مجھے کسی نے پکڑ لیا۔ فوراً میرے منہ سے نکلا۔ بلی یا رب قد آن اے میرے پروردگار وہ گھڑی آگئی آج توبہ کرتا ہوں۔ اور آج سے میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ یہ لکھا ہے کہ نیچے اتر کر اتنا روئے اتنا روئے کہ زمین آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ فضیل بن عیاض کی توبہ اللہ نے قبول کی۔ میں سال زندہ رہے۔ کبھی کسی نے مسکراتے نہیں دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا بڑا ولایت کا درجہ عطا فرمایا ہے کہ سلسلہ چشتیہ کے بہت اونچے بزرگ اور درویش ہیں۔ اسی لئے میں نے عرض کیا کہ انسان سے کام پڑے۔ خدا بچائے کبھی کام کر کے نہیں دیتا۔

ایک بزرگ کا قصہ

ایک بزرگ تھے ان کا واقعہ لکھا ہے کہ کشتی میں سفر کر رہے تھے۔ طوفان آگیا۔ لوگ رونے دھونے لگے۔ چادر لے کر سر کے نیچے رکھ کے لیٹ گئے۔ لوگوں نے کہا حضرت جی طوفان آ رہا ہے۔ آپ آرام سے لیٹے رہے ہیں "سو رہے ہیں یہاں پر" فرمایا کہ کیا بات ہے۔ پریشانی کی کیا بات ہے" فرمایا ہے طوفان آ رہا ہے۔ تو کیا ہوا پھر اللہ سے مانگو کہنے لگے کہ جی حضور بے شک یہ تو صحیح ہے آپ ہی مانگیں۔ آپ نے ہاتھ اٹھائے اور ہاتھ اٹھا کر یوں دعا مانگی۔ اے اللہ یہ قہر جو سامنے نظر رہا ہے۔ یہ طوفان اور یہ سیلاب اس سے تیری شان قہاری کا پتہ چلتا ہے۔ بے شک تو قہار ہے لیکن ہم چاہتے ہیں کہ تیری یہ شان ہم دیکھ چکے ہیں۔ اب تو اپنے قہر کو رحم سے تبدیل فرما دے۔ بس یہ دعا مانگی اس کے بعد طوفان ٹل گیا۔ لوگوں سے کہا کہ میاں دیکھو اگر یہی کام کہیں انسان سے پڑ جاتا تو تمہاری خوشیاں محسن

جائیں کبھی بھی نہ کر کے دیتا۔

اللہ سے مانگنا آسان ہے

آپ دیکھئے اللہ سے مانگنا آسان ہے۔ انسان سے مانگنا مشکل ہے۔ میں نے عرض کیا انسان معاف کرتا ہے۔ گناہ کے نشان باقی رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرماتے ہیں تو گناہ کے نشان اور آثار بھی مٹا دیتے ہیں۔ تو سب سے پہلی چیز توبہ اور توبہ میں ایک بات میں ہمیشہ کہہ دیا کرتا ہوں۔

حقوق العباد میں توبہ نہیں

کہ حقوق العباد میں توبہ نہیں یعنی توبہ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آپ نے ۲۷ ویں رات سے پہلے کسی سے ایک ہزار روپیہ قرض لیا اور آپ نے کہا کہ یہ روپیہ تو مجھے ابھی نہیں دینا ۲۷ ویں شب میں اللہ سے توبہ کروں گا۔ کہ اب ایسا نہیں کروں گا۔ یہ توبہ قبول نہیں آپ کی' یاد رکھئے اگر آپ کے ذمے نمازیں ہیں توبہ سے معاف نہیں ہوں گی۔ اگر آپ کے ذمے روزے ہیں توبہ سے معاف نہیں ہوں گے۔ اگر آپ کے ذمے انسانوں کے حقوق ہیں توبہ سے معاف نہیں ہوں گے۔ ہاں توبہ سے ایسی چیزیں معاف ہوں گی کوئی ایسا گناہ ہو گیا ہے جس کی تلافی کی کوئی شکل نہیں۔ کسی نے شراب پی لی کسی نے کسی کی غیبت کی۔ اور وہ جس کی غیبت کی تھی اس کا انتقال ہو گیا ہے اس سے معافی بھی نہیں مانگ سکتے۔ اور اس قسم کے بہت سے گناہ ہیں اگر اس قسم کے کوئی گناہ ہیں اور آپ توبہ کر لیں اور ان گناہوں سے توبہ کرنا بھی ضروری ہے یاد رکھئے۔

صداقت اور صد آفت

ایک بات پر غور کیجئے ص۔ د۔ ا۔ ق۔ ت کیا ہوا صداقت' صداقت کا معنی دوستی' اس قاف میں سے ایک نقطہ کم کر دیجئے۔ اب کیا ہوا پڑھئے صد آفت' دوستی' دوستی ہے اگر اس دوستی میں بال برابر بھی کمی آ گئی ہے تو یہ دوستی صد آفت

میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اگر آپ نے اللہ کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کیے تو اگر ہم سے چھوٹی موٹی لغزش ہو گی اور اللہ کے سامنے شرمندگی ظاہر نہ کی تو دوستو اندیشہ ہے کہ یہ صداقت عداوت نہ بن جائے۔ معافی مانگنا ضروری ہے۔ توبہ کرنا ضروری ہے۔ اور جب آپ توبہ کر لیں گے تو پھر یہ اچھا لگتا ہے کہ آپ یہ کہیں کہ کمی ہمارے گھر میں فلاں سامان نہیں۔ اللہ میاں آپ دے دیجئے۔ ہمارے یہاں اولاد نہیں۔ آپ اولاد دے دیجئے۔ اگر کوئی حاکم دربار کا اعلان کرے تو ہماری خواہش ہوتی ہے کہ مجھے کسی طرح کرسی مل جائے۔ چاہے جوتوں کے صدقے ہی مل جائے۔ اللہ والے اس بات کو پسند نہیں کرتے۔ اللہ والے یہ کہتے ہیں کہ جب اللہ کا دربار لگے تو اس کے اندر کرسی حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ زیادہ سے زیادہ خدا کے قریب ہونے کی کوشش کرو۔ یہ رات ہے۔ اسی کے لئے آپ اللہ کے قریب ہوں اور اللہ سے جب قریب ہوں تو اس کے قریب ہونے کے لئے چلنے کی ضرورت نہیں۔ فرمایا دع نفسک و تعال

خدا سے ملنے کا طریقہ

آپ اور خدا کے درمیان صرف آپ کا وجود حائل ہے جب تک آپ سمجھتے ہیں کہ میں میں ہوں۔ آپ اللہ سے نہیں مل سکتے۔ اور جب آپ یہ سمجھیں کہ میں میں نہیں رہا ہوں۔ بس صرف میں ایک خدا کے اوپر موقوف ہوں۔ اللہ جب چاہیں مجھے وجود عطا فرمائے۔ اور جب چاہے اللہ تعالیٰ مجھے معدوم کر دے۔ میرا کوئی کمال نہیں۔ اسی دن اللہ سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ خیر تو مطلب یہ ہوا کہ آپ سب سے پہلے توبہ کریں اور توبہ کے بعد آپ دعا مانگیں۔ اور دعا اس طرح مانگیں۔ آج ہم اور آپ جس بحران سے گذر رہے ہیں وہ بحران آپ ہی کے ملک کا نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساری دنیا کا مسلمان پریشان ہے۔

حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ

حضرت مولانا شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جملہ آپ کے

سامنے نقل کیے دیتا ہوں۔ فرمایا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ بنی اسرائیل دو مرتبہ فساد پھیلائیں گے۔ اور دونوں مرتبہ ہم ان پر عذاب مسلط کر دیں گے۔ قرآن کریم میں فرمایا۔

وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ

دو مرتبہ تم فساد پھیلاؤ گے ولتعلن علوا کبیرا تو فرمایا کہ تاریخ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل نے سات سو سال بعد فساد پیدا کیا چودہ سو سال میں دو مرتبہ انہوں نے فساد پھیلایا۔ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی فرماتے تھے کہ امت محمدیہ کی عمر چودہ سو سال ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ جب تاتاریوں نے مسلمانوں کو تہ تیغ اور ذلیل کیا تھا اس وقت مسلمانوں کی امت کی عمر کے سات سو سال ہو گئے تھے اور اس وقت سے لگا کر اب سات سو سال ہوتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایسے ہی بنی اسرائیل کی طرح امت محمدیہ کے اوپر بھی سات سو سال اور سات سو سال کے بعد جو اوقات آئے ہیں کہ ساری دنیا میں مسلمان کچھ زیادہ باعزت اور باوقار نہیں۔

دعا اس کی یہی دعا مانگنی چاہیے کہ اللہ ہمارے ملک کو اور پوری امت کو بحران سے نکالے۔ اور اسلام کو سربلندی عطا فرمائے ذاتی طور پر اپنی اپنی حاجتیں ہیں۔ اپنی اپنی خواہشات ہیں۔ ان کے مطابق بھی ہمیں دعا کرنی چاہیے۔ لیکن سب سے بڑی چیز جو ہے ملے یا نہ ملے۔ معافی تو ہو جائے۔ ہمیشہ یہ یاد رکھئے۔ ملے یا نہ ملے معافی تو ہو جائے بس خواجہ صاحب کے دو شعر اس پر یاد آ گئے۔ فرمایا کہ

یہ قرب مبارک تجھے اے صوفی صافی
مجھ کو تو بس اک دور کی نسبت بھی ہے کافی
بخشے تجھے اللہ بلندی مراتب
ہو مجھ کو عطا میرے خطاؤں کی معافی

ہمیں مرتبہ نہیں چاہیے ہم سے تو ہمارے قصور بخشے جائیں۔ ہمارے قصور بخشے جائیں اور اس سے بہتر کوئی مرتبہ نہیں ہے۔ [illegible]

لیلۃ القدر

خطبہ ماثورہ اور سورۃ القدر کی تلاوت کے بعد فرمایا

بزرگان محترم .... برادران عزیز !

دن افضل ہے یا رات

ہم اور آپ بڑے خوش قسمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے امسال بھی لیلۃ القدر میں اپنے دربار میں حاضر ہونے کی سعادت عطا فرمائی۔

یہ رات ہے .... دن..... بھی زمانے کا ایک حصہ ہے..... رات...... بھی زمانے کا ایک حصہ ہے۔ رات افضل ہے یا دن افضل ہے.... میرے خیال میں یہ بحث کچھ زیادہ مفید اور معنی خیز نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے دل کا' آنکھوں کا' کانوں کا ذکر کیا۔ تو کان کا کیوں ذکر پہلے کیا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

"اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی' ان کے کانوں پر مہر لگا دی۔"

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ کان تو کچھ زیادہ افضل نہیں۔ آنکھیں زیادہ افضل ہیں۔ ان کو پہلے ذکر کرنا چاہئے۔ تو میرے خیال میں یہ بات صحیح نہیں ہے۔

ایک واقعہ لکھا ہے کہ امام ابو یوسفؒ جو عدالت کے بڑے جج بھی ہیں ان سے کسی شخص نے یہ سوال کیا (پہلی تو وہ اور ہے اور میں آپ کو سمجھانے کے لئے بتا رہا ہوں) کہ تربوز افضل ہے یا خربوزہ افضل ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ بھئی تم مجھ سے فیصلہ لیتے ہو' بغیر شہادت کے کیسے فیصلہ دوں؟ تربوز بھی کھلاؤ' خربوزہ بھی کھلاؤ۔ اس لئے اگر بغیر چکھے میں نے کوئی فیصلہ دے دیا تو یہ بلا شہادت کے فیصلہ

جھگڑا چلا۔ پھر وہ خربوزہ بھی لائے گئے اور تربوز بھی لائے گئے اور انہیں کھلایا۔ فرمایا کہ اب آپ کی کیا رائے ہے؟ اس زمانے میں جو فیصلہ دینا نہیں چاہتا، کہتا ہے "فیصلہ محفوظ ہے" انہوں نے یہ نہیں کہا۔ انہوں نے یہ بات کی کہ عجیب بات ہے تم نے دو گواہ پیش کئے اور دونوں گواہوں نے ایک دوسرے کے خلاف شہادت دی ہے۔ میں کیا فیصلہ دوں۔ تربوز کہتا ہے کہ میں افضل ہوں، خربوزہ کہتا ہے کہ میں افضل ہوں، یہ مذاق تھا۔ مطلب ان کے کہنے کا یہ تھا کہ یہ تمہارا مقابلہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ تربوز ایک پھل ہے اس کا اپنا الگ ذائقہ ہے خربوزہ بھی ایک پھل ہے اس کا ایک الگ ذائقہ ہے۔ دونوں کا مقابلہ صحیح نہیں۔ تربوز اپنی جگہ افضل، خربوزہ اپنی جگہ افضل...... آپ سمجھے؟ کان اور آنکھ یہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر افضل ہیں۔ ان میں مقابلہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ دن افضل ہے یا رات، دن کا مقصد اور ہے رات کا مقصد اور ہے۔ دن اپنی جگہ افضل ہے رات اپنی جگہ افضل ہے۔

شب وصال

لیکن ہم اور آپ دنیا میں بھی رات کو کہتے ہیں شب وصال، شب وصال کے معنی ہیں محبوب سے ملاقات کی رات، دنیا میں وصال کی رات کا انتظار ہوتا ہے کہ سب کی نظروں سے چھپ جائیں۔ کوئی ہمیں دیکھے نہیں۔ لیکن یہ صرف انسانوں کی وصال کے لئے نہیں، اگر اللہ سے ملاقات کرنا چاہو اور وصال کرنا چاہو تو اس کے لئے بھی رات ہی کو مقرر کیا گیا ہے۔ یہ اس لئے نہیں کہ کوئی دیکھ نہ لے...... نہیں...... اگر آپ بجلی کا قمقمہ سورج کی روشنی میں جلائیں تو اس کی روشنی معلوم ہی نہیں ہوتی۔ لیکن اگر آپ اندھیرے میں جائیں تو معلوم ہوگا کہ ادھر یہ قمقمہ نور ہو گیا ہے۔ تجلی الہٰی کا ظہور جتنا اندھیرے کے اندر ہوتا ہے...... اتنا روشنی میں نہیں ہوتا ہے اس لئے اللہ والے رات کا انتظار کرتے ہیں۔ کہ سورج غروب ہو اور ہم اللہ کے سامنے کھڑے ہوں۔

حضرت غوث سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت غوث پاک کو ملک سنجر نے بہت بڑا گاؤں اور ریاست دے دی کہ
یہ آپ لے لیں اور اس کی آمدنی سے اپنا گزارہ چلائیں۔ انہوں نے واپس دی۔
دنیا دار اس کو بہت کچھ سمجھتے ہیں لیکن ان لوگوں کی نظروں میں ان چیزوں کی کوئی
وقعت نہیں ہے۔ کیونکہ فرمایا کہ

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد
در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم

خدا کرے جس طرح کے سنجر کی چھتریاں کالی ہوتی ہیں۔ اسی طرح میرا مقدر
کالا ہو جائے چھتری ہمیشہ کالی ہوتی ہے۔ یہ بین الاقوامی اصول ہے۔ وجہ یہ ہے کہ
کالے رنگ کے اندر دھوپ کی شعاع کو جذب کرنے کی خاصیت موجود ہے۔ اس
لئے دھوپ کے لئے جو چھتریاں بنائی جاتی ہیں وہ ساری دنیا میں کالی ہوتی ہیں اور
سنجر کی چھتریاں مشہور ہیں۔ فرمایا

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ بود
زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب
در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم
من ملک نیمروز بہ یک جو نمی خرم

نیم شب..... آدھی رات..... خدا کی قسم جب سے اللہ نے مجھے رات کی
سلطنت عطا فرمائی دن کی سلطنت میری نظروں سے گر گئی ہے۔ رات کی سلطنت
کون سی ہے۔ جب وہ تنہائی میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اللہ کے حضور

چو حافظ گشت بے خود کی شمارد

جب حافظ (شیرازی) بے خودی کے عالم میں ہوتا ہے تو بڑی بڑی سلطنتوں
کو نظر سے گرا دیتا ہے۔ تو میرے دوستو! یہ یاد رکھئے "اللہ کی ملاقات کے لئے بھی
اللہ نے خاص وقت مقرر فرما دیا ہے۔ کہ وہ رات کا وقت ہے۔ چاہے وہ لیلۃ
مبارکہ ہو" لیلۃ البرات ہو لیلۃ الاسراء ہو لیلۃ القدر ہو یا اور بھی
بہت سی راتیں ہیں۔ رات جو ہے یہ وقت ہے اللہ کے یہاں وصل کا "ملاقات کا"

تجلیات اسی کے ظہور کی۔ اور اسی لئے اللہ والوں نے بڑی اچھی بات کہی ہے۔ یہ الفاظ بھی کتنے پیارے ہیں۔ یاد کر لیجئے۔ فرمایا کہ

من لم یعرف قدر اللیل
لم یعرف لیلۃ القدر

عربی زبان کی بلاغت

کہ جو رات ہی کی قدر نہیں جانتا وہ لیلۃ القدر کی قدر کیا کرے گا۔ سبحان اللہ! عربی زبان بھی کتنی پیاری زبان ہے۔ لفظ کو آگے پیچھے کر دیجئے۔ لفظ کچھ کا کچھ ہو جائے گا۔

ایک بہت بڑے بزرگ تھے۔ اللہ کے نام پر بہت دیا کرتے تھے۔ کسی دوسرے بزرگ نے انہیں یہ الفاظ لکھے۔ لا خیر فی الاسراف فضول خرچی میں خیر نہیں ہے۔ خیر پہلے، اسراف بعد میں۔ انہوں نے اس کے نیچے جواب لکھ دیا، لفظوں کو بدل کے کہا کہ لا اسراف فی الخیر فرمایا کہ یہ تو ٹھیک ہے کہ فضول خرچی میں کوئی خیر نہیں ہے۔ مگر آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ خیر میں فضول خرچی نہیں ہوتی ہے یہ خیر ہے، جو کیا جا رہا ہے۔

تو میں نے عرض کیا کہ اگر رات کی قدر پہچانتے ہو تو لیلۃ القدر کی بھی پہچانو گے۔ لیلۃ الاسراء کی بھی پہچانو گے۔ لیلۃ مبارکہ کو بھی پہچانو گے، عارف نے سچ کہا ہے۔ فرمایا کہ

اے خواجہ چہ پرسی از شب قدر نشانی
ہر شب، شب قدر است اگر قدر بدانی

لیلۃ القدر کی پہچان

لوگ پوچھتے ہیں کہ لیلۃ القدر کی پہچان کیا ہے۔؟ کسی نے کہا روشنی ہوتی ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ شجر اور حجر زمین اور آسمان کی کل چیزیں سجدے میں گر جاتی ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ سمندر کا پانی اس لئے میٹھا ہو جاتا ہے۔ تحقیق

علماء نے کہا ہے کہ اصل نشانی ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ جب تمہارا دل امنڈ امنڈ کے رونے کو چاہے اور تمہارے اندر ایک کیفیت اور جذبہ پیدا ہو جائے تو سمجھنا کہ یہ کیفیت اور جذبہ میرا نہیں ہے۔ اصل میں لیلتہ القدر کا اثر ہے۔

لیلتہ القدر ...... اس سے زیادہ بابرکت اور اس سے زیادہ مقدس لمحہ زمانے کا نہیں ہے کیونکہ سال بھر کے تمام مہینوں میں رمضان افضل' رمضان میں سب سے افضل آخری عشرہ' آخری عشرہ میں سب سے افضل لیلتہ القدر ...... اور وہ ہے ستائیسویں شب...... علماء جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ طاق راتوں میں سے کوئی رات لیلتہ القدر کی ہوتی ہے۔ بعض صحابہ نے حلف سے یہ بات کہی کہ لیلتہ القدر ستائیسویں شب ہوتی ہے۔ اس لئے علماء کا اس پر زیادہ اتفاق ہے۔

اہل عقل اور اہل عشق

میں لیلتہ القدر کی صرف دو نشانیاں بیان کرتا ہوں۔ ایک اہل عقل کے لئے اور ایک اہل عشق کے لئے' دونوں کے سمجھنے کے انداز الگ الگ ہیں۔ بعض اوقات اہل عشق کا معاملہ اہل عقل نہیں سمجھتے۔ بے ادبی کرتے ہیں اور بعض اوقات اہل عقل کی بات اہل محبت اور اہل عشق نہیں سمجھتے' کہتے ہیں یہ تو بالکل کھوکھلی بات کر رہا ہے...... واقعہ یاد آگیا۔ ایک صاحب مدینہ منورہ گئے۔ وہاں جا کر دہی خریدنے رہی انہیں کھٹا لگا۔ ان کے منہ سے یہ بات نکل گئی کہ تعجب ہے کہ پیارے دیار حبیب اور مدینہ بھی دہی کھٹا ہوتا ہے بزرگوں نے بیان کیا ہے کہ اس آدمی نے حضور اکرم ﷺ کو دیکھا۔ آپ غصہ میں فرما رہے ہیں کہ بے ادب حدود مدینہ سے نکل جا۔ اب اگر کوئی صاحب عقل و دانش یہ کہے صاحب اگر کھٹے کو کھٹا کہہ دیا تو کیا غلطی کی' اگر میٹھے کو کھٹا کہتے تو غلطی تھی۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ خدا نہ کرے آپ کے والد کی ٹانگ میں تکلیف ہو تو کیا آپ اپنے والد کو تیمور لنگ کہہ کر پکاریں گے۔ اور جب وہ یہ کہے کہ او بے ادب! تو آپ کیا کہیں گے کہ چلو ڈاکٹر کو دکھا دو کہ تم لنگڑاتے ہو یا نہیں...... ؟ آپ سمجھے کہ آداب محبت کچھ اور چیز ہے۔ دہی بے شک کھٹا ہے۔ اس

کتے ہی کو بھی کتا کہنا بے ادبی اور گستاخی ہے ..... کیسے.......؟ محبت والے سمجھائیں گے آپ کو' حافظ شیرازی سمجھائیں گے۔ فرمایا۔

صبحدم مرغ چمن با گل نوخاستہ گفت

صبح باغ میں گیا' بلبل کو دیکھا' مرغ چمن بلبل کو کہتے ہیں۔

صبحدم مرغ چمن با گل نوخاستہ گفت
ناز کم کن کہ دریں باغ بسی چوں تو شگفت

بلبل پھول کے پاس بیٹھا ہوا ہے۔ بلبل عاشق ہے۔ پھول محبوب ہے۔ کیا کہتا ہے۔ کہتا ہے آپ بہت جھوم رہے ہیں باغ کے اندر' اتنا نہیں اترانا چاہئے' اتنی شوخیاں نہ کیجئے۔ اس سارے باغ میں آپ اکیلے تھوڑی ہیں۔ ہزاروں پھول آپ جیسے کھلے ہوئے ہیں۔ بات تو یہی ہے ایک ہی تو پھول نہیں ہے۔ بہت سے پھول ہیں جواب کیا ملتا ہے۔

گل بخندید کہ از راست نہ رنجیم ولے
ہیچ عاشق سخن سخت بہ معشوق نگفت

پھول ہنسا اور ہنس کے جواب وہ دیا جو سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا۔ حضور ﷺ کیوں ناراض ہوئے اس لئے نہیں کہ تو نے کتے کو کتا کہہ دیا۔ بلکہ حضور ﷺ اس لئے ناراض ہوئے کہ تو گھر بار چھوڑ کے آیا تھا یہاں پر چیزوں کے مزے چکھنے کے لئے۔ یہاں تو تو میری محبت کا دم بھرنے آیا تھا۔ یہاں میرا دیوانہ بن کے آیا تھا' میرا عاشق بن کے آیا تھا۔ یہ کیسا عاشق ہے کہ اگر تجھے دہی کھٹا ملا تو شکایت کرتا ہے۔ یہ چیز آداب محبت کے خلاف ہے۔

میرے دوستو! اگر اللہ کی شان کبریائی اور اللہ کی بڑائی کا اگر ایک قطرہ بھی ساری دنیا کی سلاطین اور بادشاہوں کو تقسیم کر دیا جائے تو خدا کی قسم ساری دنیا کے سلاطین اور بادشاہوں کا مرتبہ بڑھ جائے۔

نسبت کی عظمت

نواب صاحب حیدر آباد دکن میر عثمان علی بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت شیخ

الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی تقریر فرما رہے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ سرکار دو عالم ﷺ کا مرتبہ اتنا بڑا ہے کہ اگر آپ ؐ کے جوتے کا تسمہ نظام دکن کے تاج میں لگ جائے تو تاج کا مرتبہ بڑھ جائے۔ نظام دکن پر حال طاری ہو گیا اور چیخ کر کہنے لگے۔ آپ نے بالکل صحیح کہا۔ اگر حضور ﷺ کے جوتے کا تسمہ میرے تاج میں لگ جائے تو میں بادشاہ ہو جاؤں۔ چونکہ آج کی رات میں اللہ تعالیٰ نے وہ کتاب مقدس عطا فرمائی ہے جس کتاب کی رو سے مرد' عورت کا غلام نہیں ..... عورت ' مرد ' کی غلام نہیں۔ اور اسی طریقے سے جانوروں کے حقوق ہیں۔ نباتات کے بھی حقوق ہیں۔ یہ نزولِ قرآن کی رات ہے۔ اس لئے ساری کائنات کے لئے خوشی کی رات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ منشور ہم کو عطا فرمایا ہے یہ تو عشق کا معیار ہے۔

اہل عشق کا معیار

محبت کا معیار کیا ہے علماء نے لکھا ہے کہ یہ قدر والی رات ہے۔ قدر کے معنی مرتبہ مَاقَدَرُوا حَقَّ قَدْرِہٖ انہوں نے اللہ کی عظمت کو اور ان کے مرتبہ کو پہچانا نہیں ..... لیلۃ القدر کے معنی ہیں کہ یہ مرتبہ والی رات ہے۔ کس وجہ سے ' دو وجہ ہیں ایک تو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو نازل فرمایا۔ ایک اس وجہ سے کہ اس رات میں اللہ نے اپنی رحمتوں اور برکتوں کو نازل فرمایا۔

ایک اور وجہ یہ ہے کہ جس آدمی نے جاگ کر یہ رات گزاری اس رات کی بدولت اس کا مرتبہ بڑھ جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن میں فرمایا کہ میں انسانی مخلوق کو' آدم کو پیدا کرنا چاہتا ہوں تو کس نے مخالفت کی تھی.....؟ فرشتوں نے ' قَالُوْا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا ' اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دیا ہے ' آج ملائکہ نزول در نزول ہجوم کے اندر آ رہے ہیں۔ کیوں.....؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ..... جاؤ..... میرے بندے کو جا کے دیکھو۔ اپنی جانوں کو قربان کرتے ہیں۔ اپنی نیندوں کو قربان کرتے ہیں۔ وہ یاد الٰہی میں اس طریقے سے لگے ہوتے ہیں کہ دیکھنے میں فرشتے اور ملائکہ معلوم ہوتے ہیں۔ یہ وہی ہیں جن کے بارے میں تم نے کہا تھا کہ فسادی ہوں گے۔ تو ہم تمہیں دکھائیں فسادی نہیں ہیں ان سے زیادہ کوئی

مقدس ہیں ان سے زیادہ نیک کوئی مخلوق نہیں ہے۔ ملائکہ دیکھ کر حیران ہوتے ہیں۔
کہتے ہیں کہ واقعی مخلوق تو یہ ہماری تھی۔ لیکن اللہ کی اطاعت نے ان کو ملائکہ
اور فرشتہ بنا دیا۔ اس قدر فرشتے اترتے ہیں کہ ان کے نزول سے جگہ تنگ ہونے
لگتی ہے...... تو بہرحال یہ قدر کی رات بھی ہے۔ تنگی کی رات بھی ہے۔ مرتبے کی
رات بھی ہے اس کو لیلتہ القدر کہتے ہیں۔ اس میں ایک کام کرنے کا ہے اور وہ کام
کی بات یہ ہے جب دربار میں ملاقات ہوتی ہے تو ہر آدمی سوچتا ہے میں اپنے دل کی
تمنا کہہ دوں۔

صحابیؓ کا معیار طلب

حدیث میں آتا ہے سرکار دو عالم ﷺ کو ایک صحابی تہجد کے وقت اٹھ کر
وضو کرایا کرتے تھے۔ آپؐ ان سے بڑے خوش ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تمہاری
کیا تمنا ہے۔ مانگو' جو تمہاری تمنا ہو گی؟ میں اللہ سے دعا کروں گا۔ سوچئے ہم اور
آپ ہوتے تو میرا خیال ہے وہی باتیں کرتے جیسے دنیا میں کرتے ہیں۔ اندیشہ بات کی
انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! میری تمنا یہ ہے جنت میں آپ کے ساتھ
رفاقت نصیب ہو جائے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا غیر فلک سوچ لے' اس
کے علاوہ کچھ اور چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا...... نہیں یا رسول اللہ ﷺ...... آج
ہم اور آپ اللہ کے دربار میں موجود ہیں۔ ہمیں توفیق ملی ہے۔ میری دوستو! نیکی
کے راستے میں بڑی رکاوٹ ہے۔ بڑے بڑے وسوسے ہیں۔ شیطان طرح طرح کے
نقشے پیش کرتا ہے۔

حقیقت ریا

مجھے یاد ہے ایک مرتبہ گورنر جنرل کی ایک محفل تھی۔ مغرب کی نماز کا
وقت ہو گیا میں نے کہا کوئی چادر وغیرہ بچھا دو نماز پڑھیں۔ ایک صاحب بے نمازی
تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ بھی نماز پڑھیں' تو کہنے لگے بھئی گورنر جنرل کی
محفل میں' میں نماز پڑھوں' میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب سے بڑی ریاکاری ہے۔ اس

لئے میں یہاں نہیں پڑھنا چاہتا۔ میں نے کہا کہ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید آپ کے خیالات بہت بلند اور اعلیٰ ہیں۔ لیکن شیطان آپ کو اغواء کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ جو خیال دل میں آیا کہ مجمعؒ میں دکھانے کے لئے نہیں پڑھتا...... یاد رکھئے کہ یہ نیکی سے محرومی ہے۔ تو میں نے عرض کی دل کی بات اللہ سے کریں۔ مگر دل کی بات کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے تعلقات ٹھیک کر لیں۔ میرے اور آپ کے اور اللہ کے درمیان پردے پڑے ہوئے ہیں۔ دیواریں حائل ہیں' پہاڑ حائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ دور نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کے لئے چلنا نہیں پڑتا ہے۔ کسی عارف نے بڑی اچھی بات کی ہے۔ اس نے کہا کہ یہ عجیب بات ہے کہ اللہ بندے سے قریب ہے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ مگر بندہ اللہ سے قریب نہیں ہوتا۔ یہ کیا بات ہے۔؟ آپ کہیں گے کہ جیسی یہ چھڑی ہاتھ سے قریب ہے اور ہاتھ چھڑی سے قریب ہے...... نہیں یہ بات نہیں ہے...... آپ بتائیے .... اگر آپ بے خبر سوئے ہوئے ہیں۔ آپ کا محبوب آپ کے ساتھ بیٹھ گیا۔ آپ کا محبوب آپ سے قریب' آپ محبوب سے قریب نہیں۔ لیکن اگر آپ کی آنکھ کھل جائے اور آپ بیدار ہو جائیں اور محبوب آپ سے قریب ہے۔ آپ محبوب سے قریب ہیں۔ اس طریقے سے بندہ اگر غافل ہے تو بندے کے اور اللہ کے درمیان پہاڑ حائل ہے۔ خدا بندے سے قریب ہے۔ مگر بندہ خدا سے دور ہے۔

میں نے عرض کیا کہ سب سے پہلے ہم اللہ کی بارگاہ میں مغفرت طلب کریں۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ توبہ کے بغیر عبادتوں کا اثر پیدا نہیں ہوتا۔ بالکل ایسے جیسے آپ کے بیٹے نے آپ کے ساتھ گستاخی کی اور اس کے بعد روز آپ کی ٹانگیں دباتا ہے۔ روز آپ کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتا ہے۔ آپ کا دل یہ کہتا ہے۔ یہ اس کی خدمت کس کام کی۔ اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا...... ابا جی! مجھ سے بے ادبی ہو گئی ہے مجھے معاف کیجئے۔ معلوم یہ ہوا کہ جب تک ہم اور آپ اپنی خطاؤں اور گناہوں سے توبہ نہ کریں اس وقت تک عرض پیش کرنے کی

یہ راتیں میں نے کہی ہیں۔

لیلۃ القدر

آج کی رات اس کام کے لئے موزوں ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سوال کرتی ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ اگر ہمیں لیلۃ القدر مل جائے تو ہم کیا کریں۔ آپؐ نے فرمایا۔ تم یہ کہو......

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي

اے اللہ تیری عادت ' تیرا کام خطا کاروں کی خطاؤں کو بخشنا ہے۔ تیرا کام خطا کاروں سے انتقام لینا نہیں ہے۔ بندہ کا کام خطا کرنا ہے۔ خدا کا کام خطاؤں کو بخشنا ہے۔ اللهم انک عفو اے اللہ! آپ کا کام معاف کرنا ہے۔ او آپ معاف کرنے والے ہیں تحب العفو اور صرف یہ نہیں کہ مرضی سے کے آتا ہے بلکہ جو معافی کی مرضی لے کے آتا ہے تو آپ کے نزدیک پیارا ہو جاتا ہے۔ آپ اسے سینے سے لگاتے ہیں...... معاف کیجئے گا ' ہماری نفسیات یہ ہے کہ اگر کوئی معافی کرے تو زیادہ سے زیادہ معاف کر دیں گے۔ سینے سے کوئی نہیں لگاتا۔ مگر حدیث میں آتا ہے فرمایا التائب من الذنب کمن لا ذنب له جس نے گناہ سے توبہ کر لی وہ اللہ کی نظروں میں محبوب ہو گیا۔ وہ اللہ کی نظروں میں پسندیدہ ہو گیا۔

تائب کی محبوبیت

حدیث میں آتا ہے کہ ایک مسافر جنگل میں گیا' اس کا اونٹ گم ہو گیا۔ اس کے کھانے پینے کا سامان گم ہو گیا۔ وہ بڑا پریشان ہے اس نے کہا اب تو یہاں مرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ مرنے کے لئے لیٹ گیا۔ آنکھ لگ گئی۔ تھوڑی دیر میں دیکھا کہ اونٹ واپس آگیا ہے۔ کھانے پینے کا سامان بھی آگیا۔ فرمایا کہ اس کو کتنی خوشی ہوئی۔ فرمایا جب کوئی بندہ اللہ سے توبہ کرتا ہے تو اللہ کو اس مسافر سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ فرمایا کہ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي جب تیرا کام یہ ہے تو اے اللہ میں ہاتھ اٹھا کر اپنی خطاؤں کی معافی مانگتا ہوں۔ تو مجھے معاف کر دے۔

میری خطا کو بخش دے۔ میرے گناہ کو بخش دے۔ معلوم ہوا کہ آج کی رات میں سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ہم اور آپ توبہ کریں اور توبہ کے لئے ایک شرط ہے۔ اس کے لئے آپ یہ ارادہ کریں کہ آئندہ نہیں کریں گے۔ اور اگر یہ خیال ہو کہ اب توبہ کر لوں' آئندہ پھر کر لیں تو یہ توبہ نہیں ہے۔

حضرت رابعہ بصریہ ؒ فرماتی ہیں بعض توبائیں خود گناہ ہیں۔ اس گناہ سے بھی توبہ کرنی چاہئے۔ فرمایا

سبحہ در کف توبہ بر لب دل پر از ذوق گناہ
معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما

خدا کی شان کریمی

ایک توبہ ہے کہ یہ عزم کرے اور عزم کا لفظ میں نے اس لئے کہا ہے کہ بعض اوقات عزم ہو جانے کے بعد بھی گناہ ہو جاتا ہے کوئی حرج نہیں۔ ہر مرتبہ عزم کر لو پھر ٹوٹ جائے' پھر بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ اللہ کی شان کریمی ہے۔ آپ ایک دفعہ بخشیں گے' دو دفعہ بخشیں گے' تین دفعہ بخشیں گے' ہمیشہ نہیں بخشیں گے۔ مگر اللہ کا وہ بار کیا ہے۔؟ فرمایا کہ

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ

اگر تم نے آگ کی پوجا کی ہے۔ اگر تو نے شرک کیا ہے۔ اگر تو نے کفر کیا ہے۔ کوئی حرج نہیں ہے۔ آجا ندامت کے ساتھ ہمارے پاس آجا۔ ہماری بارگاہ نا امیدی کی بارگاہ نہیں ہے۔

ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

سو مرتبہ بھی اگر توبہ توڑ چکا ہے' پرواہ نہ کر' آجا ہم تجھے بخش دیں گے۔

حضرت مولانا تھانوی ؒ فرمایا کرتے تھے۔ حکومتیں معاف کرتی ہیں تو خطا کی مسل محفوظ رکھتی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا جرم بھی معاف کر دیتا ہے۔ اس کی

قاتل کو بھی جلا دیتا ہے۔ اس کی نسل میں گناہ کا نشان بھی مٹا دیتا ہے۔

تو مطلب یہ ہے کہ ہمیں ہچکچانا نہیں چاہئے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھتا ہے۔ اگر بندہ ایک بالشت بڑھتا ہے۔ اگر بندہ ایک ہاتھ بڑھتا ہے۔ تو اللہ باع (دو ہاتھ) آگے بڑھتا ہے۔ اور جب بندہ چل کر آتا ہے تو اللہ تعالیٰ دوڑ کر آتا ہے۔ اور اس کو اپنی رحمت کی گود میں لے لیتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم اور آپ حاجت مند ہیں۔ ذاتی ملکی ' قومی مصیبتوں میں گرفتار ہیں۔ اس لئے میرے دوستو ! ہم اللہ تعالیٰ سے ایک ہی محفل میں اپنی خطا اور قصور کو بھی معاف کرائیں اور اس کے بعد پھر ہم اپنی حاجتوں ' اپنی تمناؤں کی درخواست بھی اللہ کی بارگاہ میں پیش کریں۔ بحیثیت مسلمان کے ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا ضرور قبول فرماتے ہیں۔

آج کی شب ' ہم یہ دیکھیں گے کہ اگر ہم نے ساری زندگی میں کسی بندے کا قصور کیا ہے تو وہ جرم بھی بخشوائیں گے۔ اور اگر ہم نے کوئی ملکی و قومی جرم کیا ہے تو وہ بھی اللہ سے بخشوائیں۔ اسی طریقے سے سب لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنی اپنی زندگی کا جائزہ لیں۔ اپنے اپنے گناہوں اور اپنی خطاؤں کی فہرست اپنے سامنے رکھ لیں۔ اور اس کے بعد گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ اور اپنی تمناؤں اور آرزوؤں کو اللہ تعالیٰ سے مانگ لیں۔ انشاء اللہ العزیز اللہ تعالیٰ ہماری دعاؤں کو قبول فرمائیں گے۔

میرے دوستو ! اس وقت میرے اور آپ کے جذبات بھی اللہ کی طرف متوجہ ہیں۔ رات مبارک ہے رمضان کی آخری ساعتیں ہیں۔ ہم اور آپ اس لمحے سے فائدہ اٹھائیں اور گڑگڑا کر اللہ کے سامنے اپنی خطاؤں کی معافی مانگیں ..... اے اللہ ! ہم بڑے گنہگار ہیں۔ ہماری خطاؤں کو بخش دے اور معاف فرما

(ارنامہ مرا لتیلرنی)

عید الفطر

خطبہ ماثورہ کے بعد اَللّٰھُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ (۔)
کے بعد فرمایا۔

بزرگان محترم اور برادران عزیز !

عید ' یوم مسرت

سب سے پہلے میں آپ حضرات اور تمام مسلمانوں کو اس بات کی مبارک باد دیتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے رمضان کی مشکل ذمہ داریوں سے اس طریقہ پر عہدہ برآ کیا کہ ہم یہ سمجھتے تھے ہماری صحت اس کو برداشت نہیں کر سکتی ہے۔ لیکن اللہ نے اپنی توفیق سے اسے آسان اور سہل کر دیا۔ روزے ' نماز ' تراویح ' شب بیداری ' اعتکاف ' ان سب چیزوں سے حق تعالیٰ نے آپ کو فارغ کیا۔ کسی نے اس موقع پر خوشی سے کہا۔ فرمایا کہ

روزہ گنو شد عید آمد دل ہا برخاست
مے ب خانہ بجوش ی باید خواست

روزے پورے ہو گئے ' عید آگئی ' ہر سال آتی ہے۔ اس سال بھی آئی۔ لیکن یہ ہمارے اور سب کے اعمال کا یا ہمارے ایمانوں کا نتیجہ دیکھئے کہ خوشی کا دن آ کر بے خوشی نہیں ہوتی ہے۔

حقیقی خوشی

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ راحت اور آرام کا سامان ہے۔ راحت نہیں ہے۔ فریج اس میں پانی ٹھنڈا ہوتا ہے۔ آرام کا سامان ہے۔ ایئرکنڈیشنر آرام کا سامان ہے اور اسی طریقے کی مشینیں یہ سب کے سب آرام اور راحت کے لئے ہیں۔ لیکن اگر یہ سب سامان آپ کے پاس موجود ہو اور بجلی کا کرنٹ نکل جائے تو

آپ کے پاس پنکھا ہے، ہوا نہیں، فریج ہے، پانی ٹھنڈا نہیں...... معلوم ہوا کہ سامان راحت اور چیز ہے۔ راحت اور چیز ہے۔ دنیا والوں کے پاس سامان راحت تو بڑی افراط کے ساتھ جمع ہیں۔ لیکن اگر آپ غور کریں تو بسا اوقات اللہ تعالیٰ ان میں سے کرنٹ نکال دیتے ہیں۔

خیر...... عید خوشی کا دن ہے۔ اور خوشی کے دن آپ یہ دیکھیں، خوشی نہیں ہوتی ہے۔ کسی غمزدہ نے کہا ہے کہ

پیام عیش و مسرت ہمیں سناتا ہے
ہلال عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے

یہ بظاہر پیام مسرت اور پیام خوشی لے کر آیا ہے۔ لیکن ہم اپنے حالات کی وجہ سے محسوس کرتے ہیں کہ جیسی خوشی مسلمانوں کو ہونی چاہئے ویسی نہیں ہوتی۔

تو مطلب میرے کہنے کا یہ تھا کہ اس موقع پر جو عید کی جو ذمہ داریاں ہیں وہ ہم سب کو پوری کرنی ہیں۔ عید کے سلسلے میں میں نے قرآن کریم کی ایک مشہور آیت تلاوت کی ہے۔

رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنْكَ

اس کا مطلب یہ ہے کہ عید الانسانی، عید الملت، عید المذاہب یہ بات طے ہے کہ ہر ملت اور ہر قوم کے لئے ایک عالمگیر اجتماع کا دن ہوتا ہے۔ ایک دن وہ ہوتا ہے کہ جہاں وہ خوشی منانے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ دوسری قوموں کے اندر بھی عید کا تصور موجود ہے۔

عید کا لغوی معنی

علماء نے لکھا ہے کہ ع، ی، د...... یہ اصل میں بنا ہے عود سے اور عود کے معنی ہیں لوٹ کر واپس آنا، عید کو عید اس لئے کہتے ہیں کہ اس کو ایسے لفظ سے یاد کیا جائے کہ ایک ہی دفعہ میں ختم نہ ہو جائے۔ بلکہ زندگی میں بار بار آئے بار بار

نصیب ہو۔

عام طور سے آپ نے دیکھا ہو گا ' عورتیں اور بڑے بوڑھے دعا دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ خدا کرے ہزاروں عیدیں دیکھنی نصیب ہوں۔ یہ ہماری اور آپ کی خوشی کا تصور ہے اور بہت سے اللہ والے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ نہیں اس طرح کی دعائیں نہ مانگو۔ دعا یہ مانگو کہ اللہ تعالیٰ ایک دفعہ نہیں ' دو دفعہ نہیں ہزاروں مرتبہ مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب کرے۔ فرمایا کہ

مدینہ جاؤں پھر آؤں دو بارہ پھر جاؤں
تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے

یہ بھی ایک عشق و محبت ہے۔ تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ عید کے معنی وہ دن جس میں اچھا شگون یہ ہے کہ اس کا نام وہ رکھا جائے کہ معلوم ہو کہ ایک مرتبہ ختم نہ ہو بلکہ بار بار آئے۔

بعض اوقات نام رکھتے وقت اس کا خیال رکھا جاتا ہے کہ شگون اچھا ہو ' جیسے آپ کو نکاح کے لئے لے جاتے ہیں۔ اس تقریب کا نام ہے شادی۔ شادی کے معنی ہیں خوشی ' لیکن اگر آپ دولہا کے کان میں یہ بات ڈال دیں کہ میاں آج تمہیں بنا سنوار کے اس لئے لے جایا جا رہا ہے کہ تمہاری زندگی کی ساری آزادیاں ختم ہو جائیں گی۔ اور آج تمہیں باندھا جا رہا ہے۔ آج سے تمہاری زندگی مقید ہو جائے گی۔ تو میرا خیال ہے کہ اگر وہ واقعی یہ سمجھ لے تو شاید وہ بارات ہی سے بھاگ جائے لیکن اس کا نام ایسا پیارا رکھا ہے کہ جس سے وہ خوش ہوتا ہے کہ اس کی شادی ہو رہی ہے۔

نکاح کی حقیقت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ' حکیم بھی ہیں ' ظریف بھی ' دونوں لفظ میں نے اس لئے کہے ہیں۔ عام طور پر جو اہل ظرافت ہوتے ہیں ان میں حکمت نہیں ہوتی ہے اور عام طور سے جو لوگ حکیم ہوتے ہیں تو ان میں ظرافت نہیں ہوتی۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت عطا فرمائی تھی کہ وہ حکیم بھی

تھے۔ ان کی ظرافت کے بے شمار واقعات ہیں..... ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک بدو نے کہا کہ یا امیرالمومنین ماذا النکاح نکاح کیا ہے۔؟ امیرالمومنین نے جواب دیا۔ سرور شہر ایک مہینہ مسرتوں کا ہے۔ خوشیوں کا مہینہ ہے۔ جب ایک مہینے کی بات کی تو بدو نے سوال کیا۔ ثم ماذا؟ یاامیرالمومنین؟ ایک مہینے کے بعد کی منزل کا نام کیا ہے۔ فرمایا کہ لزوم مہر اب جب ایک مہینہ گزر جاتا ہے اور یہ سوال کیا جاتا ہے کہ حضور مہر تو لائیے۔ تو پہلی دفعہ پوچھتا ہے کہ یہ جو میں نے قبول کیا تھا۔ یہ صرف قبول نہیں تھا بلکہ جیب سے مہر کی رقم بھی نکالنی ہو گی۔ اس کے بعد بدو نے سوال کیا کہ یا امیرالمومنین ثم ماذا؟ پھر کونسی منزل آتی ہے۔ تو امیرالمومنین نے جواب دیا ھموم دھر سارے زمانے کا غم اس پہ آپڑتا ہے۔ مگر بدو بھی بلا کا بدو تھا۔ اس نے کہا یا امیرالمومنین ثم ماذا؟ اس کے بعد کونسی منزل آتی ہے۔ امیرالمومنین نے فرمایا! کسور ظہر کہ زمہ داری اٹھاتے اٹھاتے کمر جھک جاتی ہے۔ اور یہ آخری منزل کا نام رکھا۔ مسرت سے ابتداء ہوئی تھی اور کمر ٹوٹنے پر جاکر ختم ہوئی۔

افطار آگیا

تو خیر..... عید تبرک شگونی کے طور پر اس کا نام رکھا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کرے بار بار لوٹ کر آئے۔ اور ہر سال اس کی خوشی آپ دیکھیں۔

آج عید الفطر ہے۔ فطر سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ فطر کے معنی ہیں افطار" افطار کی عید ہے۔ روزانہ مغرب کے وقت افطار ہوا تھا۔ وہ ایک دن کا افطار تھا اور یہ پورا مہینہ پورا ہونے پر" پورے مہینے کا افطار ہے۔ لہذا پورے مہینے کے افطار کو اللہ تعالیٰ نے خوشی کے لئے مقرر فرمایا کہ تم اللہ کے دربار میں شکرانہ ادا کرو آج ہم صرف اسی خوشی میں عید منا رہے ہیں۔ آج کے دن یہ بتانا ہے کہ دنیا میں دوسری قوموں کے اندر بھی عید ہے۔ عید کا تصور بھی ہے۔ اس کی بنیاد کیا ہے۔ اگر آپ سوچیں اور غور کریں تو معلوم ہو گا کہ یہ دین بالکل الگ ہے۔ اور اللہ کا یہ دین ہے اور باقی ادیان کا مطالعہ کریں۔ تو آپ کو پتہ چلے گا کہ درحقیقت"

وہ تو ایک کھانے پینے کا سامان معلوم ہوتا ہے۔

فرمائشی معجزہ کا مطالبہ

قرآن کریم کی اس آیت میں نصاریٰ کی عید کا ذکر کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کے حواریوں نے کہا۔

هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَن يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ کیا آپ کا اللہ' آپ کا پروردگار یہ کر سکتا ہے کہ ہمیں کوئی معجزہ دکھائے۔ قوم یہ کہتی ہے کہ ہم ایمان لائیں گے۔ جبکہ کوئی معجزہ دیکھیں گے...... اول تو یہ بات کہنا' مطالبہ کرنا' ناپسندیدہ حرکت ہے۔ پھر معجزہ کا مطالبہ بھی اس طریقے سے کہ یہ معجزہ دکھاؤ' یہ نہیں' یہ دکھاؤ' یہ بے ادبی ہے اور جب کبھی کوئی قوم اپنی رغبت کے مطابق کرتی ہے کہ یہ معجزہ دکھایا جائے۔ اور وہ قوم ایمان نہ لائے تو اللہ کے قہر سے وہ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا معجزہ مانگنے ہوا ایسا' فرمایا

رَبَّنَا أَنزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنكَ وَارْزُقْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ○ (۔)

آسمان سے خوان نازل فرمایئے۔ اس میں بڑی بڑی روٹیاں ہوں۔ الوان نعمت ہوں۔ تلی ہوئی مچھلیاں' کھانے پینے کا سامان ہو۔

مائدہ کے معنی ہیں خوان اور اگر یہ معجزہ ظاہر ہو گیا تو ایک طرف تو ایمان لانے کا درجہ بھی بڑھ جائے گا۔ دوسری طرف پیٹ بھرنے کا سامان بھی ہو جائے گا۔ کیونکہ ہم اس سے کھائیں گے پئیں گے' لذت اٹھائیں گے۔ اور جس دن خوان نازل ہو گا۔ ہم اس کو عید کے طور پر منائیں گے۔ قوم کا مذاق آپنے دیکھا' اس مذاق میں اخلاص نہیں۔ کیوں؟ ہم ایسا معجزہ چاہتے ہیں کہ جس میں ہمارا بھی تو کچھ بھلا ہو...... کچھ کھانے پینے کا سامان ہونا چاہیے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ یہ راستہ مزدوری کا راستہ ہے۔ بندگی کا راستہ نہیں ہے۔ مزدوری کا راستہ یہ ہے کہ انسان کام کرنے سے پہلے یہ کہے کہ میں ہاتھ اس وقت تک نہیں لگاتا جب تک یہ نہ بتا دیا جائے کہ کیا دو گے' مجھے کیا ملے گا۔؟

بندگی کا معیار

آج بھی ہمارا مذاق اور ہمارا جنون یہ ہے کہ آپ حدیثیں سناتے ہیں کہ آخرت میں یوں ثواب ملے گا۔ آخرت میں یہ درجہ ملے گا۔ آخرت میں یہ مرتبہ ملے گا۔ ارے صاحب پہلے یہ تو بتایئے کہ اس سے پیٹ بھی بھرے گا یا کچھ نہیں۔ کچھ کھانے کو بھی ملے گا یا نہیں۔ دنیا کا فائدہ بھی ہو گا یا نہیں۔؟

یہ راستہ بندگی کا راستہ نہیں ہے۔ یہ مزدوری کا راستہ ہے۔ کیسے؟ آپ نے قلی ٹھہرایا۔ آپ کسی کو کہتے ہیں کہ یہ کنستر اٹھا کے میرے گھر پہنچا دو۔ طے ہوا کہ اچھا بھئی دو روپیہ دیں گے۔ اس نے کنستر لے جا کر آپ کے گھر پہنچا دیا۔ آپ نے دو روپے اس کو دیئے۔ اب وہ کہتا ہے اس زمانے کا جو بجٹ آیا ہے اس میں دو روپیہ کی کوئی حیثیت ہی نہیں "میاں کیا کرونگا" بچوں کو کیا کھلاؤں گا" لیکن آپ یہ کہتے ہیں کہ دیکھو مزدوری تمہاری یہ طے ہوئی۔ اس سے ہمیں بحث نہیں کہ تمہیں دو روپے میں کیا ملتا ہے اور کیا نہیں ملتا۔؟

یہ راستہ مزدوری کا راستہ ہے۔ اللہ نے ہمیں اس راستہ پر نہیں ڈالا ہے۔ بندگی کا راستہ یہ ہے کہ یہ قلی کا کنستر اٹھاؤ۔ اٹھانے والا کہتا ہے کہ جی حضور سر آنکھوں پر جو حکم ہو گا۔ میں اس کی تعمیل کروں گا۔۔۔۔۔۔ کیا لو گے؟ ۔۔۔۔۔۔ یہ میرا کام نہیں ہے۔ میرا کام تو آپ کا کنستر اٹھا کر پہنچانا ہے۔ کیا دینا ہے" کتنا دینا ہے۔ یہ آپ کا کام ہے۔ آپ سوچیں اور غور کریں۔ ہم اس میں نہیں پڑتے۔ یہ راستہ بندگی کا راستہ ہے۔ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

تو بندگی چو گدایان بشرط مزد مکن
کہ خواجہ خود بندہ پروری داند

یہ جو طریقہ ہے یہ ایسا طریقہ ہے کہ کنستر اٹھا کے گھر لے جا کر پہنچا دیا۔ اب خود ہی پوچھتا ہے کہ اس کی حاجت کتنی ہے۔ اس کی ضرورت کتنی ہے۔ اگر واقعی مزدوری طے ہوتی تو دو روپے میں طے ہوتی۔ لیکن میں تمہیں دس روپے اس کو دیتا ہوں۔ یہ بندہ پروری کا طریقہ یہ ہے۔ وہ مزدوری کا طریقہ ہے۔

اے مسلمانو ! اللہ کی عبادت کرو۔ بندگی کے اصول پر کرو ' مزدوری کے اصول پر نہ کرو۔

اعجاز قرآن

لیکن نصاری نے کیا کیا۔ انہوں نے کہا کہ آپ لنچ دیجئے۔ معجزہ دیجئے کہ روحانیت تو درست ہوگی اپنی جگہ پر مگر پیٹ بھی تو بھرے۔ انہوں نے مائدہ مانگا۔ اسلام نے جب عید کا دن مقرر کیا۔ انہوں نے بھی ایک معجزے کی بنیاد رکھی ہے۔ اللہ تعالی نے آپ کو ایسا سامان عطا فرمایا ہے کہ جس سے آپ کی روحانیت میں جلا پیدا ہو جائے ۔ آپ کی زندگی درست ہو جائے اور وہ کیا ہے۔ وہ ہے نزول قرآن........ قرآن کا بھی معجزہ ہے۔ لیکن قرآن کریم کے نزول سے پیٹ نہیں بھرتا۔ بلکہ باطن درست ہوتا ہے۔ ایک قوم نے مطالبہ کیا ہے کہ ہمارا بدن بڑھ جائے۔ دوسری قوم نے مطالبہ کیا کہ ہمارا باطن درست ہو جائے۔ اسلام کے اندر جب ہم اور آپ عید مناتے ہیں۔ اس معجزے کی خوشی میں مناتے ہیں۔ جس معجزے کا نام ہے........ قرآن..... قرآن کیا ہے۔؟ سب کو معلوم ہے کہ اس کتاب کو کہتے ہیں جو کتاب ہمارے یہاں غلافوں میں لپٹی ہوئی ہے طاقچوں میں رکھی ہوئی ہے کس لئے رکھی ہے۔؟ اس لئے رکھی ہے کہ جس کے اوپر کوئی بھوت پری جھپٹی اس کی ہوا دے دیں گے۔ اگر کسی نے بتا دیا تو اس میں سے دیکھ کے کوئی نام نکال دیں گے۔ اگر موقع ہوا تو اس میں سے کوئی تعویذ لکھ لیں گے۔ کیا قرآن کریم اللہ تعالی نے اس لئے نازل فرمایا۔؟

فہم قرآن کے طریقے

قرآن کیا ہے۔؟ اس کے سمجھنے کے دو راستے اور طریقے ہیں کیونکہ لوگوں کے مذاق مختلف ہیں۔ ایک مذاق لوگوں کا یہ ہے عقل غالب ہے ' محبت غالب نہیں ہے.....

۱۔ جن لوگوں کے اوپر عقل کا غلبہ ہے وہ ہر چیز کو عقل کی بنیادوں پر سمجھنے کی

کوشش کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ایسا دعویٰ کرنے والے جھوٹے ہیں۔ اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ صاحب! عقل سے جب تک میری سمجھ میں بات نہ آجائے تو تنکا بھی توڑنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ میں کسی بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ آپ غلط کہتے ہیں۔

کسی حافظ اور قاری نے آپ کو پڑھایا تھا تو اس نے آپ سے کہا تھا کہ کہو بیٹا الف' آپ نے کہا الف...... آپ نے اس سے سوال کیا کہ کیوں صاحب! یہ جو لمبا لمبا کھڑا ہے "الف کیوں ہے اور یہ جو لیٹی لیٹی ب ہے یہ ب کیوں ہے۔؟ میں کیوں نہ کہوں کہ یہ جو کھڑا کھڑا ہے یہ ب ہے اور یہ جو لیٹی لیٹی ہے وہ ہے الف...... دلیل کیا ہے۔؟ کوئی نہیں...... اگر آج یہ بات میرے کہنے سے نہیں مانتے کہ یہ الف ہے اور یہ ب ہے تو ساری زندگی یہ نہیں سمجھ سکتے..... کہنا ماننا پڑے گا...... ایک بات......!

دوسری بات یہ ہے کہ ہم اور آپ یہ سمجھتے ہیں' میں فلاں سلطان کی اولاد ہوں' میں فلاں باپ کا بیٹا ہوں۔

عقل کی حدود

معاف کیجئے' آپ کے پاس کوئی دلیل ہے۔ عقل کے ذریعے سے آپ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ آپ باپ کی اولاد ہیں۔ کوئی ثابت کر سکتا ہے نسب کا مسئلہ تو اتنا بڑا اہم مسئلہ ہے۔ کوئی انسان دنیا کے اندر عقل کے ذریعے سے یہ نہیں ثابت کر سکتا کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں...... کیسے......؟

کان پور میں ایک شخص ولایت سے پڑھ کر آیا۔ بڑے مرتبے پر پہنچ گیا تھا' باپ غریب تھا۔ جب لوگ ملنے کے لئے آئے تو انکار کر دیا یہ میرا باپ نہیں ہے۔ اس نے لوگوں سے یہ کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ اس نے نوٹس دے دیا۔ اپنے باپ کو کہ اگر آپ ایک مہینے کے اندر اندر یہ ثابت کر سکے کہ میں آپ کا بیٹا ہوں تو آپ کو یہ حق ہے کہ آپ باپ کہیں اور اگر نہیں ثابت کیا تو آئندہ سے باپ کہنے کا حق نہیں۔

معاملہ عدالت میں آیا' وکیلوں کے ہاتھ میں چلا گیا' اہل دانش کے ہاتھ میں آگیا' ساری دنیا کے اہل عقل کو جمع کر لو۔ قیامت تک ثابت نہیں کر سکتے کہ یہ فلاں کی اولاد ہے۔ وہ بے چارے پریشان' اس نے کہا کہ عقل کی بدولت تو میں اپنے بیٹے سے بھی گیا' اولاد سے بھی گیا۔ میں ثابت نہ کر سکا۔

کسی اناڑی قسم کے آدمی نے یہ کہا کہ باپ اور بیٹے کا رنگ ملا کے دیکھو۔ رنگ اگر ملتا ہے تو یہ باپ ہے اور یہ بیٹا ہے۔ واہ یہ اچھی دلیل ہے بیٹے کالے اتنی ہی گورے باپ کے سامنے۔ باپ بیٹے کو کھڑا کر دو اگر شکل ملتی ہے تو یہ باپ ہے ورنہ نہیں' یہ بھی غلط ہے۔ بیٹا کبھی چچا کی شکل کا ہوتا ہے کبھی ماموں کی شکل کا ہوتا ہے کبھی دادا کی شکل میں ہوتا ہے۔ یہ اگر آپ نے اصول بنا دیا تو گھر گھر میں لڑائی ہو جائے گی۔ کسی نے کہا کہ خون نکالو دونوں کا اور ٹیسٹ کرا دو۔ یہ طریقہ بھی صحیح نہیں۔ ایک آدمی افریقہ میں رہتا ہے ایک یہاں رہتا ہے اس نے وہ ملک نہیں دیکھا اور اس نے یہ ملک نہیں دیکھا۔ خون دونوں کا ملتا جاتا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے یہ بھی باپ بیٹے ہی ہیں جائے

حضرت امام غزالی ؒ نے فرمایا دیکھو میاں تمہاری یہ اولاد تمہارے ہاتھ سے جائے گی۔ یہ ثابت کرنے کا طریقہ نہیں ہے۔ عدالتیں دو ہیں.... ایک دیوانی..... ایک فوجداری...... فوجداری عدالت کا مقدمہ دیوانی میں نہیں جاتا اور دیوانی کا مقدمہ فوجداری میں نہیں جاتا۔

عقل اور نقل

نسب ثابت کرنے کے دو طریقے ہیں ایک عدالت نقل کی عدالت ہے ایک عدالت عقل کی عدالت ہے۔ عقل کی عدالت کا یہ مسئلہ نہیں ہے کہ وہ یہ ثابت کر سکے کہ فلاں فلاں کس کی اولاد ہے۔

یہ نقل کی عدالت کا مقدمہ ہے۔ کیا مطلب؟ جاؤ کہو وہ اپنے بیٹے سے کہ اگر تمہیں یقین نہیں تو تو اپنی ماں سے پوچھ' اگر یقین نہیں ہے تو محلے والوں سے پوچھ' اگر تجھے یقین نہیں تو دائی سے پوچھ' اگر تجھے یقین نہیں اہل قصبہ سے

پوچھو...... مطلب یہ ہے کہ کسی نہ کسی روایت پر یقین کرنے سے یہ مسئلہ حل ہو گا۔ یہ عقل کی بنیاد پر حل نہیں ہو گا۔

بعض لوگ وہ ہیں جن پر عقل کا غلبہ ہے۔ اور بعض وہ ہیں کہ جن پر عشق اور محبت کا غلبہ ہے۔ یہ دونوں الگ الگ ہیں۔ فرمایا کہ

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

عقل مصلحتیں سوچتی ہے' عشق مصلحتوں پر غور نہیں کرتا۔ عشق کا انداز الگ ہے۔ عقل کا انداز الگ ہے۔ آیئے عقل کے انداز سے سمجھ لیجئے کہ قرآن کریم کیا ہے۔ فرمایا کہ

آن کتاب زندہ قرآن حکیم
حکمت او لایزال است و قدیم

یہ اللہ کا کلام ہے۔ اس کی حکمت قدیم ہے۔ اس کی حکمت ناقابل تقسیم ہے اور یہ اللہ کا جو کلام ہے ناقابل تغیر ہے' ناقابل تبدیل ہے۔

قرآن کے اثرات

جو لوگ دوائیں بیچتے ہیں وہ ان دواؤں کی بڑی تعریف کرتے ہیں لیکن اگر ان سے یہ دریافت کیا جائے کہ یہ دوا جس کی آپ اتنی تعریف کر رہے ہیں اور زمین اور آسمان کے قلابے ملا رہے ہیں اس دوا سے کوئی مریض اچھا بھی ہوا؟ اگر ہوا تو لاؤ۔ اگر کوئی مریض بھی اچھا نہیں ہوا تو زبانی جمع خرچ سے کیا ہو گا۔

اسلام نے یہ کہا کہ ہم کتاب اللہ کی تعریف نہیں کرتے۔ کتاب اللہ نے جو انقلاب پیدا کیا ہے' جن مریضوں کو درست کیا ہے۔ ان پہلوانوں کو ہم دکھانا چاہتے ہیں کہ جو گھٹنوں چلنا نہیں جانتے تھے۔ اس کتاب کی بدولت طاقت ور اور پہلوان ہو گئے...... فرمایا کہ

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ

اس کتاب سے جو مریض اچھے ہوئے ہیں۔ ان مریضوں کا نام ہے متقی۔
قرآن نے ایک جماعت انسانوں کی پیدا کی ہے جن کا نام اہل تقویٰ ہے۔ جو پاکباز
ہیں۔ جو نیک لوگ ہیں ایک ہم عظیم پیدا کیا ہے جن کو متقین کہا جاتا ہے۔ اس کا
مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم نے جو انقلاب پیدا کیا ہے یہی اس کے تعارف کے لئے
کافی ہے۔ فرمایا کہ

درفشانی نے تیری قطروں کو دریا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

جو قوم خود قابل اصلاح تھی' دنیا کی کوئی برائی ایسی نہیں تھی جو عرب میں
موجود نہ ہو لیکن اس قرآن کریم نے ان کو مسیحا بنا دیا۔ یہ سب سے بڑی پہچان
ہے۔ یہ دنیا میں ایک انقلابی کتاب ہے۔ اور ایک عیسائی کہتا ہے کہ ۲۳ سال کی
مدت اتنا بڑا عظیم انقلاب آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر کسی نے نہیں برپا کیا۔
۲۳ سال کی مدت آنکھ جھپکنے میں گزر جاتی ہے۔

ہماری قومی زندگی

اب پاکستان کو بنے ہوئے ۲۲ سال ہو گئے۔ اب تو ہم بہت آگے چلے
گئے لیکن جس زمانے میں ۲۲ سال کا زمانہ گزرا۔ ہم نے ارباب اقتدار سے کہا کہ
بھئی ۲۳ سال کی مدت میں سرکار دو عالم ﷺ نے ایک بگڑی ہوئی قوم کو ہادی بنا دیا۔ جو
ایک نظام حکومت نہیں رکھتے تھے۔ ان کو پیشوا اور امام بنا دیا۔ آپ کے پاس تو
سب کچھ تیار تھا۔ آپ سب لوگوں نے ۲۳ سال میں کیا کیا؟ تو جواب یہ ملتا تھا
ارے مولانا صاحب ابھی تو پاکستان ۲ مہینے کا بے بی (Baby) ہے۔ ذرا اس کو
جوان ہونے دیجئے۔ یہ تو ابھی چھوٹی سی عمر ہے۔ آگے چلے بڑا ہو گا تو دیکھا جائے گا۔
تو ۲۳' ۲۴ سال میں بھی اگر کسی کا بچپنا ختم نہیں ہوتا تو مجھے خدشہ ہے کہ
جوانی آئے گی بھی یا نہ...... اور جوانی آئے گی یا نہ آئے گی۔ ہمیں تو بڑھاپے کے

آثار نظر آتے ہیں۔ میں نہیں کہتا۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔ فرمایا

آ تجھ کو بتاؤں میں ' تقدیرِ امم کیا ہے؟
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

جب کوئی قوم دنیا میں ابھر آتی ہے تو اس کے ہاتھ میں نیزہ ' شمشیر اور تلوار ہوتی ہے سامان جنگ ہوتا ہے۔ لڑنے کا سامان ہوتا ہے۔

اور جب کسی قوم کا بڑھاپا آتا ہے اس کی موت کے دن قریب آتے ہیں تو اس قوم کے جوانوں کے بغلوں کے اندر طبلہ اور ستار اور گانے بجانے کا سامان ہوتا ہے۔ آپ اندازہ لگایئے۔ ہمارے آثار جوانی کے آثار ہیں یا بڑھاپے کے اور تنزل کے آثار ہیں۔

قرآن کے اتنے عظیم انقلاب لانے سے ' اس سے بہتر عقل کے سمجھانے کا اور کوئی طریقہ نہیں..... متقیوں کی جماعت موجود ہے۔

قرن اول کو دیکھئے ' سرکار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں خیر القرون قرنی آسمان کے نیچے زمین کے اوپر اگر بہترین زمانہ کوئی ہے تو وہ ہے جس میں میں ہوں۔ لیکن وہ زمانہ بہت تھوڑا تھا۔

علماء نے لکھا ہے کہ قرنی کے اندر ق ر ن ی ..... اشارہ ہے خلفاء راشدین کی طرف ' حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا ق حضرت عمر ؓ کی ر اور حضرت عثمان کی ن اور حضرت علی ؓ کی ی

(یا) خیر القرون قرنی کے معنی یہ ہیں بہترین زمانہ وہ ہے جس میں میں ہوں یا میرے بعد خلفاء راشدین کا زمانہ ہے وہ بہترین زمانہ ہے۔

تو میرے دوستو ! عقل کی بنیاد پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے...... اب رہ گئی وہ عشق کی بنیاد ' تو آخر دیکھئے دنیا میں اس مذاق کو سمجھنے والے کتنے ہیں۔ لیکن پھر بھی اس مذاق پر سمجھئے کہ قرآن کریم کیا ہے۔؟

فرمایا' قرآن کریم کو اگر آپ سمجھنا چاہتے ہیں تو قرآن کریم کو سمجھنے کا ایک طریقہ یہ ہے۔ ہر انسان کے دل میں خواہش ہے کہ وہ اپنے اللہ کو دیکھے' چاہے مومن ہو چاہے کافر' متقی ہو یا گنہگار' عورت ہو یا مرد' جاہل ہو یا عالم' سب کی تمنا

یہ ہے کہ وہ اپنے خالق اور اپنے پروردگار کو دیکھے مگر دیکھ نہیں سکتے۔ کس وجہ سے؟ اس وجہ سے نہیں کہ آپ کے چہرے پر آنکھ نہیں ہے...... آنکھیں ہیں...... پھر کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سات قلعوں کے اندر بیٹھے ہیں...... نہیں...... اللہ تعالیٰ بالکل پردے میں نہیں ہے۔ ایک خاتون تو شاید ایک پردے کے اندر اور ایک چادر کے اندر ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ ایک باریک سی چادر میں بھی نہیں ہے۔ بالکل صاف ہے۔ لیکن دیکھنے والے دیکھتے ہیں۔ کسی نے بہت اچھا کہا۔

ہے تجلی یہ کہ ہر ذرے میں جلوہ آشکار
خود پہ پردہ یہ صورت آج تک نظارہ ہے

صورت کی روشنی میں دیکھا تو اللہ کا جلوہ ذرہ ذرہ میں نظر آیا۔ ایک آدمی جا رہا تھا۔ جنگل میں گھاس دیکھتا ہے۔ کہتا ہے کہ

ہر گیاہی کہ از زمین روید
وحدہ لا شریک لہ گوید

یہ جو گھاس اگ رہی ہے یہ گھاس نہیں ہے بلکہ یہ شہادت کی انگلی ہے۔ کہ جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دے رہی ہے۔

فرمایا قرآن کریم کو اس طریقے پر سمجھے کہ قاریہ عاشقوں کے دیدار کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم نازل فرمایا ہے۔ اے لوگو! تم مجھے دیکھنا چاہتے ہو۔ تو ہم نے تمہارے لئے دیدار کا اور اللہ کی تجلی کا انتظار کیا۔

قرآن کریم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔ اگر تم خدا کا دیدار کرنا چاہتے ہو، دیکھو یہ کتاب ہے اس میں تمہیں خدا نظر آئے گا..... کیسے؟

زیب النساء کا واقعہ

مشہور واقعہ ہے۔ عالمگیر بڑے دیندار بادشاہ تھے۔ ان کی بیٹیوں کی اعلیٰ تعلیم و تربیت تھی۔ پڑھی لکھی تھیں۔ ایک بیٹی کا نام زیب النساء تھا اور یہ شاعرہ تھیں۔ ایران میں ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک شہزادے نے شاعروں کو ایک مصرعہ دیا اور یہ کہہ دیا کہ اس پہ دوسرا مصرعہ لگا دو اور وہ مصرعہ کیا تھا۔ اس نے کہا۔

در ابلق کے کم دیدہ موجود

چتت کبرا موتی کسی نے نہیں دیکھا۔ چتت کبرا کسے کہتے ہیں۔ جس میں سفیدی، سیاہی دونوں موجود ہوں۔ شاعروں سے کہا کہ مصرعہ پر مصرعہ لگا دو۔ شاعر بے چارے پریشان ہو گئے۔ مصرعہ پہ مصرعہ نہیں لگتا۔ وہ بڑا ناراض ہوا۔

لوگوں نے کہا کہ ہندوستان کے اندر عالمگیر کے دربار میں بڑے بڑے اہل کمال شاعر موجود ہیں۔ آپ یہ مصرعہ وہاں بھیج دیجئے...... انھوں نے وہاں بھیج دیا۔ عالمگیر نے شاعروں سے کہا کہ ایران کے شہزادے نے ایک مصرعہ بھیجا ہے۔ اس مصرعہ پہ مصرعہ لگاؤ۔ وہ لوگ بھی بے چارے پریشان ہو گئے۔ مصرعہ پہ مصرعہ نہیں لگا۔

عالمگیر اپنے گھر گئے اور جا کر اپنی بیٹی سے کہا آپ بڑی شاعرہ بنتی ہیں یہ ذرا یہ مصرعہ پہ مصرعہ تو لگائیں۔ زیب النساء نے بہت سوچا اور غور کیا۔ مصرعہ نہیں لگا سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ نوکرانی سے کہا کہ سنگار کا سامان لاؤ۔ وہ سنگار کا سامان لائی اس نے اپنا سنگار کیا۔ اور آخر میں انھوں نے سلائی لے کر سرمہ دانی میں ڈال کر آنکھوں میں سرمہ لگایا۔ سلائی جب آنکھ میں چبھ جاتی ہے تو آپ نے دیکھا ہو گا کہ آنسو نکل آتا ہے۔ سلائی چبھ گئی' آنسو بہا' اس میں پانی کی سفیدی تھی' سرمہ کی سیاہی' زیب النساء نے فوراً مصرعہ لگا دیا۔ اس نے کہا کہ

در ابلق کسے کم دیدہ موجود
مگر اشک بتان سرمہ آلود

محبوب کی آنکھ کا وہ آنسو جو سرمہ لگا ہوا ہے۔ وہ چتکبرا موتی' میں نے دیکھا ہے۔ عالمگیر لے کے آئے اور شہزادے کے حوالہ کر دی اور یہ نہیں کہا کہ یہ پردہ نشین خاتون کا مصرعہ ہے۔

شہزادے نے شاعر کے بارے میں استفسار کیا تو جواب ملا کہ میں خوشبو کی طرح پنکھڑیوں میں پوشیدہ ہوں۔ مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن اگر اس کی تمنا اور خواہش ہے کہ دو دیکھے۔ تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ میری غزلوں کا

"یہ میرے کلام کا انتخاب ہے۔ یہ میری شاعری ہے۔ اس سے کہو کہ میرا کلام پڑھے۔ اور جب وہ میرا کلام پڑھے گا تو اس کلام میں وہ زیب النساء کو دیکھ لے گا۔

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

یاد رکھئے جس کا کلام ہوتا ہے' جب پڑھایا کہا جاتا ہے تو صاحب کلام خود بخود نظر آتا ہے۔ مخفی تخلص بھی ہے اور لفظ تخلص اس طریقے پر استعمال کیا ہے کہ معنی بھی پورے ہو جائیں۔ تخلص بھی آجائے۔

دہلی میں ایک مرتبہ مجھے یاد ہے ایک شاعر ہوا کرتے تھے مشہور' ان کا تخلص تھا احمق' میں اس مشاعرے میں شریک تھا اور وہاں بڑے بڑے مشہور لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ احمق صاحب بھی تشریف لائے۔ اور آکر انہوں نے اپنی نظم سنائی۔ ان کی نظم میں مذاق ہوا کرتا تھی۔ پہلے تو انہوں نے یہ کہا کہ

مریض سب کہ تمہارے کا اثر گیا ہے خمیر
اور حکیم ہے کہ خمیرے چٹائے جاتے ہیں

خیر لوگوں نے اسے بہت پسند کیا۔ آخر میں انہوں نے اپنا تخلص استعمال کیا۔ انہوں نے کہا کہ

سخن شناس اہل سخن معاذ اللہ

اور اشارہ کرکے کہا کہ

مشاعروں میں احمق بلائے جاتے ہیں

کلام والوں میں ذوق باقی نہیں رہا۔ میں ماتم کرتا ہوں۔
سارے شاعروں کو احمق بنا دیا۔ اپنا تخلص بھی استعمال کر دیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ سب کو احمق بھی بنا دیا۔

کلام باری تعالیٰ

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے میرے عاشقو! اے میرے دیوانو!
اے میرے دیکھنے کے متمنی طلبگارو! اگر مجھے دیکھنا چاہتے ہو دیکھنے کا ایک ہی طریقہ
ہے۔ میں نے اپنا کلام نازل کیا ہے۔ اس کلام کی تلاوت کیا کرو۔ اس کلام کے اندر
اللہ تعالیٰ کی تجلی نظر آجائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ بھی نظر آنے لگیں گے۔
میرے دوستو! اس نزول قرآن کی یادگار‘ اس نزول قرآن کا جشن ’عید
الفطر‘ کہلاتا ہے۔ اب آپ اندازہ لگایئے۔ ایک کھانے پینے کے سامان کے لئے عید
منانا ہے۔ ایک یہ ہے کہ اپنے باطن کی اصلاح کے لئے عید منانا ہے۔
اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن حکیم کی دولت عطا فرمائی ہے۔ ایک بات عرض
کر کے ختم کر رہا ہوں۔ حدیث میں آتا ہے الاستکون فتن
سنو! سنو! آپؐ نے فرمایا ’عنقریب فتنے تمہارے اندر ظاہر ہونے
لگیں گے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ما المخرج نکلنے کا طریقہ کیا ہے۔؟ فرمایا ’
کتاب اللہ
فرمایا‘ امت میں فتنہ پیدا ہوگا۔ دو قسم کا ایک دین سے فتنہ ایک دین میں
فتنہ دین سے فتنے کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کو بدگمان کر کے دین سے بیزار کیا
جائے۔ دین اپنی جگہ باقی ہے۔ اور دین میں فتنے کے معنی یہ ہیں کہ دین کی شکل و
صورت کو تبدیل کرنے کی کوشش کی جائے۔ ایک دین میں فتنہ ہے۔ ایک دین سے
فتنہ ہے۔ اور میں عرض کرتا ہوں کہ قیامت تک اللہ تعالیٰ کے دین کی شکل و
صورت کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ خواجہ صاحب کا شعر ہے۔ فرمایا

میرا نقش ہستی نہیں مٹنے والا
بتوں کے مٹائے یہ مٹتا نہیں
اس مٹنے میں دوست جائیں گے خود
کہ یہ نقش سجدہ ہے نقشہ نہیں

یہ رنگ کا نشان نہیں ہے۔ یہ نماز کا نشان ہے جو مٹایا نہیں جا سکتا۔

میرے دوستو! حضور ﷺ نے فرمایا ... کتاب اللہ .... فیہ نباء ما قبلکم وخبر مابعدکم (الحدیث)

فرمایا اس میں آپ کو غیب کی باتیں ملیں گی۔ ماضی کے واقعات ملیں گے۔ مستقبل کی نشانیاں ملیں گی اور موجودہ زمانے میں تمہارے لئے بہترین فیصلے ملیں گے۔

میرے دوستو! اللہ کی اس کتاب پر ہم اور آپ آج عید الفطر منا رہے ہیں۔ ہمیں اور آپ کو اس موقع پر خاص خاص دعائیں کرنی ہیں۔ ان میں سے ایک دعا خود اپنے ملک کے لئے کیجئے۔ عالم اسلام کے لئے رعا کیجئے۔ وما علینا الا البلاغ المبین

(از مجیر طان)

عید الاضحیٰ

موقع عید الاضحیٰ ۱۳۹۵ھ بمقام کراچی

الحمد للّٰہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ
و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ
فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا
شریک لہ و نشھد ان سیدنا و نبینا و مولانا محمداً عبدہ و رسولہ
صلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین
امابعد فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِیْمِ قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ
الْعٰلَمِیْنَ۔ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔

بزرگان محترم اور برادران عزیز! اسلامی جنتری کے لحاظ سے ذی الحج کا

مہینہ جس کی دسویں تاریخ میں آج ہم اور آپ موجود ہیں۔ سال کا آخری مہینہ ہے۔ اس مہینہ کے ختم پر سن ہجری پورا ہو جاتا ہے۔ اور یہ مہینہ اتفاق سے ایسا ہے کہ اس سے صرف سن ہجری ہی نہیں پورا ہو رہا ہے بلکہ اس سے پوری صدی پوری ہو رہی ہے۔ کیونکہ اب تک آپ تیرہ سو نناوے لکھتے تھے اب آپ چودہ سو لکھیں گے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ پوری صدی اس مہینہ کے آخر میں جا کر پوری ہو جائے گی۔ ویسے بھی اسلام میں اس مہینہ کی بڑی خصوصیت اور اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اسی مہینہ میں ایک وہ دن ہے جو دنیا کے گوشہ گوشہ سے سمٹ کر مسلمان آتے ہیں اور آکر میدان عرفات میں جمع ہوتے ہیں اور حج کے لئے مسلمان آتے ہیں وہ وقت اور مہینہ سے بھی متعلق ہے۔ اور مکان اور جگہ سے بھی متعلق ہے۔ یہ نہیں ہے کہ آپ ذی الحج کے علاوہ حج کر لیں۔ اس کا زمانہ بھی مقرر ہے۔ الحج اشہر معلومات اور اس کی جگہ بھی مقرر' میدان عرفات کل ذی الحج کی ہمارے حساب سے نو تاریخ تھی۔ اور وہاں کے چاند کے لحاظ سے نو تاریخ کو حج ہوا ہے۔

سنت ابراہیمی

اس مبارک مہینہ کی ایک تاریخ میں سنت ابراہیمی بھی زندہ کی جاتی ہے۔ اور اس کی یاد منائی جاتی ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام نے حضور پاک سے دریافت کیا۔ ماھذہ الاضاحی یا رسول اللہ آپ نے فرمایا کہ سنۃ ابیکم ابراہیم تمہارے روحانی باپ ہی نہیں روحانی دادا کو بھی تو باپ کہتے ہیں۔ دادا میں نے اس لئے کہا کہ سرکار دو عالم ﷺ کے جدامجد میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام ہیں وہ ان کے ابوالاباء اور ان کی بیوی حضرت ہاجرہ سرکار دو عالم ﷺ کی ماں تھیں۔ ویسے ہر نبی ہر پیغمبر امت کے لئے روحانی باپ ہوتا ہے۔ پھر ہماری خصوصیت یہ ہے کہ ہمارے نبی اور پیغمبر محمد عربی ﷺ ہیں۔ لیکن آپ کی ملت بھی وہی ملت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہے۔ ملت ابراہیم کی اور ہماری ایک ہے۔ شریعت حضرت ابراہیم کی الگ تھی اور شریعت محمدیہ الگ ہے۔ ملت ایک ہوتی ہے ' شریعتیں الگ ہوتی ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے کہ یہود اور نصاری مسلمانوں

کو دعوت دیتے ہیں کہ تم ہماری طرف آجاؤ۔ ہدایت پا جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ انہیں جواب دیں۔ فرمایا کہ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا
ہم پہلے سے ہدایت یافتہ ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم کی ملت میں ہیں۔ جو طریقہ حضرت ابراہیم کا تھا وہ طریقہ ہمارا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام ابو العرب بھی ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے بیٹے کو خانہ کعبہ کے قریب لے جا کر آباد کیا ہے وادی غیر ذی زرع بے آب و گیاہ میدان میں اور وہاں سے نسل چلی۔ حضرت اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کو بھی وہاں پہ لے جا کر آباد کیا ہے۔ اس لئے یہ ابو العرب بھی ہیں۔

ابو الانبیاء بھی ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کے ایک بیٹے حجاز میں مکہ میں آباد کر دیئے گئے دوسرے بیٹے شام میں آباد کر دیئے گئے۔ ان کا نام اسحاق ہے۔ وہ حضرت سارہ سے ہیں۔ یہ حضرت ہاجرہ سے ہیں۔ اور حضرت نے لکھا ہے کہ چوبیس ہزار نبی اور پیغمبر اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق کی اولاد میں مبعوث فرمائے۔ چوبیس ہزار پیغمبروں کے باپ کون ہیں۔ ؟ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام اس لئے انہیں ابو الانبیاء بھی کہا جاتا ہے۔

عید قربان

اور جو سنت ہم اور آپ آج تازہ کریں گے جس کی وجہ سے اس کا نام عید قربان ہے۔ قربانی کی عید اور ہم اور آپ یہاں کی خوشیوں کا اندازہ لگاتے ہیں۔ تو اس کا نام نمکین عید بھی رکھ دیتے ہیں۔ لیکن اصل میں قربانی کی عید ہے کہ ایک عاشق کہتا ہے

عید قربان آمد قربان خوباں ای شوم

استاذ سے کہتا ہے کہ تو نے میرے محبوب میرے دوست کو مکتب میں پڑھانے کے لئے بٹھا رکھا ہے۔ چھٹی دے اسے کہتا ہے کہ

اے مطلع یک زماں آں سروِ آزاد کن

ورنہ چوں زلف پری رویاں پریشاں کی شوم

اور عید قرباں آمد قرباں خوباں ی شوم' عاشق کہتا ہے کہ میں حسینوں پر قربان ہوں ۔ مومن کہتا ہے کہ ہماری نظروں میں کوئی حسین نہیں ہے۔ ہمارا حسین صرف ایک رب العالمین ہے۔ جس پر ہم قربان ہیں۔ خواجہ صاحب کے دو شعر یاد آگئے۔ فرمایا کرتے تھے دنیا ہر اچھی چیز کو دیکھ کر دوڑتی ہے۔ یہ پھول خوشبو کے اعتبار سے اچھا ہے۔ یہ پھول عادت کے اعتبار سے اچھا ہے۔ ہر اچھی چیز کو دیکھ کر آپ دوڑتے ہیں۔ عاشق مزاج ٹھہرے ہیں۔ ہر آدمی دل پھینک ہے۔ فرمایا

کوئی جی بھرنے کی صورت ہی نہیں میرے لئے

کیسے دنیا بھر کے ہو جائیں حسین میرے لئے

اب تو ذوقِ حسن اپنا یوں گے ہو کر بلند

حسن اوروں کے لئے حسن آفریں میرے لئے

تم حسن کے پیچھے دوڑتے ہو ہم حسن کے پیدا کرنے والے رب العالمین کا دامن پکڑتے ہیں۔ جس نے حسن پیدا کرنے والے حسینوں کے خالق کا دامن پکڑ لیا تو سارے حسین اس کے قبضہ میں آگئے۔

ہارون الرشید کا اعلان

خلیفہ ہارون الرشید نے ایک دفعہ اعلان کیا کہ دربار میں جو جس کا جی چاہے مانگو میں پورا کروں گا دے رہے ہیں داد و دہش جاری ہے۔ ایک باندی اور کنیزے کہنے لگے ۔ اری بے وقوف پاگل تو بھی کچھ مانگ لے۔ آج اس نے خلیفہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اس نے کہا کہ میں کچھ نہیں مانگتی۔ میں خلیفہ کو مانگتی ہوں۔ یہ سب پاگل ہیں۔ کیونکہ جس نے خلیفہ کو لے لیا۔ اس نے تو ساری سلطنت لے لی۔ اس لئے ایک مومن یہ کہتا ہے کہ آج ہم اپنے عہد کو تازہ کریں گے۔ عہد کون؟ فرمایا کہ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ آپ اعلان

فرما دیں یہ ہے ملت ابراہیمی آپ اعلان فرما دیں اس بات کا کہ ہماری نماز ہمارے مناسک ہماری قربانی ہماری زندگی ہماری موت یہ سب ایک رب العالمین کے لئے ہے۔

جو جیئے تو کہہ دیا جی گئے ہم جو مرنے کو کہہ دیا مر گئے ہم
اب اور کیا چاہتا ہے تیرے اشاروں پہ چل رہے ہیں

دنیا میں انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد

ہر چیز کا محور ہے اللہ کی رضا رب العالمین کی مرضی یہ آپ اعلان فرما دیں لا شریک لہ اور اس کا کوئی شریک نہیں ۔ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ اور ایسی چیز کا اللہ کی طرف سے مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں پہلا اطاعت گزار ہوں کہ جو اللہ کا کہنا ماننے والا ہوں۔ یہ تو میں نے ترجمہ کر دیا۔ عرض یہ کرنا تھا کہ دنیا میں ہر نبی اور پیغمبر اس لئے آتا ہے کہ غیر اللہ کی پرستش کو ختم کر دیا جائے۔ اللہ کی بندگی کو قائم کر دیا جائے۔ لفظ دو ہیں حقیقت ایک ہے۔ جب غیر اللہ کی پرستش ختم ہو جائے گی اللہ کی بندگی قائم ہو جائے گی۔ اور جب اللہ کی بندگی قائم ہو جائے گی غیر اللہ کی پرستش خود بخود ختم ہو جائے گی۔ اسی لئے اکبر الہ آبادی نے کہا کہ یہ لاالہ اور الا اللہ میں جو دو جملے ہیں غور کریں ایک ہی ہے۔ لاالہ اصل میں الا اللہ ہے۔ اور الا اللہ اصل میں لاالہ ہے یہ تو عربی کی بات تھی اردو میں کہئے اکبر الہ آبادی مرحوم نے کہا ہے۔ فرمایا کہ

ہوائے راز حسن ازل سے کے کوئی
مت صورت سرمدی کو کلام سمجھ کر دیکھ

کیا کہتا ہے قرآن دو باتیں کہتا ہے۔ دو نہیں کہتا ایک ہی کہتا ہے وہ کیا ہے۔؟ ارشاد ہے کہ شرک نہ کر اور نماز پڑھ مطلب یہ ہے کہ کسی کو نہ دیکھ اور ہمیں دیکھ۔ شرک نہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ کسی کو نہ دیکھو نماز پڑھنے کے معنی ہیں کہ صرف ہمیں دیکھو ہر نبی اور ہر پیغمبر دنیا میں شرک مٹانے کے لئے اور اللہ کی حاکمیت کو قائم کرنے کے لئے آیا ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو

لقب دیا گیا امام الموحدین فرمایا کہ "وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا" یہ امام الموحدین ہیں۔

حضرت ابراہیم کی قربانیاں

کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید میں وہ وہ نزاکتیں پیدا کی ہیں توحید کو اس انداز پر حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے پیش کیا ہے کہ شائبہ شرک بھی باقی نہ رہے۔ اور ان کی ساری جدوجہد اس بات کی نشانی تھی کہ اللہ کی وحدانیت ایک اتنا بڑا اور اہم مقصد ہے اس کے لئے ماں باپ کو چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دو۔ کنبے کو چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دو۔ وطن کو چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دو۔ قوم کو چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دو۔ اپنی زبان والوں کو چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دو۔ آگ میں ڈالے جاؤ تو قبول کر لو اور اگر تم سے یہ کہا جائے کہ تم اپنی یا اپنے بیٹے کی جان دے دو تو بھی دے دو۔ ان سب امتحانوں میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو کامیابی عطا فرمائی امام الموحدین کا لقب ان کو دیا گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی آخری قربانیوں کی یاد منائی جاتی ہے بذریعہ قربانی۔

شرک کی مختلف صورتیں

میں نے قرآن کریم کی جو آیت آپ کے سامنے پڑھی ہے یہ ایک مشہور سورت ہے۔ قرآن کریم کی سورۃ انعام "انعام کے معنی آتے ہیں مویشی اور علماء نے لکھا ہے کہ شرک کی صرف ایک ہی صورت نہیں ہے۔ کہ بت بنا کے رکھ لیا جائے اور پرستش کی جائے۔ مویشیوں کے ذریعہ سے جانوروں کے ذریعہ سے بھی شرک کی بہت سی صورتیں ان میں رائج تھیں۔ جیسے جانوروں کو بھینٹ چڑھانے کا" اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کا قلع قمع کیا۔ علماء کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے اندر اصول توحید اور توحید کی بنیاد بیان کی اور یہ بھی لکھا ہے مفسرینؒ نے سورت انعام جب نازل ہوئی ہے تو ستر ہزار فرشتے اس

سورت کو لے کر آگئے اتنی اہم سورت ہے آج وہی آیت میں نے آپ کے سامنے
پڑھی اور سبق یاد دلانے میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ پرانے لوگوں سے
صورتیں کچھ نظر آرہی ہیں۔ آپ کو شاید یہ یاد نہیں یاد نہ ہو تو یاد کر لیجئے۔ جب
برصغیر میں پاکستان کی تحریک چلی اور مسلمانوں نے عہد کیا اس بات کا کہ ہم پاکستان
کے لئے قربانی دیں گے۔ تو وہ جو فارم پر کیا جاتا تھا تحریک پاکستان کے سلسلہ میں اس
فارم پر سب سے پہلے یہی آیت قرآن کی لکھی ہوئی تھی قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَ
نُسُكِي وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَ
بِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک عہد عہد
ایسا ہی ہے۔ میں اس عہد کو بھی یاد دلا رہا ہوں کہ جس آزاد سرزمین پہ آج ہم
اور آپ بیٹھے ہیں اس کے حاصل کرنے کے لئے جب جدوجہد کا آغاز ہوا تھا تو یہی
فارم بھرا تھا۔ اسی آیت کو پڑھا تھا۔ یہی اللہ سے عہد کیا تھا۔ آج اس عہد پہ قائم
ہیں۔ یہ جائزہ لینے کی بھی ضرورت ہے اور یہ یاد رکھئے اللہ نہیں بدلا کبھی ہمارے
ساتھ ہم اللہ کے ساتھ بدل جاتے ہیں۔ اللہ میاں نہیں بدلتے۔

چودھویں صدی اور کہانی

ایک کہانی میں نے پڑھی تھی کہ تیرھویں صدی کا آخری دن تھا۔
چودھویں صدی شروع ہو رہی تھی۔ یہ مشہور ہے چودھویں صدی جو ہے ابھی
نہیں اس کے اثرات اچھے نہیں تو فرمایا کہ ایک بنیا اشرفیاں سونے کی لئے اپنی کمر
میں باندھے ہوئے چلا آرہا تھا۔ ایک مسلمان بھی ان کے ساتھ تھے۔ غریب آدمی تھا
۔ اس بنئے نے مسلمان سے کہا کہ بھائی میں تو یہ اشرفیاں باندھے باندھے ہمیانی کے
اندر تھک گیا ہوں اس لئے تم باندھ لو۔ دیکھئے کتنا اچھا زمانہ تھا۔ اس نے کہا کہ
بھائی بات یہ ہے کہ یہ پیسے کا معاملہ ہے یہ بوجھ میں اٹھانے کو تیار نہیں۔ کہو تو
جوتے تمہارے اٹھالوں۔ کتنا اچھا زمانہ تھا اس کے دل میں شبہ نہیں اس کے دل
میں شبہ نہیں آپس میں ایک دوسرے سے صداقت کر دی۔ رات کو ایک سرائے
میں ٹھہرے چودھویں صدی شروع ہو گئی۔ صبح کو اٹھے تو اس مسلمان کے دل میں

خیال آیا کہ ارے میاں بڑی غلطی ہو گئی اگر وہ تھیلی باندھ لیتے تو اچھا تھا کیا خبر اگر بگڑ جاتے تو میرے ہی پاس رہ جاتی۔ ادھر اس کے دل میں بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ تو نے بڑی حماقت کی تھی جو اس سے کہہ دیا تھا کہ بھائی لے لے وہ تو غنیمت ہوئی اس نے فوری انکار کر دیا۔ اب کیا کریں۔ اس مسلمان نے کہا کہ وہ والد کی جو آپ نے کہا تھا کہ یہ بوجھ ہے تو آپ چاہیں تو مجھے آپ دیں اور میں اس کو باندھ لوں گا۔ اس نے کہا کہ ہاں میں نے کل کہا تو تھا لیکن پھر مجھے خیال ہوا اپنا بوجھ دوسرے پر کیوں ڈالنا چاہئے دونوں ہنسے اور کہنے لگے کہ جو تم بگڑے تو ہم بگڑے۔ پہلے ہم اپنا عہد بدلتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنا سلوک بدلتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنا طریقہ بدل دیتے ہیں۔

قربانی کی روح اور شرک کی تردید

میرے دوستو ! حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان قربانیوں کی یاد ہم اور آپ منا رہے ہیں۔ جانور کے ذبیحہ کی شکل میں لیکن اس قربانی کی روح کیا ہے۔؟ حضرت ابراہیم کی طویل قربانیوں کی یاد ہے اور وہ ساری قربانیاں توحید پر تھی ہیں۔ میں تا دوں شرک وہ تو سب کی نظروں میں آجاتا ہے۔ کہ آپ نے لکڑی کا بت بنا کے رکھا۔ آپ نے پتھر کا بت بنا کے رکھا اور اس کے سامنے ڈنڈوت کرنے لگے۔ یہ شرک تو سب ہی کی سمجھ میں آتا ہے۔ اور پڑھا لکھا آدمی اس شرک سے نفرت کرتا ہے۔ لیکن شیطان جو ہے وہ بڑا ہی سمجھ دار ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ اگر آپ کو ان گولیوں کے کھانے میں کوئی اعتراض ہے تو اس دوا کو کیپسول میں بند کرکے دے دیا جائے تاکہ کڑواہٹ اس کی محسوس نہ ہو۔

یاد رکھئے ہاتھوں میں تراشا ہوا بت آج اگرچہ دنیا میں کم پوجا جا رہا ہے اور پوجنے والے بھی شرمندہ ہیں لیکن انسان نے ہاتھوں کی بجائے عقل سے بت تراشے ہیں اپنی فکر سے بت تراشے ہیں عقل سے تراشے ہوئے بتوں کی فکر سے تراشے ہوئے بتوں کی شرک میں اور اس پرستش میں پڑھا لکھا طبقہ سب سے زیادہ آگے آگے ہے۔ میں تمہیں کہہ رہا علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں۔

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روش لطف و ستم اور
سب انداز بدل گئے تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور

منصب دیا ہے کہا کہ ہاتھوں کے بتوں کی پرستش آج نہیں ہو گی۔ عقل سے تراشا گیا ہے؟ وہ بت زبان ہے وہ بت وطن ہے۔ وہ بت قومیت ہے وہ بت رنگ اور نسل ہے۔ یہ سارے کے سارے بت جو ہیں یہ انسان کی فکر نے تراشے ہیں۔ انسان کی عقل نے تراشے ہیں۔ جو خدا کی پرستش سے ہٹا دے چاہے وہ ہاتھ سے تراشے ہوئے ہوں اور چاہے عقل سے تراشے ہوئے ہوں بہرحال ہے وہ بت پر عمل فرمایا۔

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

جب مذہب کو مار کر کفن پہنا دیا جاتا ہے تو تب وطن اور وطنیت پرستی کا بت اپنی گردن میں اٹھاتا ہے۔

میں نے یہ بات اس لئے کی کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی کنبہ تھا۔ ان کے بھی ماں اور باپ تھے۔ وہ بھی سرزمین عراق سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے خاندان والے اور ان کی قوم بھی ایک زبان بولتی تھی۔ انہوں نے یہ کہا کہ دنیا میں تمام رشتے کمزور ہیں۔ کیسی ماں کیسا باپ ہم تو باپ کو باپ اس لئے مانتے ہیں کہ ان کو اللہ ماں کو ماں اس لئے مانتے ہیں کہ ہم کو نبی کریم اور پیغمبر نے کہا ہے کہ یہ ماں ہے۔ لیکن اگر کوئی ماں یا کوئی باپ خدا ہی کا منکر ہو رسول ہی کا منکر ہو کہاں کا باپ کہاں کی ماں ہمارا کوئی تعلق نہیں فرمایا کہ۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد
فدائے یک تن بیگانہ کہ آشنا باشد

ہمیں یہ نہیں دیکھنا ہے کہ یہ ہمارا ہے ہماری ماں ہے یا ہمارا باپ ہے ہماری

قوم کا ہے یہ ہماری زبان بولتا ہے یہ ہمارا رنگ رکھتا ہے۔

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ سوڈان کے رہنے والے رنگ سیاہ زبان الگ خاندان الگ کہاں خاندان ہاشمی کہاں قریشی خاندان کہاں عربی زبان کہاں بلال حبشی کی زبان کہاں سفید رنگ کے رعب کہاں بلال حبشی کا کالا رنگ لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے چچا ابولہب کی نہ مانی۔ باوجود اس کے کہ زبان ایک ہے رنگ ایک ہے خاندان ایک ہے۔ لیکن اگر سینہ سے لگایا تو بلال حبشی سوڈان کے رہنے والے کو سینے سے لگایا۔

وطن اور زبان کے رنگ میں بت

میرے دوستو! میں نے یہ بات اس لئے عرض کی۔ ہم اور آپ جانور کی قربانی دیتے ہیں لیکن جب ہم اور آپ چھری پھیرتے ہیں تو صرف بکرے کے اوپر چھری نہیں پھیرتے ان تمام بتوں پر بھی چھری پھیرتے ہیں اور ہم یہ کہتے ہیں وطنیت لسانیت رنگ نسل یہ تمام کی تمام چیزیں انسان کو پست بنا دیتی ہیں اور انسانوں میں انتشار پیدا کر دیتی ہیں۔ ہم ان سب کو بت سمجھتے ہیں اور ان بتوں کی پرستش سے آج توبہ کرتے ہیں تو میرے دوستو اور بزرگو! حضرت ابراہیم علیہ السلام والسلام جو امام الموحدین ہیں۔ انہوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ ہم ملت ابراہیمی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہماری نظر صرف اس پر ہے۔ اللہ کون ہے۔ اللہ رسول کون ہے میرا سگا بھائی خدا اور خدا کے رسول کا نہیں۔ کسی نے کہہ دیا کہ بھائی ہے لعنت ہے ایسے بھائی پر میں نہیں کہہ رہا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی طرف سے لڑ رہے ہیں۔ ان کا ایک بیٹا جو ابھی مسلمان نہیں ہوا ہے مشرکین مکہ کی طرف سے لڑنے کے لئے آیا ہے۔ ادھر باپ ادھر بیٹا۔ بیٹے نے یہ کہا کہ جب ہم لڑ رہے تھے تو میرے قریب باپ کا سر آیا دیکھا تو میں نے اس کو باپ سمجھ کر خنجر ہٹا لیا میں نے قتل نہیں کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے سن لیا تو سن کر فرمایا ممکن ہے کہ اس نے باپ سمجھ کر خنجر ہٹا لیا ہو۔ لیکن میرے سامنے بیٹے کا سر آجاتا۔ خدا کی قسم میں کافر سمجھ کر قتل کر دیتا' بیٹا سمجھ کر بھی نہ بچاتا' یہ ہے توحید'

تو میرے دوستو! توحید صرف یہ نہیں ہے کہ اللہ کا نام لے کر کہہ دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو ہم اور آپ کلمہ پڑھتے ہی رہتے ہیں۔ علامہ اقبال نے کہہ دیا

زباں سے کہہ دیا لاالہ تو کیا حاصل
نگاہ و دل جو مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

تجدید عہد کی ضرورت

ضرورت اس بات کی ہے کہ آج ہم اس عہد کی تجدید کریں۔ اور ہمارا رشتہ دنیا کے تمام مسلمانوں کے ساتھ اگر کوئی رشتہ ہے تو رشتہ ایمان کا ہے۔ وہ رشتہ اسلام کا رشتہ ہے اس کی خاطر ہم ماں باپ کو بھی چھوڑ سکتے ہیں۔ اس کی خاطر ہم قوم کو بھی چھوڑ سکتے ہیں۔ ہم خاندان کو بھی چھوڑ سکتے ہیں۔ جس کی خاطر تمام بتوں کو ہم توڑ سکتے ہیں۔ تو میرے دوستو! آج سنت ابراہیمی کی یاد کے دن اس عہد کی بھی تجدید کریں۔ عیسائی بھی کہتے ہیں کہ جب ہمارا سال شروع ہوتا ہے ہم عہد کی تجدید کرتے ہیں۔ آپ کے ہاں سال شروع ہونے پر تجدید کا عہد ہوتا ہوگا۔ ہم سال کے تمام ہونے پر تجدید عہد کرتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اور آپ کو ملت ابراہیمی سامنے رکھنا چاہئے اور رنگ و نسل اور جتنے بھی یہ امتیازات ہیں جو ہماری ملت میں انتشار پیدا کرتے ہیں۔ ان سب انتشاروں کو ختم کرنا چاہئے۔

حضرت ابراہیم کی قربانی کا درس

یہ ہے حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا درس ہے ان کی قربانی کا سبق جو لوگ ہم میں قربانی کا جانور ذبح کریں گے ان کو چاہئے کہ اس روح کو اپنے سامنے رکھیں اور اس روح کو سامنے رکھ کر وہ اللہ کی راہ میں قربانی پیش کریں۔ اور جیسے کہ میں نے عرض کیا کہ یہ مہینہ ختم ہوگا تو تقریباً آپ سمجھئے کہ تیرہ سو تانوے ختم چودہ سو شروع ہے۔ پوری صدی تقریباً آپ سمجھئے کہ یہ آرہی ہے اس لئے میرا آپ سے عرض کرنا ہے آپ اسلام کی ہدایات کو حضور اکرم ﷺ کے ارشادات کو

سامنے رکھیں۔ ہمارے یہاں عید کا تصور کوئی لہو و لعب کا تصور نہیں ہے۔ یکی تصور ہے اسلام کا عقیدہ اسلام کا فلسفہ آپ کو سمجھایا جاتا ہے۔ عید قربانی بھی اس طریقہ سے بیٹھ کر میں نے کہا کہ سنت ابیکم ابراہیم یہ چند کلمات ہیں خطبہ کے بعد ہم اور آپ تمام عالم اسلام کے لئے بھی دعا کریں گے۔ آپ ان تمام مسلمانوں کے لئے جو مشکلات اور پریشانیوں کے اندر ہیں آپ حضرات اس دعا میں بھی شرکت فرمائیں۔

(دارالعلوم حقانیہ)

اصل قربانی کیا ہے

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ۔ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْم (الانعام)

اسلامی جنتری کے لحاظ سے ذی الحج سال کا آخری مہینہ ہے۔

اس مہینے کے ختم پر ہی سن ہجری ختم ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی اسلام میں اس مہینے کی بڑی خصوصیت و اہمیت ہے۔ اسی مہینے میں ایک وہ دن ہے کہ دنیا کے گوشے گوشے سے سمٹ کر مسلمان آتے ہیں۔ اور مسلمان میدان عرفات میں جمع ہوتے ہیں اور حج کے لئے یہ لوگ جمع ہوتے اور آتے ہیں۔ وہ وقت اور مہینے سے بھی متعلق ہے اور جگہ سے بھی متعلق ہے۔ یہ نہیں ہے کہ آپ ذی الحج کے علاوہ کسی اور مہینے کسی اور تاریخ میں حج کر لیں۔ یا بیت اللہ کے علاوہ میدان عرفات کے علاوہ کسی اور جگہ پر حج کر لیں۔ اس کا زمانہ بھی مقرر الحج اشہر معلومات اور اس کی جگہ بھی متعین ہے۔ میدان عرفات کے اندر کل ہمارے حساب سے تو تھی اور وہاں کے چاند کی تاریخ کے لحاظ سے نو کو حج ہوا ہے۔ اسی مبارک مہینے کی ایک تاریخ میں سنت ابراہیمی بھی زندہ کی جاتی ہے۔ اور اس کی یاد منائی جاتی ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ جو قربانی کے جانور ذبح کرتے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے۔ ما ھذہ الاضاحی یا رسول اللہ آپ نے فرمایا سنۃ ابیکم ابراہیم، تمہارے روحانی باپ اور روحانی باپ ہی نہیں بلکہ روحانی دادا، دادا کو بھی تو باپ کہتے ہیں۔ دادا ہیں اس لئے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے جد امجد ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام، وہ ان کے ابو الآباء ہیں۔ اور ان کی بیوی حضرت ہاجرہ سرکار دو عالم ﷺ کی ماں لگتی ہیں۔ ویسے ہر نبی اور پیغمبر امت کے لئے روحانی باپ ہوتا ہے۔ پھر ہماری خصوصیت یہ ہے کہ ہمارے نبی اور ہمارے پیغمبر سرکار دو عالم ﷺ ہیں۔ لیکن آپ کی ملت بھی وہی ملت ہے جو حضرت ابراہیم کی ملت ہے۔ ملت ابراہیمی ملت حضرت ابراہیم کی اور ہماری ایک

ہے۔ شریعت حضرت ابراہیم کی الگ تھی۔ اور ہماری شریعت الگ تھی۔ اور ہماری شریعت الگ ہے۔ ملت ایک ہوتی ہے شریعتیں مختلف چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ یہود و نصاریٰ مسلمانوں کو دعوت دیتے تھے۔ کہ تم ہماری طرف آجاؤ ہدایت پا جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ انھیں جواب دیں فرمایا۔

وقالو..... حنیفا ہم پہلے سے ہدایت یافتہ ہیں۔ کیونکہ ہم حضرت ابراہیم کی ملت پر ہیں۔ جو طریقہ حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے کو خانہ کعبہ کے قریب..... لے جا کر آباد کیا ہے وادیٔ غیر ذی زرع میں بے آب و گیاہ میدان میں اور وہاں سے نسل چلی ہے۔ حضرت اسمٰعیل کو وہاں پر لے جا کر آباد کیا ہے۔ اس لئے آپ ابو العرب بھی ہیں۔ ابو الانبیاء بھی۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے تو زمین مکہ میں آباد کر دیئے گئے۔ ایک شام میں آباد کر دیئے گئے ان کا نام اسحاق ہے وہ حضرت سارہ سے ہیں۔ یہ حضرت ہاجرہ سے ہیں۔ اور.... علماء نے لکھا ہے کہ چوبیس ہزار پیغمبر حضرت اسحاق کی اولاد سے مبعوث ہوئے ہیں۔ چوبیس ہزار پیغمبروں کے باپ کون ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ اس لئے انھیں ابو الانبیاء بھی کہا جاتا ہے اور جو سنت ہم اور آپ آج ادا کریں گے اس کی وجہ سے اس کا نام عید قربان ہے۔ قربانی کی عید اور ہم اور آپ اپنے یہاں کی رسموں کا اندازہ لگاتے ہیں تو اس کا نام نمکین عید بھی رکھ دیتے ہیں۔ لیکن اصل میں قربانی کی عید ہے اور ایسی قربانی کی عید ہے کہ ایک عاشق کہتا ہے۔

عید قرباں آمد قربان خوباں می شوم

استاد سے کہتا ہے کہ تو نے میرے محبوب کو میرے دوست کو پڑھانے کے لئے مکتب میں بٹھا رکھا ہے چھٹی دے دے۔ کہتا ہے

اے معلم یک زماں سرو مرا آزاد کن

ورنہ چوں زلف پری رویاں پریشاں می شوم

اور عید قربان آمد قربان خوباں می شوم

عاشق کہتا ہے کہ میں حسینوں کے اوپر قربان جاؤں۔ مومن کیا کہتا ہے

مومن کہتا ہے ہماری نظروں میں کوئی حسین نہیں ہے۔ ہمارا حسین صرف ایک رب العالمین ہے۔ جس پر ہم قربان ہوتے ہیں۔ خواجہ صاحب کے دو شعر یاد آ گئے۔ فرمایا کرتے ہیں کہ دنیا ہر اچھی چیز کو دیکھ کر دوڑتی ہے۔ یہ پھول خوشبو کے اعتبار سے اچھا ہے۔ یہ پھول بناوٹ کے اعتبار سے اچھا ہے۔ یہ اچھی چیز کو دیکھ کر آپ دوڑتے ہیں۔ عاشق مزاج ٹھہرے۔ ہر آدمی دل پھینک ہے۔ فرمایا

کوئی جی بھرنے کی صورت ہی نہیں میرے لئے
کیسے دنیا بھر کے ہو جائیں حسیں میرے لئے

ہر حسین کو دیکھ کے تو جی چاہتا ہے کہ اچک لو ایک دم اسے اسلام کہتا ہے۔ اس کا طریقہ اور ہے۔

اب تو ذوق حسن اپنا یوں کیسے ہو کر بلند
حسن اوروں کے لئے حسن آفریں میرے لئے

تم حسن کے پیچھے دوڑتے ہو ہم حسن کے پیدا کرنے والے رب العالمین کا دامن پکڑتے ہیں۔ جس نے حسینوں کے خالق کا دامن پکڑ لیا وہ تو سارے حسین اس کے قبضے میں آ گئے۔

خلیفہ ہارون الرشید نے ایک دفعہ اعلان کیا دربار میں جو جس کا جی چاہے مانگو میں پورا کروں گا۔ داد و دہش جاری ہے۔ اپنی باندی اور کنیز سے کہنے لگے کہ اری پاگل بے وقوف تو بھی کچھ مانگ لے۔ آج اس نے خلیفہ کے سر پہ ہاتھ رکھ دیا۔ اس نے کہا کہ میں کچھ نہیں مانگتی۔ یہ سب پاگل ہیں۔ میں خلیفہ کو مانگتی ہوں کیونکہ جس نے خلیفہ کو لے لیا اس نے ساری سلطنت لے لی۔ اس لئے ایک مومن کہتا ہے کہ آج ہم اس عہد کو تازہ کریں گے۔ عہد کون سا فرمایا کہ قل ان صلاتی....... آپ اعلان فرما دیں یہ سب غلط ہے ابھی آپ اعلان فرما دیں اس بات کا کہ ہماری نماز، ہمارے مناسک، ہماری قربانی، ہماری زندگی، ہماری موت یہ سب ایک رب العالمین کے لئے ہے۔

ہر چیز کا محور ہے اللہ کی رضا، رب العالمین کی مرضی، یہ آپ اعلان فرما دیں، لا شریک لہ اس میں کسی کی شرکت نہیں۔ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ...... اور اسی چیز کا مجھے حکم دیا گیا ہے اللہ کی طرف سے اور میں پہلا اطاعت گزار ہوں کہ جو اللہ کا کہنا ماننے والا ہو۔ یہ تو میں نے ترجمہ کر دیا۔ عرض یہ کرنا تھا کہ دنیا میں ہر نبی اور ہر پیغمبر اس لئے آتا ہے غیر اللہ کی پرستش کو ختم کر دیا جائے۔ اللہ کی بندگی کو قائم کر دیا جائے۔ لفظ دو ہیں حقیقت ایک ہے۔ حقیقت جب غیر اللہ کی پرستش ختم ہو جائے گی اللہ کی بندگی قائم ہو جائے گی۔ اور جب اللہ کی بندگی قائم ہو جائے گی تو غیر اللہ کی پرستش خود بخود ہی ختم ہو جائے گی۔ اسی لئے اکبر الہ آبادی نے کہا کہ لا الٰہ اور الا اللہ میں جو دو جز ہیں غور کریں ایک ہے۔ لا الٰہ اور الا اللہ اصل میں لا الٰہ ہے۔ یہ تو عربی کی بات ہے۔ اب اردو میں بھی سمجھئے۔ اکبر الہ آبادی نے کہا۔

جو پائے راز حسن ازل سے کے کرلی
حسن صوت سرمدی کو کلام حسین دیکھ کر

ارشاد ہے کہ شرک نہ کر اور نماز پڑھ۔ مطلب یہ کہ کسی کو نہ دیکھ اور ہمیں دیکھ قرآن کیا کہتا دو باتیں کیا وہ دو نہیں ایک ہی کہتا ہے۔ دو کیا ہیں۔

ارشاد ہے کہ شرک نہ کر اور نماز پڑھ۔ دو باتیں ہو گئیں۔ مطلب یہ ہے کسی کو نہ دیکھنے کا اور ہمیں شرک نہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ کسی کو نہ دیکھو اور نماز پڑھنے کے معنی یہ ہیں کہ صرف ہمیں کو دیکھو ہر نبی دنیا میں شرک مٹانے کے لئے اور اللہ کی حاکمیت کو قائم کرنے کے لئے آیا۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لقب دیا گیا امام الموحدین

فرمایا۔ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا یہ امام الموحدین ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید میں وہ وہ نزاکتیں پیدا کی ہیں۔ توحید کو اس انداز پر حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے پیش کیا ہے کہ شائبہ بھی شرک باقی نہ رہے۔ اور ان کی ساری زندگی اس بات کی تبلیغ تھی کہ اللہ کی وحدانیت ایک اتنا بڑا اہم مقصد ہے۔ اس

کے لئے اگر ماں باپ کو چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دو۔ کنبہ کو چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دو۔ وطن کو چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دو۔ قوم کو چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دو۔ اپنی زبان والوں کو چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دو۔ آگ میں ڈالے جاؤ تو قبول کر لو اور اگر تم سے یہ کہا جائے کہ تم اپنی یا اپنے بیٹے کی جان دے دو۔ وہ بھی دے دو ان سب امتحانوں میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی ہے۔ امام الموحدین کا لقب ان کو دیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قربانیوں کی یاد منائی جاتی ہے بذریعہ قربانی۔ میں نے قرآن کریم کی جو آیت آپ کے سامنے پڑھی ہے یہ قرآن کریم کی ایک مشہور سورت ہے۔ سورۃ انعام' انعام کے معنی آتے ہیں مویشی اور علماء نے لکھا ہے کہ شرک کی صرف یہی ایک صورت نہیں ہے کہ بت بنا کے رکھ لئے جائیں اور اور ان کی پرستش کی جائے۔ مویشیوں کے ذریعے سے جانوروں کے ذریعہ سے بھی شرک کی بہت ساری صورتیں ان میں رائج تھیں جیسے جانوروں کو بھینٹ چڑھانا اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے شرک کا قلع قمع کیا ہے۔ علماء کی رائے یہ ہے کہ اس سورۃ کے اندر اللہ تعالیٰ نے اصول توحید اور توحید کی بنیاد رکھ دی ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے مفسرین نے کہ سورۃ انعام جب نازل ہوئی ہے تو ستر ہزار فرشتے اس سورۃ کو لے کر آئے ہیں۔ اتنی اہم سورت ہے آج وہی آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے۔ اور خیر یاد دلانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ پرانے لوگوں سے صورتیں بہت کم نظر آ رہی ہیں۔ آپ کو شاید یہ یاد نہیں یاد نہ ہو تو یاد کر لیں۔ جب برصغیر میں پاکستان کی تحریک چلی اور مسلمانوں نے یہ عہد کیا اس بات کا کہ ہم پاکستان کے لئے قربانی دیں گے۔ تو وہ جو فارم پر کیا جاتا تھا تحریک پاکستان کے سلسلے میں اس فارم پر سب سے پہلے یہی آیت لکھی ہوتی تھی۔ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک عہد عہد ابراہیمی ہے۔ میں اس عہد کو بھی یاد دلا رہا ہوں۔ کہ آج ہم جس آزاد سرزمین پر بیٹھے ہیں۔ اس کے حاصل کرنے کے لئے جب جدوجہد کا آغاز تھا تو یہی فارم بھرا تھا۔ اسی آیت کو پڑھا تھا۔ یہی اللہ سے عہد کیا تھا

آیا اس عہد پر قائم ہیں۔ یہ جائزہ لینے کی ضرورت ہے اور یہ یاد رکھئے اللہ نہیں بدلا کبھی ہمارے ساتھ ہم اللہ کے ساتھ بدل جاتے ہیں۔ جب ہم بدل جاتے ہیں تو اللہ میاں بدل جاتے ہیں۔ اللہ میاں نہیں بدلتے۔ ایک کہانی میں نے پڑھی تھی کہ تیرھویں صدی کا آخری دن تھا، چودھویں صدی شروع ہو رہی تھی۔ یہ مشہور ہے کہ چودھویں صدی اچھی نہیں۔ اس کے اثرات اچھے نہیں۔ ایک بنیا اشرفیاں سونے کی لئے اپنی کمر سے باندھے چلا جا رہا تھا۔ ایک مسلمان بھی ان کے ساتھ تھا قریب آدمی' اس نے تیرہویں صدی مسلمان سے یہ کہا کہ بھئی میں تو یہ اشرفیاں باندھے باندھے بوجھ سے تھک گیا ہوں تھوڑی دیر تم باندھ لو دیکھئے کتنا اچھا زمانہ تھا تو اس نے کہا کہ بھئی پیسے کا یہ بوجھ میں اٹھانے کو تیار نہیں ہوں۔ جوتیاں اٹھاؤں گا دیکھئے کتنا اچھا زمانہ ہے اس کے دل میں بھی شبہ نہیں۔ اس کے دل میں بھی شبہ نہیں ایک دوسرے سے معذرت کر لی۔ رات کو ایک سرائے میں ٹھہرے۔ چودھویں صدی شروع ہو گئی۔ صبح کو اٹھے اس مسلمان کے دل میں یہ خیال آیا ارے میاں بڑی غلطی ہو گئی وہ تھیلی باندھ لیتے تو کیا اچھا تھا۔ کیا خبر ہے بچھڑ جاتے تو میرے ہی پاس رہ جاتی۔ ادھر اس بنئے کے دل میں بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ تو تو نے بڑی حماقت کی تھی۔ جو اس سے کہہ دیا تھا کہ بھائی لے لے وہ تو خیریت ہوئی اس نے خود ہی انکار کر دیا۔ اب کیا کرے اس مسلمان نے کہا کہ وہ لالہ جی آپ نے جو کہا تھا کہ یہ بوجھ ہے اگر آپ چاہیں تو مجھے دیں میں اس کو باندھ لوں گا۔ اس نے کہا کہ ہاں میں نے کل کہا تھا لیکن پھر مجھے خیال ہوا کہ اپنا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالنا چاہیے۔ دونوں ہنسے اور کہنے لگے کچھ ہم سمجھے کچھ تم سمجھے۔ پہلے ہم اپنا عہد بدلتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ اپنا سلوک بدل دیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنا طریقہ بدل دیتے ہیں۔

میرے دوستو! حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان قربانیوں کی یاد ہم اور آپ منا رہے ہیں جانور کے ذبیحہ کی شکل میں' لیکن اس قربانی کی کیا روح ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طویل قربانیوں کی یاد ہے اور وہ ساری قربانیاں توحید پر تھی ہیں یہ میں بتاؤں کی شرک وہ تو سب کی نظروں میں آ جاتا ہے۔ کہ آپ نے لکڑی کا

بت بنا کے رکھا پتھر کا بت بنا کے رکھا اور اس کے سامنے ڈنڈوت کرنے لگے۔ یہ شرک تو سب کی سمجھ میں آتا ہے اور پڑھا لکھا آدمی اس سے نفرت کرتا ہے۔ لیکن شیطان جو ہے وہ بڑا ہی سمجھدار ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ اگر آپ کو ان گولیوں کے کھانے میں کوئی اعتراض ہے تو اس دوا کو کیپسول میں بند کرکے دیکھ لیں تاکہ کڑواہٹ اس کی محسوس نہ ہو۔ یاد رکھئے ہاتھوں سے تراشا ہوا بت آج اگرچہ دنیا میں کم پوجا جا رہا ہے۔ اور پوجنے والے شرمندہ ہیں۔ لیکن انسان نے ہاتھوں کی بجائے عقل سے بت تراشے ہیں۔ اپنی فکر سے بت تراشے ہیں۔ عقل کے تراشے ہوئے بتوں کی اور فکر کے تراشے ہوئے بتوں کی پرستش اور پوجا پاٹ میں پڑھا لکھا طبقہ سب سے زیادہ آگے ہے میں نہیں کہتا علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روش لطف و ستم اور
سب انداز بدل گئے اور کیا
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور

مہذب دنیا نے کہا ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کی پرستش آج نہیں ہو گی۔ عقل سے تراشو رد کیا ہے۔ وہ بت زبان ہے وہ بت وطن ہے ' وہ بت قومیت ہے ' وہ بت رنگ و نسل ہے ' یہ سارے کے سارے بت جو ہیں یہ انسان کی فکر نے تراشے ہیں۔ انسان کی عقل نے تراشے ہیں۔ سوال یہ کہ جو خدا کی پرستش سے ہٹا دے چاہے وہ ہاتھ سے تراشے ہوئے ہوں چاہے عقل سے تراشے ہوئے ہو بہرحال وہ بت ہے بت پرستی فرمایا کہ

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

جب مذہب کو مار کے کفن پہنا دیا جاتا ہے تب وطنیت اور وطن پرستی کا بت اپنی گردن میں اٹھاتا ہے۔ میں نے یہ بات اس لئے کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کنبہ بھی تھا۔ ان کے بھی ماں اور باپ تھے۔ وہ بھی سرزمین عراق سے تعلق

رکھتے تھے۔ ان کے خاندان والے اور ان کی قوم بھی ایک زبان بولتی تھی۔ لیکن انہوں نے یہ کہا کہ دنیا کے تمام رشتے کمزور ہیں۔ کیسی ماں کیسا باپ کیسا وطن کیسی قوم کیا کعبہ اور کیا خاندان اور اور اہل زبان ہر چیز کو رضائے الٰہی کی خاطر قربان کیا جا سکتا ہے۔

نہ دیکھا جائے گا خون تمنا اپنی آنکھوں سے
مگر تیرے لئے جان تمنا وہ بھی

تو میرے دوستو! توحید صرف یہ نہیں ہے کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ یہ بات آپ صرف زبان سے کہہ دیں۔ یہ تو ہم اور آپ کلمہ پڑھتے ہی رہتے ہیں۔

علامہ اقبال نے کہہ دیا...... زبان سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل......

ضرورت اس بات کی ہے آج ہم عہد کی تجدید کریں کہ آج اگر ہمارا کوئی رشتہ دنیا کے مسلمانوں کے ساتھ ہے تو وہ رشتہ دین کا رشتہ ہے۔ وہ رشتہ اسلام کا رشتہ ہے۔ اس کی خاطر ہم باپ کو بھی چھوڑ سکتے ہیں، اس کی خاطر ہم قوم کو بھی چھوڑ سکتے ہیں جس کا نام خاندان قوم ہے۔ جس کی خاطر ان تمام بتوں کو بھی توڑ سکتے ہیں ۔ جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے اس کا ثبوت دیا تھا۔ میرے دوستو! آج سنت ابراہیمی کے یادگار کے دن ہم اور آپ اس عہد کی بھی تجدید کریں۔ عیسائی کہتے ہیں کہ جب ہمارا سال شروع ہوتا ہے تو عہد کی تجدید کرتے ہیں۔ آپ کا سال شروع ہونے پر تجدید عہد ہوتا ہوگا لیکن یہاں جب سال تمام ہونے کو ہوتا ہے ہم بھی تجدید عہد کرتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اور آپ کو عہد ابراہیمی کو سامنے رکھنا چاہئے۔ اور یہ رنگ و نسل اور جتنے بھی امتیازات ہیں جو ہماری ملت میں انتشار پیدا کرتے ہیں۔ ان سب امتیازات کو ختم کر دینا چاہئے۔ یہ ہے حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا درس یہ ہے ان کی قربانی کا سبق۔ جتنے لوگ قربانی کے جانور ذبح کریں گے انہیں چاہئے کہ وہ اس روح کو اپنے سامنے رکھیں اور اس روح کو سامنے رکھ کر وہ قربانی اللہ کے حضور پیش کریں۔

لہٰذا آپ اسلام کی ہدایات اور حضور اقدس ﷺ کے طریقوں کو سامنے رکھیں۔ یاد رکھیے کہ ہمارے یہاں عید کا تصور لہو و لعب کا تصور نہیں ہے۔ بلکہ یہ ذریعہ تشکر و امتنان اور تکمیلِ اعمال پر مسرت و خوشی کا اظہار ہے۔ یہی اسلام کا فلسفہ ہے۔ جو آپ کو سمجھایا جاتا ہے۔ جیسے میں نے عرض کیا۔ سنۃ ابیکم یہ قربانی بھی سنت ابراہیمی ہے جس کا فلسفہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔

(ڈاکٹر نذیر عثمانی)

مومنین پر اللہ کا احسان عظیم

بمقام صوبہ سرحد

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد ان سیدنا و نبینا و مولانا محمدا عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد و الہ و اصحابہ اجمعین اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیْھِمْ وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○ صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک من الشٰھدین و الشٰکرین والحمد للہ رب العالمین

سب سے پہلے میں آپ حضرات کی خدمت میں اس بات کی معذرت پیش کرتا ہوں کہ کل جمعہ کے اجتماع میں آپ حضرات میں سے بہت سوں نے میرا انتظار کیا۔ اور از راہ محبت تشریف لائے۔ خود میں بھی حاضری کے لئے بے قرار اور بے چین تھا۔ لیکن ہوائی جہاز کی اس کمپنی کی طرف سے کچھ ایسی غلط فہمی ہوئی کہ مجھے روانگی کے وقت تک ٹکٹ نہ پہنچ سکا اور مجھے اس بات کا افسوس ہوا کہ آپ سب

حضرات نے انتظار کی زحمت گوارا کی لیکن ہم اور آپ مسلمان ہیں۔ مسلمان اگر کسی چیز کا ارادہ کر لے ' نیت کر لے ' چاہے وہ چیز پوری ہو یا نہ ہو لیکن اللہ کی طرف اس پر پورا اجر اور ثواب ملتا ہے۔ آپ میں سے جن حضرات نے زحمت گوارا کی ہے آپ کو اللہ کی طرف سے پورا پورا اجر اور ثواب ملا ہے۔ میں نے اس لئے معذرت پیش کر دی کہ میں خود بھی چاہتا تھا کہ حاضر ہو جاؤں۔ لیکن یہ مجبوری پیش آ گئی اس کی وجہ سے آپ کو زحمت اٹھانا پڑی۔ دوسری بات کہ گذشتہ رات مختصر وقفے میں ' میں نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کی تھی جو سورۃ آل عمران کے اندر ہے۔ جس میں حضور ﷺ کی تشریف آوری اور بعثت کا ذکر ہے۔ اور پھر بعثت کا ذکر ہی نہیں کیا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر اپنے احسان کا ذکر کر رہے ہیں۔ کہ اے مسلمانو ! اے اہل ایمان ! تم پر یہ ہم نے بہت بڑا احسان کیا ہے۔ کہ حضور اکرم ﷺ کو نبی اور رسول بنا کر بھیجا۔ احسان کا یاد دلانا بھی احسان ہے۔ اگر ہم اور آپ آپس میں اپنے احسانات کو دہرائیں اور یاد دلائیں۔ علماء نے اس کو پسند نہیں کیا۔ احسان جتلانے کو بد اخلاقی میں شمار کیا۔ قرآن کریم نے اسلام میں بھی ہم کو تعلیم دی ہے کہ احسان کرو تو احسان کے طریقے پر کرو۔ احسان جتلاؤ نہیں۔ اور احسان کا معاوضہ بھی نہ لو۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ جب خیرات ' صدقہ یا اور کسی طریقے سے کوئی امداد کسی غریب کی فرماتی تھیں اور کسی قاصد کے ہاتھ بھیجتی تھیں۔ تو یہ تاکید فرماتی تھیں کہ اس کو قبول کرنے کے بعد اگر کوئی مسکین اور یتیم اور غریب اگر دعا دے تو وہ دعا یاد کر کے لانا کہ کیا دعا دی۔ جب وہ قاصد واپس آتا تو آپ پوچھتی تھیں کہ جب اس نے ہمارا صدقہ قبول کیا تھا تو کیا دعا دی۔ کیا الفاظ کہے۔ قاصد وہ الفاظ دہرا دیتا تھا۔ تو حضرت عائشہ بعینہ انہی الفاظ کو قبول کرنے والے کے حق میں لوٹا دیتیں۔ کسی نے سوال کیا یہ آپ کیا کرتی ہیں۔ ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ آپ نے فرمایا مجھے حضور اکرم ﷺ نے بتایا ہے کہ جس احسان کا بدلہ دنیا ہی میں مل گیا اس احسان کی جزا آخرت میں نہیں ملے گی۔ جب کوئی آدمی میری طرف سے صدقہ لے کر جاتا ہے

اور قبول کرنے کی دعا دیتا ہے تو مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ جو قبول کرنے والے نے
دعا دی ہے یہ کہیں دنیا کا بدلہ نہ ہو جائے۔ اور اسی وجہ سے کہیں میں آخرت میں
جزاء سے محروم نہ ہو جاؤں۔ اس لئے وہ الفاظ یاد کرکے اس کے حق میں دہرا دیتی
ہوں تاکہ آخرت میں مجھے بدلہ مل جائے۔

میں نے عرض کیا یہ ہمارے اور آپ کے مابین ہے۔ مخلوق اور مخلوق
کے درمیان ہے۔ خالق اور مخلوق کے درمیان نہیں۔ اللہ تعالیٰ جب اپنے بندوں پر
احسان کا ذکر فرماتے ہیں تو یہ بھی احسان ہے۔ کیونکہ اس احسان کا مطلب یہ ہوتا
ہے کہ ہمیں متنبہ کیا جائے کہ ہم اس احسان پر اللہ کا شکر ادا کریں۔ جب مسلمان
ہجرت کرکے مکہ سے مدینے تشریف لے آئے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ہجرت فرمائی
اور ہجرت فرما کر مدینے تشریف لے آئے۔ اور مدینے میں آکر حضور اکرم ﷺ نے
مواخات قائم کی۔ مواخات کے معنی یہ تھے کہ آپؐ نے نام لے لے کر فرمایا کہ زید
عمرو کا بھائی، عمرو بکر کا بھائی ہے۔ بکر خالد کا بھائی ہے" آپؐ نے سب کو بھائی بھائی بنا
دیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی نے اپنا مکان پیش کر دیا، کسی نے اپنی دکان پیش کر
دی۔ حتی کہ کسی کے یہاں دو بیویاں تھیں۔ اس نے ایک کو طلاق دے کر یہ کہا کہ
آپ اس عورت سے نکاح کر لیجئے۔ کہ آپ بغیر بیوی کے نہ رہیں۔ مسئلہ حل ہو
گیا۔ تھوڑے دنوں میں مسلمان اطمینان کی زندگی گزارنے لگے۔ قرآن کریم میں
اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنا احسان یاد دلاتے ہیں۔ فرمایا: وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ
مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ
بِنَصْرِهٖ۔ اے ہجرت کرنے والے تخافون مسلمانو! مدینے میں اطمینان کا سانس لینے
والے مسلمانو! تمہیں وہ وقت یاد رکھنا چاہئے جب تم مکہ کے اندر تھے تمہاری
تعداد تھوڑی تھی، تم کمزور تھے، اور ہر وقت تمہیں یہ خطرہ لگا رہتا تھا کہ کسی وقت
بھی دشمن ہم پر حملہ کر دے اور ہمیں اچک کے لے جائے گا اللہ نے تمہیں مستحکم
اور مضبوط بنا دیا وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ طیبات کے دو ترجمے ہیں۔ اور ہر
ایک کا مذاق الگ ہے۔ اپنے اپنے مذاق کے مطابق طیبات کا معنی سمجھئے۔

طیبات کا ایک معنی ہے عمدہ اعلیٰ درجہ کی چیزیں، پاکیزہ قسم کی چیزیں، جو چیزیں تمہیں دورِ غلامی میں میسر نہیں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آزادی کے دور میں تم کو وہ اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں عطا فرمائیں۔ یہ بھی اللہ کا انعام ہے۔ لیکن بعضوں کا مذاق یہ ہے کہ دراصل اعلیٰ قسم کی نعمتیں مل جانا اتنی بڑی نعمت نہیں ہے۔ طیبات کا ترجمہ یہ کیا جائے کہ اب اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزقِ حلال عطا فرمایا۔ کافر کے تحت جب تم تھے، ہو سکتا تھا کہ سود سے تمہارا گزارا، مشکل چھٹکارا ہو سکتا تھا کہ تمہاری کمائی حلال نہ ہو۔ لیکن آج اللہ نے تمہیں رزقِ طیب اور رزقِ حلال عطا فرمایا۔ اور کیوں یاد دلا رہے ہیں؟ یہ سب چیزیں ہم آج اس لئے یاد دلا رہے ہیں فرمایا کہ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ اگر مکہ کی تکلیفیں آپ کو یاد نہ رہیں تو مدینہ میں آکر جو راحت و آرام ملا ہے آپ اس پر اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کر سکیں گے اس لئے وہ تکلیفیں یاد رکھئے ورنہ مدینہ میں آکر نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکو گے معلوم ہوا کہ احسان جتلایا جا رہا ہے۔ اس لئے کہ آپ میں جذبہ شکر پیدا ہو۔ فرمایا کہ اللہ کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے حضور اکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ نبی اور رسول بنا کر بھیجا۔ اس سے پہلے یہ بھی تو اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان پیدا کئے ساری کائنات پیدا کی۔ ہمیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پیدا کیا یہ بھی تو احسان ہے اور کہیں کہیں اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ میں یہ سوچ رہا ہوں ہمارا پیدا ہونا، زمین و آسمان کا پیدا ہونا یہ سب طفیل ہے اور صدقہ ہے سرکارِ دو عالم ﷺ کا۔ کسی نے کیا ہے کہ ہ فرمایا

ہوتا نہ تیرا نور گر کچھ بھی نہ ہوتا جلوہ گر
تیرے سبب یہ سب بنا صلِّ علیٰ محمد

سرکارِ دو عالم ﷺ کی بدولت ہمیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے وجود بھی دیا ہے۔ زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے۔ پھر ہماری پیدائش کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بطورِ احسان کے فرمایا ہے۔ فرمایا يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ

الکریم الذی خلقک فسوّٰک فعدلک فی ایّ صورۃ ما شاء رکّبک
صرف پیدا ہی نہیں کیا۔ اگر ہمیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ ایک درخت کی شکل میں
پیدا کر دیتے لیکن ایسا نہیں بنایا۔

فرمایا کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کا جسم اور اس کا قالب اتنا
حسین بنایا۔ گویا اس سے بہتر دنیا میں کوئی حسین مخلوق پیدا نہیں کی۔ فرمایا کہ لقد
خلقنا الانسان فی احسن تقویم انسان کو بہترین حسین قالب دے کر پیدا
کیا۔ امام شافعیؒ کے زمانے میں ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ اگر تو چاند
سے زیادہ حسین نہیں تو تجھ پر تین طلاق ' یہ بے چاری روتی ہوئی آئی۔ امام
صاحب کی خدمت میں اور کہا کہ مجھ پر تو طلاق ہو گئی۔ کیونکہ میں چاند سے زیادہ تو
حسین کیا ہوتی۔ میں تو چراغ سے بھی زیادہ حسین نہیں۔ حضرت امام شافعی رحمہ نے
فرمایا جا تم اپنے شوہر کے پاس جا کر کہو کہ تو چاند سے زیادہ حسین ہے کیونکہ قرآن
کریم میں اللہ تعالیٰ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ کائنات میں جتنی مخلوق اللہ تعالیٰ نے پیدا
کی ہے۔ سب سے زیادہ حسین انسان کو پیدا کیا ہے۔ خدا کی قسم ' تو چاند سے زیادہ
حسین ہے۔ تجھ پر طلاق نہیں۔ سوچئے چاند میں روشنی تو ہے لیکن چاند کے سر پر وہ
اعلیٰ قسم کی زلفیں بھی موجود ہیں کہیں اس کے چہرے کے اوپر یہ بادام کی طرح
نرگسی آنکھیں موجود ہیں۔ کہیں اس کے منہ ہے کہیں اس کی بھنویں ہیں۔
کہیں اس کے دانت ہیں۔ کہیں قد و قامت ہے۔ نہیں ' حسن کی ایک چیز چاند کے
اندر موجود ہے اور وہ ہے چمک اور روشنی لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے چاند سے
زیادہ حسین بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارا کتنا بڑا احسان ہے کہ تمہیں پیدا
کیا اور تمہیں جسم اور قالب اعلیٰ درجہ کا دیا اور جسم اور قالب میں جو مشین ہم
نے رکھی ہے وہ مشین بھی اتنی اعلیٰ درجے کی ہے کہ جب اس کے جوہر اندر سے
نکلتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے کیسے کمالات انسان کو عطا فرمائے ہیں۔
اس سے زیادہ فرمایا کہ الذی خلقک فسوّٰک فعدلک فی ایّ صورۃ ما
شاء رکّبک اور اس پر کبھی غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ

کروڑوں انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ لیکن آج تک ایک انسان کو دوسرے انسان کی
شکل میں پیدا نہیں کیا۔ سب صورتیں الگ الگ ہیں۔ دو بھائی ہیں سب ہم شکل
ہیں۔ باپ کی شکل، لڑکیاں ماں کی شکل ہیں، مگر ان سب کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایک
باریک فرق رکھ دیا ہے جس کی وجہ سے آپ پہچان سکتے ہیں۔ یہ ماں ہے، یہ
میری بہن ہے، یہ میری بیوی ہے، یہ میرا باپ ہے، یہ میرا بھائی ہے اور یہ میرا
فلاں عزیز ہے۔ اگر ساری دنیا کے انسان اللہ تعالیٰ ایک ہی شکل کے پیدا کر دیتے تو
نظام درہم برہم ہو جاتا۔ کیونکہ نہ کوئی باپ کو پہچانتا، نہ بیٹے کو پہچانتا نہ بیوی کو
پہچانتا، نہ ماں کو پہچانتا، یہ کتنا اللہ کا احسان ہے۔ آج نظام گڑبڑ ہوتا جا رہا ہے۔
کیونکہ مرد اپنی مردانگی کی نشانیاں مٹاتے جا رہے ہیں۔ عورتیں عورت ہونے کی
علامتیں ختم کرتی چلی جا رہی ہیں، عورتیں مردانہ لباس پہن رہی ہیں اور مرد بھی لمبی
لمبی قمیص، لمبے لمبے بال رکھ رہے ہیں اور بعض اوقات تو ان کو دیکھ کے شبہ ہو جاتا
ہے۔ میں نے ایک صاحبزادے سے کہا۔ میں نے کہا بھائی تم ایسا حلیہ نہ بناؤ کہ
تمہیں دیکھ کے کوئی پسند کر کے اپنے لڑکے کا رشتہ نہ کہیں مانگ لے۔ ایک واقعہ
یورپ کا لکھا ہے، ایک خوبصورت نوجوان، جس کے لمبے لمبے بال تھے، کم عمر تھا،
اتفاق سے ایسے وقت ہوٹل میں چلا گیا، جو وقت ہوٹل کی آمدورفت کا نہیں تھا۔
چھٹی تھی۔ منیجر نے جب اسے دیکھا تو سمجھا کوئی نوجوان خاتون، کوئی لڑکی ہے۔ منیجر
اسے لے گیا اور لے جا کر ایسے کمرے میں جو بالکل تنہائی اور خلوت کا تھا۔ وہاں
لے جا کر اسے بٹھایا اور کچھ حرکتیں ایسی ظاہر کیں۔ تو اس لڑکے کو یہ خیال ہو گیا کہ
اس کی نیت خراب ہے اور یہ شاید بڑی غلط فہمی میں ہے۔ اس لڑکے نے کہا کہ میں
مرد ہوں عورت نہیں ہوں۔ اس نے کہا ہوں گے آپ مرد، لیکن بہرحال شکل سے
تو عورت ہی معلوم ہوتی ہو۔ پہلے تو لوگوں کو یہ خیال ہوتا تھا کہ مرد ہونے کی جتنی
نشانیاں ہیں مٹاتے جا رہے ہیں۔ لیکن اب عورتوں کی نشانیاں تو ختم کرتے چلے جا
رہے ہیں۔ میرٹھ کالج میں ایک لڑکا بڑا ذہین اور ہوشیار، داڑھی تو بے چارہ اس
لئے صاف کرتا تھا کہ عصر حاضر کی تہذیب میں یہی اس نے دیکھا کہ سارے کلین شیو

ہیں۔ اس لئے داڑھی تو اس نے اس وجہ سے صاف کر دی کہ فیشن ہے۔ مگر اس نے کہا کہ کچھ تو نشانی ہونی چاہئے تو اس نے ایک مونچھ کا نشان ذرا سا ناک کے نیچے "ذرا سے مونچھ کے بال رکھے۔ اس کو کہا جاتا تھا یہ ہے کرزن فیشن "کرزن فیشن ایک وائسرائے آیا تھا۔ وہ اس طریقے کی داڑھی 'اس طریقے کی مونچھ رکھتا تھا۔ ذرا سی بالکل ناک کے نیچے تو اس کو کہا جاتا تھا کہ یہ کرزن فیشن ہے۔ کرزن فیشن میں اس نے مونچھ رکھ لی۔ حجام آیا اور حجام سے اس نے کہا میاں ذرا داڑھی داڑھی بنادو۔ وہ داڑھی واڑھی بنانے لگا تو پتہ نہیں اس کا ہاتھ لگ گیا یا کیا۔ وہ جو ایک مکھی سی تیلی تھی وہ بھی اڑ گئی اور جب وہ مکھی اڑ گئی اس نے آئینہ دیکھا۔ اس نے آئینہ دیکھا تو اس نے ایک شعر پڑھا۔

کچھ تو فیشن کا تصدق ' کچھ کرم حجام کا
رفتہ رفتہ میری صورت ان کی صورت ہو گئی

ان دونوں نے مل کر مجھے خاتون کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ تو میں نے کہا آج اللہ نے جو امتیاز قائم کیا تھا وہ امتیاز ہم اور آپ مٹاتے جا رہے ہیں۔ مرد عورتوں کی وضع اختیار کر رہے ہیں۔ عورتیں مردوں کی' ایک صاحب کی نئی نئی شادی ہوئی اور جب ان کی بیگم تشریف لائیں تو شوہر صاحب فرمانے لگے کہ میرا یہ جی چاہتا ہے کہ ہم اور تم دونوں مل کے کمپنی باغ میں سیر کے لئے چلیں۔ ان کے بیٹھک میں ایک مہمان ٹھہرے ہوئے تھے وہ یہ گفتگو سن رہے تھے۔ بیوی نے کہا کہ میں کس طریقے سے سیر کو جا سکتی ہوں کیونکہ خاندان والے مجھے اور تمہیں دونوں کو بہت طعن کریں گے۔ کیونکہ ہم ایسی آزادی کے ساتھ تو نہیں جا سکتے کہ ہم اور تم ہاتھ میں ہاتھ ڈال کے اس طریقے سے چلے جائیں۔ ہمارے خاندان والے لعنت بھیجیں گے ہمارے اوپر۔ شوہر نے کہا آپ ایسا کریں کہ آپ مردانہ بیاس پہن لیں اور ہم تم مردانہ بیاس پہن کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کے کمپنی باغ چلیں گے۔ وہاں پر لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ دونوں آپس میں دوست ہیں۔ وہ جو باہر مہمان ٹھہرا ہوا تھا اس نے یہ ساری گفتگو سنی' اور معلوم ہو گیا کہ کمپنی باغ میں یہ دونوں مردانہ لباس پہن

کے جا رہے ہیں۔ یہ مسلمان پہلے سے کسی باغ میں جا کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں دیکھا کہ دو دوست چلے آ رہے ہیں اور ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے ہیں۔ وہ جو مرد تھا اس کو تو یہ پہچانتے تھے۔ یہ اٹھے اور اٹھ کے سلام کیا مصافحہ کیا۔ اور انہوں نے پوچھا آپ کی تعریف، آپ کی تعریف، آپ کون ہیں؟ اس نے کہا یہ ہمارے بڑے پرانے دوست ہیں۔ انہوں نے کہا اچھا یہ آپ کے دوست ہیں۔ یہ کہہ کر اس کو سینے سے لگا لیا۔ اب یہ جو مردانہ لباس پہنے ہوئے خاتون ہیں یہ بے چاری بھی شرمندہ اور شوہر نامدار بھی شرمندہ اور یہ جب کی بات بتا رہا ہوں جب لوگوں میں اتنی غیرت و حمیت تھی۔ اب تو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ جیسے اکبر الہ آبادی نے فرمایا

خدا کے فضل سے بیوی میاں دونوں مہذب ہیں

بیوی بھی مہذب، شوہر بھی مہذب، مہذب کسے کہتے ہیں؟ ہم اور آپ مہذب نہیں ہیں۔ کیونکہ ہم اور آپ ایسی حرکت دیکھیں تو غصہ آتا ہے۔ مہذب وہ ہے جو سب کچھ دیکھے لیکن غصہ نہ آئے۔

خدا کے فضل سے بیوی میاں دونوں مہذب ہیں
انہیں غیرت نہیں آتی، انہیں غصہ نہیں آتا

جس عورت میں غیرت نہ ہو، جس شوہر میں غصہ نہ ہو وہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں کے دونوں اعلیٰ درجے کی سوسائٹی کے آدمی ہیں یہ خوب مہذب ہیں۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان جتایا ہے۔ فرمایا يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ۔ ایک ایک شکل، ایک ایک صورت، یہ بھی احسان ہے۔ مگر اس احسان سے بڑا احسان جو ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے نبی کو بھیجا۔ جس نے اپنی تعلیمات سے ہمیں انسان بنایا۔ تعلیم اور تربیت بڑا احسان ہے۔ وجود دے دیا جو وجود کا ذریعہ بن جاتا، یہ کم درجے کا احسان ہے۔ ماں اور باپ کو اللہ تعالیٰ نے وجود کا ذریعہ بنایا۔ بشرطیکہ آپ لوگ مانیں۔ اس لئے کہ آج کا نوجوان تو

پیدا ماننے کو بھی تیار نہیں ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا لوگ کہتے ہیں بچے مت پیدا کرو۔
ہم نے بچے پیدا کیے۔ فلانے نے بچے پیدا کیے۔ ارے بھائی! یہ کب سے آپ لوگ
پیدا کرنے لگے ہیں۔ ہم تو سمجھتے تھے کہ اللہ میاں پیدا کرتے ہیں۔ معلوم ہوا آپ
پیدا کرتے ہیں۔ یہ الفاظ جو انسان ادا کرتا ہے جائز نہیں ہے۔ پیدا کرنا خدا کے
اختیار میں ہے۔ ایک شخص تھا' ایک آنکھ سے دیکھتا تھا۔ دوسری سے اسے نظر نہیں
آتا تھا اور ایسے لوگ عام طور پر ذرا شریف قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ہمارے
یہاں یو پی میں ایسے آدمی کو کہا کرتے تھے ڈپٹی صاحب' ایک اسکول کے ڈپٹی تھے وہ
ایک آنکھ سے دیکھتے تھے۔ دوسری سے انہیں نظر نہیں آتا تھا۔ اور خدا کے قائل
نہیں تھے۔ اسکول میں آئے۔ آکے لڑکوں سے کہا آپ خدا کے وجود کے اوپر کوئی
دلیل پیش کریں۔ لڑکے بے چارے دیکھنے لگے۔ ان کی لیاقت سے زیادہ سوال تھا۔
ماسٹر صاحب اٹھے اور اٹھ کر کہا ڈپٹی صاحب آپ ان سے یہ کیا سوال کر رہے ہیں۔
اگر خدا کے وجود کی دلیل مانگنی ہے تو مجھ سے مانگئے بچوں سے کیا مانگتے ہیں۔ انہوں
نے کہا کہ اگر آپ خدا کے وجود کی دلیل دے سکتے ہیں تو دیجئے۔ ماسٹر صاحب نے کہا
کہ یہ جو ساڑھے پانچ فٹ کا قد آپ کا کھڑا ہے یہ کہاں سے آیا۔؟ یہ اللہ ہی نے تو
پیدا کیا ہے۔ انہوں نے کہا نہیں جی یہ غلط ہے۔ اس نے کہا دیکھئے یہ تو سب پرانی
باتیں ہیں۔ ایک بات میں جانتا ہوں۔ ایک آنکھ سے مجھے نظر آتا ہے دوسری سے
نظر نہیں آتا۔ اگر آپ کا خدا موجود ہے تو خدا سے کہئے میری آنکھ ٹھیک کر دے۔
میں ایمان لے آؤں گا۔ ماسٹر صاحب نے کہا بہت اچھا۔ انہوں نے آسمان کی طرف
منہ اٹھایا اور منہ اٹھا کر اس طرح ہونٹ ہلائے جیسے اللہ میاں سے باتیں ہو رہی ہیں
اور تھوڑی دیر میں انہوں نے گردن جھکائی اور انہوں نے کہا کہ میں نے اللہ سے
کہا تھا کہ اے اللہ تیرے اوپر ایمان لانے کا منتظر ہے تو اس کی آنکھ ٹھیک کر دے۔
ڈپٹی صاحب نے پوچھا۔ کیا جواب دیا۔ انہوں نے کہا اللہ نے انکار کر دیا۔ کیوں؟
اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔ ہم نے اسے پیدا کیا تھا۔ اس وقت ہم نے اسے دونوں
آنکھیں دے کے پیدا کیا تھا اور جب اس نے ہمارا انکار کیا ہم نے اس کی ایک آنکھ

خراب کر دی۔ اور ہم نے اس لئے خراب کی کہ اگر تجھ کو تیرے ماں باپ نے پیدا
کیا ہے تو جا ماں باپ سے جا کے یہ آنکھ بنوا لے۔ اگر ماں باپ سارے انسان کو
وجود دے سکتے ہیں تو کیا ایک آنکھ نہیں بنا سکتے۔ اور جب نہیں بنا سکتے تو معلوم ہوا
کہ انسان کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اللہ نے صرف پیدائش کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ وجود
کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ مگر خالق حقیقی اللہ ہے۔ تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے
ہمیں اور آپ کو پیدا کیا یہ بھی اللہ کا احسان ہے۔ ماں باپ کو وجود کا ذریعہ بنایا۔
ماں باپ ہمارے محسن ہیں لیکن اس سے بڑے محسن ہمارے وہ استاد ہیں جو تعلیم
اور تربیت کے ذریعے سے ہمیں صحیح معنی میں انسان بناتے ہیں۔ استاد کا درجہ ماں
باپ سے زیادہ ہے۔ مگر آپ نے علماء سے سنا ہو گا کہ حدیث میں آتا ہے الجنۃ
تحت اقدام امہاتکم یعنی "جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔
آپ نے یہ بھی نہیں سنا ہو گا کہ جنت تمہارے باپوں کے قدموں کے نیچے ہے۔ یہ
کبھی نہیں سنا ہو گا آپ نے " میری بچی نے ایک دفعہ کہا تھا کہ جنت ہماری ماؤں
کے قدموں کے نیچے ہے۔ اور ہمارے ابا کے پاؤں کے نیچے چپل ہیں۔ جنت نہیں
ہے۔ کیا وجہ ہے؟ یہاں اللہ تعالیٰ نے خاتون کا درجہ بڑھا دیا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ
نے عورت کو فضیلت دی ہے مرد کے اوپر' مرد کا درجہ کم رکھا ہے۔ کہیں کہیں
ایسے بھی موقعے آتے ہیں۔ کہ عورتوں کو فضیلت دی گئی ہے مردوں پر جیسے ہم اور
آپ بولتے ہیں یہ مادری زبان ہے آپ کی زبان فارسی مادری زبان فارسی ہے۔
مادری زبان پنجابی ہے۔ مادری زبان انگریزی ہے تو پوچھنے والا پوچھتا ہے کیوں
صاحب ابا جان کدھر چلے گئے۔ آخر ابا جان بھی تو وہی زبان بولتے ہیں۔

پھر یہ ماں کی زبان کیوں کہلاتی ہے۔ باپ کی زبان کیوں نہیں کہلاتی۔ فادری زبان
کیوں نہیں کہتے۔ آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ ہماری فادری زبان انگریزی ہے۔۔
مادری کہتے ہیں۔ کیا وجہ ہے؟ ایک مرتبہ اسکول کے بچوں سے کسی نے پوچھا کہ
آپ بتا دیں گے کہ زبان کو مادری کیوں کہتے ہیں۔ ؟ تو بچوں کے پاس کوئی جواب نہ
تھا۔ ایک بچہ بڑا ذہین تھا اٹھ کھڑا ہوا " اس نے کہا زبان کو مادری اس لئے کہتے ہیں

کہ ابا کے منہ میں تو زبان نہیں ای بولتے ہی نہیں دیکھی۔ اس لئے مادری ہو گئی۔
بہرحال وجہ کچھ بھی ہو۔ بعض چیزیں ایسی ہیں جن پر عورتوں کی نسبت ہے۔
عورتوں کو فوقیت اور فضیلت حاصل ہے۔ اور مرد کو نہیں۔ فرمایا" جنت تمہاری
ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ باپ کے قدموں کے نیچے نہیں۔ کیوں؟ اس
گوشت کے لوتھڑے کو انسان بنانے والی تمہاری ماں ہے۔ جس نے اچھی اچھی
عادتیں پیدا کیں۔ جس نے اعلیٰ درجے کے اخلاق پیدا کئے۔ جس نے تمہاری
تربیت کی ہے۔ تمہیں انسان کامل بنایا ہے۔ باپ کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ اس
گوشت کے لوتھڑے کو انسان بنانے والی چونکہ تمہاری ماں ہے۔ اس لئے ماں کو یہ
فضیلت دی ہے کہ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ تعلیم اور
تربیت کو بہت دخل ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو دنیا میں پیدا کر دیتے' جیسے
گھاس پیدا ہوتی ہے لیکن ہمارا کوئی مالی نہ ہوتا۔ ہمارا کوئی رکھوالی کرنے والا نہ
ہوتا۔ ہم اور آپ خود رو گھاس کی طرح ہوتے...... علم اور تربیت ایسی چیز ہے
جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایسا حسین بنا دیا ہے انسان کو کہ ادھر یہ وہ حضرت
ہیں۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ یہ گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ جس کے اندر اتنے
کمالات پیدا ہو جائیں گے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ملک کا واقعہ نقل کر
دیا کرتا ہوں۔ شاہ صاحب نے اپنی "تفسیر" تفسیر عزیزی میں لکھا ہے۔ جس سے
ہمارے دلوں میں باپ کی قدر کے ساتھ ساتھ استاد کی قدر بھی پیدا ہو گی۔ کیونکہ
معلم کی آج قدر نہیں ہے۔ اور معلم اور استاد ماں باپ سے زیادہ محسن ہیں۔

ماں باپ نے تو صرف آپ کے کھانے پینے کا انتظام کیا ہے۔ ماں باپ نے
پڑھایا نہیں ہے معلم نے آپ کی تربیت کی۔ معلم نے آپ کو پڑھایا۔ شاہ صاحب نے
لکھا ہے کہ خلفائے بنو عباس کے زمانہ میں ایک آدمی کے دل میں تمنا پیدا ہوئی کہ
میں کسی طریقہ سے بھی خلیفہ کی خدمت کروں۔ اگر مجھے ایسا موقع مل جائے کہ خلیفہ
ہارون الرشید کا خدمت گزار بن جاؤں۔ نوکر بن جاؤں' جوتے صاف کروں'
چاہے کپڑوں کو استری کروں' مگر میں ان کے ذاتی عملے اور خدام میں شامل ہو

جاؤں۔ یہ میری بڑی معراج ہے وہ گیا اور جا کر خلیفہ سے کہا حضور میں نوکری چاہتا ہوں لیکن میں نوکری کی تنخواہ کی خاطر نہیں چاہتا۔ خدمت کرنا چاہتا ہوں ایسی نوکری دی جائے جس میں مجھے آپ کی خدمت کرنے کا موقع ملے۔ خلیفہ نے کہا کہ ہماری ذاتی خدمت کا تو جب تک موقع نہیں ملے گا جب تک تم علم نہ حاصل کرو۔ اور تمہارے لئے علم حاصل کرنا کچھ مشکل نہیں۔ بغداد کے اندر جو 'بغداد میں مدرسہ نظامیہ جو موجود ہے اور یہ وہ زمانہ ہے جب حضرت امام غزالی جیسے لوگ پڑھانے والے تھے۔ جن کا سایہ بھی اگر پڑ جائے تو انسان انسان بن جاتا ہے۔ یہ اس ذوق سے پڑھنے کے لئے گیا وہاں پہ کہ اگر میں نے سال چھ مہینے پڑھ لیا تو خلیفہ کی خدمت گزاری کا موقع مل جائے گا اور میرے نزدیک یہ میری بڑی معراج ہے کہ مجھے خدمت کرنے کا موقع مل جائے۔ داخل ہو گیا' سال بھر پڑھا اور پڑھنے سے زیادہ استادوں کی تربیت ہوئی۔ سال بھر کے بعد خلیفہ نے اس کو امتحان لینے کے لئے بلایا اور جب اس نے باتیں کیں تو خلیفہ نے یہ محسوس کیا کہ وہ ایک ہی سال میں کچھ کا کچھ بن گیا ہے۔ ہر بات کا جواب معقول دیتا ہے۔ مہذب ہو گیا ہے' اعلیٰ درجے کی تہذیب کی باتیں کرتا ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ میں نے تمہارا اندازہ لگایا ہے۔ اگر تم چاہو تو میرے ذاتی اسٹاف میں داخل ہو سکتے ہو۔ اب میں تمہیں ملازم رکھ سکتا ہوں۔ (وہ شخص) کہنے لگا اور شاہ صاحب نے جو الفاظ نقل کئے ہیں۔ میں ایسے شہر میں موجود ہوں جہاں نوکری چاہنے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ میں انہی کے الفاظ نقل کئے دیتا ہوں۔ اس آدمی نے خلیفہ کو جواب دیا کیا جواب دیا۔ اس نے کہا کہ وقتیکہ من قابل خدمت شاہ بودم جب میں اسی گھٹیا درجے کا انسان تھا۔ میری تمنا یہ تھی کہ کسی طریقہ سے آپ کی خدمت کروں۔ وقتیکہ من قابل خدمت شاہ بودم شاہ خدمت ما قبول نہ کردی۔ اس وقت تو آپ نے میری نوکری کا انتظام نہیں کیا۔ میری خدمت کو قبول نہیں کیا۔ حالانکہ من قابل خدمت خدا شدم اور اب خدا کے فضل سے میں گھٹیا انسان نہیں رہا۔ انسان کی خدمت کی تمنا نہیں۔ اب خدا کی خدمت کی تمنا میرے دل میں ہے۔ اب اگر خدمت پیش کریں

تو میں آپ کی خدمت قبول کرنے کو تیار نہیں۔ حالانکہ من تکفل خدمت خدا شدم شمارا قبول نہ کردم۔ خلیفہ حیران ہو گیا اتنا گھٹیا ورتبہ کا انسان اتنا پست انسان اتنا اعلیٰ انسان ہو گیا۔ کس نے کیا؟ مولوی نے کیا۔ تربیت نے کیا۔ جس سے معلوم یہ ہوا کہ صرف وجود کا ذریعہ بن جانا بھی احسان ہے۔ مگر اس سے بڑا احسان ہے تعلیم و تربیت، اب یہ بات سمجھ میں آگئی کہ سرکار دو عالم ﷺ جو معلم اخلاق بن کر دنیا میں بھیجے گئے ان کا بھیجنا اللہ کی نظر میں اتنا بڑا احسان ہے۔ فرماتے ہیں۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا" کتنا بڑا احسان ہے کہ حضورؐ کو نبی اور رسول بنا کر بھیجا اور یہ بڑا احسان ہے اللہ کا۔ تو میرے دوستو کل جو بات میں کہہ رہا تھا وہ پھر کہوں گا۔ حضور اکرم ﷺ سب سے بڑی نعمت بھی ہیں اللہ کی سب سے بڑی رحمت بھی ہیں۔ اللہ کا سب سے بڑا انعام بھی ہیں اور آپؐ خود بھی ذریعے اور آپ کے لئے محسن ہیں کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ نے بھی اپنے خدمات اور اپنی تعلیمات کی وجہ سے ہم پر اور آپ پر اور انسانوں پر بڑے بڑے احسانات کئے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اور آپ کو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ کیا کرنا ہے۔؟ صرف صلوات جاری کر دینا کافی ہے۔ میں یہ بات گزشتہ رات بھی آپ سے عرض کر رہا تھا کہ حضور اکرم ﷺ سے محبت کرنا نہیں بلکہ آپؐ کا دیوانہ بن جانا، آپؐ کا عاشق بن جانا، بلکہ اس کو بھی چھوڑیئے میں نے عرض کیا دنیا میں وہ قوم زندہ قوم کہلاتی ہے جس میں جذبہ ہو، جس میں تڑپ ہو، وہ قوم دنیا میں مردہ کہلاتی ہے۔ جس کے دلوں میں جذبہ نہیں۔ فرمایا کہ

دل مردہ دل نہیں اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ

سن نو ہجری کے اندر حج فرض ہوا ہے۔ دس ہجری میں آپؐ نے حج ادا کیا ہے۔ گیارہ میں آپؐ تشریف لے گئے ہیں۔ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ یہی آپؐ کا پہلا حج، یہی آپؐ کا آخری حج۔ اس کو حجۃ الوداع بھی کہتے ہیں۔ جب آپ تشریف لے جا رہے تھے اس وقت مسلمانوں کی کل تعداد کیا ہے۔؟ اس وقت مسلمانوں کی کل

تعداد ہے ایک لاکھ چوبیس ہزار ' سوا لاکھ اور سیاست سے آپ لوگ بخوبی واقف ہیں۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار ' اتنی معمولی تعداد ہے کہ آج اگر کسی قوم کی ایک لاکھ چوبیس ہزار تعداد ہو تو آپ اسے چھوٹی سے چھوٹی اقلیت بھی ماننے کے لئے تیار نہیں۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار کوئی تعداد ہے۔؟ لیکن حضور اکرم ﷺ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمانوں میں کیا جذبہ پیدا کیا تھا۔؟ کیا تڑپ پیدا کی تھی؟ کیسا ان کو دیوانہ بنایا تھا۔ قیصر روم کی طرف سے سفیر آتا ہے اور آکر کہتا ہے۔ ہم مسلمانوں کو دیکھنے کے لئے آئے ہیں۔ یہ دیکھ کر گیا ' جا کر اس نے کہا میں نے روئے زمین پر ایسے دیوانے میں نے نہیں دیکھے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمانوں کو آپ نے کیا بنایا تھا۔ تری میں خشکی میں ' ایشیاء میں ' افریقہ میں ' ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمانوں نے جہاں جہاں جا سکتے تھے مسلمان ' اس پہلی صدی ہجری میں جب کہ مسلمان ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔ جا کر اسلام کا جھنڈا گاڑ دیا۔ چین ہے اگرچہ ایشیا میں ' لیکن آپ کو معلوم ہے کہ کتنا دور ہے تری کے راستے سے آپ دیکھئے ' سمندری راستے سے آپ جائیے۔ کینٹن جائیے۔ آپ اسی طریقے سے اور جو ساحلی علاقے ہیں ان کے ' وہاں جائیے۔ خشکی کے رستے سے یہ بخارا ' چینی ترکستان کے علاقے سے آپ جائیے تو کہیں جا کر پھر آپ چین پہنچیں گے۔ ۱۹۵۶ء میں جب چودھری محمد علی وزیر اعظم تھے اور علماء کا ایک وفد چین بھیجا گیا۔ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے علماء کا ایک وفد لے کر مجھے چین بھیجا گیا۔ ایک مہینے ہم نے چین کا دورہ کیا۔ مسلمانوں سے ملے ' آثار و نشان دیکھے۔ ہانگ کانگ سے چلے تو سب سے پہلے جگہ آتی ہے اس کا نام ہے کینٹن ' بڑی مشہور جگہ ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں پر چین کی حکومت کا ' موجودہ حکومت جو چین کہلاتی ہے انقلاب اس نے وہیں کینٹن سے پیدا کیا۔ ہم وہاں گئے تو دیکھا کہ ایک مسجد ہے اور مسجد عربوں کے طرز پر بنی ہے پورے چین کے اندر آپ جائیے جا کر عبادت خانوں کو مسجدوں کو آپ باہر سے دیکھئے۔ باہر سے وہ ایسے معلوم ہوں گی جیسے چین کے اندر بدھ مت قوم کے پگوڈا ہوتے ہیں۔ اس طریقے کی مسجد بنی ہے۔ اندر جا کر آپ دیکھیں گے تو آپ کو حیرت

محراب ملے گی۔ تو پتہ چلے گا کہ یہ مسجد ہے۔ مگر کینٹن کی جو مسجد ہے، مینار والی ہے، کینٹن کی مسجد کے قریب قبرستان ہے۔ وہاں ایک کتبہ لگا ہوا ہے۔ بڑا پرانا، اس مسجد کا نام ہے مسجد وقاص، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، ان کا وصال مدینے میں ہوا۔ یہ اور کوئی بزرگ وقاص، لیکن اس تختی کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صدی ہجری کے اندر مسلمان سمندر کے راستے سے کینٹن میں داخل ہوئے ہیں۔ اور مسلمانوں نے وہاں تبلیغ کر اللہ کا گھر بنایا۔ اسلام کا جھنڈا گاڑا، اور یہ مسجد وقاص پہلی صدی ہجری کی بنی ہوئی ہے۔ پہلی صدی ہجری میں مسلمان گئے ہیں براعظم افریقہ میں تبلیغ کرنے کے لئے اور انہوں نے کہا یہاں ہم نے پڑاؤ ڈالنا ہے۔ لوگوں نے کہا یہاں آپ پڑاؤ نہ ڈالئے یہاں بڑے زہریلے قسم کے جانور ہیں۔ یہ جانور آپ کو یہاں ٹھہرنے نہیں دیں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا۔ آپ ہماری پرواہ نہ کریں۔ ہم یہیں ٹھہریں گے۔ یہیں پڑاؤ ڈالیں گے۔ وہ دیکھتے رہ گئے اور جا کر جنگل کے کنارے پر کھڑے ہوئے اور کھڑے ہو کر ایک آواز لگائی۔ آواز کیا تھی۔ جادو سے بھری ہوئی آواز تھی۔ انہوں نے کہا ایھا الحشرات فی الارض اے زمین کے بلوں میں رہنے والے زہریلے جانورو! یہ بات سنو ایھا الحشرات فی الارض نحن من اصحٰب رسول اللہ ہم اللہ کے رسولؐ کے صحابی ہیں۔ ہم یہاں ٹھہرنا چاہتے ہیں، تم یہ جگہ خالی کر دو۔ فرماتے ہیں کہ لاکھوں انسانوں نے دیکھا کہ سانپ اور دوسرے جانور اپنے بچوں کو منہ میں دبائے ہوئے اپنے بلوں کو چھوڑ رہے ہیں۔ میرے دوستو! ایمان داری سے بتائیے ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمانوں کو کیسا دیوانہ بنایا تھا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ ایک اور حکایت یاد آگئی حیوۃ الحیوان ایک کتاب ہے جس میں جانوروں کے نام، ان کی خاصیتیں، ان کی عادتیں لکھی ہیں۔ الف سے شروع کیا۔ میں نے اس کا مطالعہ کیا۔ تو اسد، اسد کے معنی شیر، اب وہ اسد کو لکھتے ہیں۔ کتنی قسمیں ہیں شیروں کی۔ شیر نہایت شریف جانور ہے۔ شیر کی خاصیت یہ ہے کہ اگر آپ شیر سے آنکھ ملا کر نہ چلیں تو شیر آپ پر کبھی حملہ نہیں کرے گا۔ یہ اس کی خاصیت ہے اور یہ بھی لکھا

ہے کہ شیر کے اندر بڑی غیرت و حمیت ہے۔ شاید کسی بادشاہ اور سلطان کے اندر بھی وہ حمیت نہیں ہے۔ جو شیر کے اندر غیرت و حمیت ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اگر اسے پتہ چل جائے کہ اس گھاٹ سے کوئی پانی پی کر گیا ہے تو شیر پیاس میں جان دے دے گا لیکن اس کی غیرت کے خلاف ہے اس گھاٹ سے وہ پانی نہیں پیئے گا۔ حیوۃ الحیوان میں دو شعر نقل کئے ہیں۔ فرمایا کہ

واترک حبها من غیر بغض
وذاک لکثرۃ الشرکاء فیه

کہتا ہے میں نے اپنی محبوبہ کو چھوڑ دیا اور کسی بغض کی وجہ سے نہیں چھوڑا ہے۔ پھر کاہے کو چھوڑا ہے؟ اس لئے کہ میں دیکھتا ہوں کہ جس محبوبہ کو میں چاہتا ہوں یار لوگ بہت سے اس کو چاہتے ہیں۔ تو جب اس کو بہت سے چاہنے والے ہیں تو میری غیرت گوارا نہیں کرتی کہ میں (بھی اسے) چاہوں میں نے چھوڑ دیا۔

واترک حبها من غیر بغض
وذاک لکثرۃ الشرکاء فیه
وتجتنب الاسود ورود ماء
اذا کان الکلاب ولغن فیه

اگر کسی جگہ کتا پانی پی لیتا ہے تو شیر وہاں سے پانی نہیں پیتا۔ میری غیرت گوارا نہیں کرتی کہ جس محبوبہ کو بہت چاہنے والے ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ غیرت کے خلاف ہے۔ کہ میں اس کو چاہوں۔ آپ نے دیکھا کہ شیر کے اندر یہ غیرت ہے۔ بات کس پہ ہو رہی تھی شیر کے بارے میں یہی ایک واقعہ انہوں نے لکھا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عمر فاروقؓ کے صاحبزادے کہیں پیدل جا رہے تھے راستے میں دیکھا کہ بھیڑ جمع ہے۔ جیسے سڑکوں پر آپ نے دیکھا ہو گا کچھ ایکسیڈنٹ وغیرہ ہو جاتا ہے اور لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ آپ نے دریافت کیا کہ یہ بھیڑ کاہے کی ہے تو کسی نے کہا کہ بیچ راستے میں شیر بیٹھا ہے۔ اس کی وجہ سے ادھر کے لوگ ادھر نہیں جا سکتے۔ اور ادھر کے لوگ ادھر نہیں آ سکتے۔ فرمایا "اچھا

ہو' حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو آدمیوں کو چیرتے ہوئے اندر چلے گئے۔ شیر کے
قریب آ پہنچے تو کہا ایہا الاسد! اے شیر نحن من اصحاب رسول اللہ
اے شیر تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ میں رسول اللہ ﷺ کا صحابی ہوں۔
خبردار ہو جا۔ نے نظر بھر کے دیکھا' یہ کہا اور آگے کو بڑھے اور جا کر شیر کا کان پکڑ
لیا۔ لوگوں سے کہا جو ادھر جانا چاہتے ہیں ادھر چلے جائیں۔

میرے دوستو! کیا آج ہماری اور آپ کی آواز میں یہ اثر ہے' یہ درد
ہے؟ کیا وجہ ہے وہی اسلام ہے وہی دین ہے وہی قرآن ہے' وہی نماز ہے' وہی
روزہ ہے۔ مگر آج ہماری اور آپ کی آوازوں میں اور نعروں میں وہ اثر نہیں۔

فرمایا کہ

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

ہمارے دل محبت سے خالی ہو گئے' دیوانگی سے خالی ہو گئے اور آگ نے
ٹھنڈا ہونا چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ وہ ابراہیمی ایمان ہمیں اور آپ کو میسر نہیں۔ آگ
نے بھی اپنی خاصیت تبدیل کر دی۔

میرے دوستو! آج جو دنیا میں آپ دیکھتے ہیں ایک لاکھ چوبیس ہزار
مسلمانوں نے کہاں جھنڈے گاڑے تھے۔ آج ہماری اور آپ کی تعداد نوے کروڑ
سے پچانوے کروڑ تک ہے۔ عیسائیوں کے بعد دنیا میں سب سے بڑی آبادی
مسلمانوں کی ہے۔ عیسائی ملکوں میں یا جن ملکوں میں اسلامی نام رکھنے کے علاوہ ملکی
نام رکھنے کا بھی رواج ہے۔ وہاں عیسائیوں نے مردم شماری کے اندر دھاندلی کی
ہے۔ بہت سے ملک ایسے ہیں' برما ہے' برما میں مسلمان کا ایک نام اسلامی ہے' ایک
نام ملکی' اور جب آپ اس سے ملکی نام پوچھئے تو کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ یہ
مسلمان ہے۔ چین کے اندر مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد ہے لیکن وہاں ایک نام
اسلامی ہے جو گھر میں استعمال ہوتا ہے۔ دوسرا نام چینی' مثلاً ہمارے ساتھ ایک
صاحب تھے ان کا نام تھا عبداللہ' اور چینی نام تھا ان کا کا کو شنگ۔ اب آپ مجھے

بتائیے کہ کاکوشنگ کون مردم شماری میں کیسے لکھا کہ یہ کاکوشنگ مسلمان ہے۔

جاپان میں، چین میں، برما میں اور دنیا کے دوسرے ملکوں میں بھی ایسا رواج ہے کہ وہاں مسلمان مقامی نام بھی رکھتے ہیں۔ میں نے برما میں ایک مرتبہ تقریر کرتے ہوئے لوگوں کو منع کیا تھا کہ مقامی نام نہ رکھیں اس سے آپ کی تعداد کم ہو جائے گی۔ ہم نے ان کو بتایا کہ ہندوستان کے اندر بعض علاقے ایسے تھے جہاں مسلمان چودہ فیصد تھے۔ سو میں چودہ، مگر خدا کا فضل ہے کہ وہاں پر کسی مسلمان نے اپنا نام رام چند نہیں رکھا۔ وہاں عبدالکریم ہے۔ عبدالغفور ہے، عبدالرحمان ہے، عبدالشکور ہے عام طور پر مسلمان نام رکھے ہیں۔ تو میں نے عرض کیا کہ مردم شماری میں عیسائیوں نے غلطی کی ہے۔ افریقہ کے اندر کالی قوموں کا مذہب، جن کا کوئی مذہب و دین نہیں۔ ان کو بھی عیسائیوں کی فہرست میں شمار کیا گیا۔ میں اس مسئلے میں نہیں جاتا۔ عیسائیوں کے بعد دنیا میں سب سے بڑی تعداد مسلمانوں کی ہے۔ نوے سے پچانوے کروڑ، میرے دوستو! ہماری اور آپ کی اتنی بڑی تعداد ہے تو ہم اور آپ چولہے کی بجھی ہوئی مٹی کیوں بن گئے۔؟ آج کیا وجہ ہے کہ ایک لاکھ پچیس ہزار مسلمان جہاں جہاں اسلام کا جھنڈا گاڑ گئے تھے۔ ہم پچانوے کروڑ ہوتے ہوئے بھی ان جھنڈوں کی حفاظت نہ کر سکے۔ سوچنے کی باتیں ہیں۔ آپ ہر چیز پر تحقیق کرتے ہیں۔ ہر چیز پر ریسرچ کرتے ہیں۔ کیا وجہ ہے؟ آپ اس مریض کے سرہانے بیٹھیں، اس کی نبض پر ہاتھ رکھیں، ہاتھ رکھ کر آپ معلوم کریں کہ اس قوم کی اصل بیماری کیا ہے۔؟ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو نبض دیکھنا بھی نہیں جانتے۔ اور وہ بیماریاں آپ کو فرضی طور پر بتاتے ہیں کسی نے آپ کی نبض پر ہاتھ رکھ کے کہا۔ ہم سمجھ گئے مسلمانوں کے تنزل کی اصل وجہ یہ ہے کہ مسلمان غریب ہے۔ مسلمان کی اصل وجہ یہ ہے کہ جس کا مطلب یہ ہے اگر مسلمان دولت مند ہو جاتا۔ نعوذ باللہ اگر مسلمان ایسی ہی دولت مند ہوتا جیسا کہ یہودی قوم دنیا میں دولت مند ہے تو کیا مسلمان دنیا میں سب سے زیادہ ترقی کرتے؟ اگر یہ آپ کی تشخیص صحیح ہے تو مجھے بتایئے سرکار دو عالم ﷺ کے زمانے میں کتنے مسلمان ارب پتی تھے۔ کتنے

مسلمان کروڑ پتی تھے ' کتنے مسلمان لاکھ پتی تھے ایک بھی ہے۔؟ ہماری بات کو تو آپ مانیں گے نہیں۔ لیکن علامہ اقبال کی بات کو تو مانیں گے۔ وہ فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

دولت کی کمی سے مسلمانوں کو زوال نہیں ہوا۔ غلط ہے

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں
جہاں میں جوہر اگر کوئی آشکارا ہو
قلندری سے ہوا ہے تونگری سے نہیں

جب مسلمان قوم نے قلندری اختیار کرلی تھی ' دیوانے تھے ' اللہ کے اور اللہ کے رسولؐ کے دیوانے تھے۔ تب مسلمان دنیا میں ترقی یافتہ تھے اور جب سے مسلمان تونگر اور دولت مند بن گئے...... اگر دولت مندی کی وجہ سے ترقی کرتی تو آپ کا کیا خیال ہے۔؟ لوگ کہتے پاکستان میں ' کسی زمانے میں کہتے تھے بائیس خاندان ہیں دولت مند۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ یہ بائیس خاندان ساری رات مصلے پر کھڑے ہوئے تہجد پڑھتے تھے۔ ان کے ذریعے سے اسلام کو ترقی ہوئی۔؟ کس بے وقوف نے آپ کو کہہ دیا ہے کہ آپ اس بیمار کی نبض دیکھئے اور نبض دیکھ کے آپ غلط بیماری بتائیں۔ یہ بیماری ہے۔ بعضوں نے کہا کہ اصل بیماری یہ ہے کہ یہ ......قوم جاہل ہے۔ چلو تھوڑی سی بات مان لیتے ہیں کہ جاہل ' مگر آپ کونسا علم دینا چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر ساری کی ساری قوم انگریزی پڑھ لے تو یہ ترقی یافتہ ہو جائے۔ میرے دوستو ! جن لوگوں نے انگریزی پڑھی ہے آپ کے سامنے موجود ہیں۔ حضرت مولانا تھانوی ؒ کا جملہ ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ مسلمان جتنی جتنی کلاسیں پاس کرتا جاتا ہے اتنا ہی اسلام سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ پاس کرتا ' دور ہوتا ' جتنا جتنا آپ کلاسیں پاس کرتے جائیں گے انگریزی میں جتنی لیاقت اور قابلیت

پیدا کرتے چلے جائیں گے۔ معلوم ہوا آج نماز چھوڑی، کل روزہ چھوڑا پھر پردہ چھوڑا۔ اب آپ ایمانداری سے بتایئے۔ فرمایا کہ

نہ نماز ہے نہ روزہ ہے نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے
تو خوشی پھر اس کی کیا ہے کوئی جنت کوئی حج ہے

کوئی خوشی کی بات نہیں ہے۔ اگر آپ حاجی ہیں اور وہ مسجد میں نماز کے لئے نہیں آتے۔ اگر آپ میں بڑے بڑے سرکاری ملازم ہیں لیکن وہ اکڑ فوں دکھاتے پھرتے ہیں اور اللہ کے دین کی کوئی سرپرستی نہیں ہے تو دوستو! ان کے وجود سے کوئی فائدہ نہیں اسلام کو۔

نہ نماز ہے نہ روزہ ہے نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے
تو خوشی پھر اس کی کیا ہے کوئی جنت ہے کوئی حج ہے

اکبر الہ آبادی کا کہا ہوا ہے تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ بیماری بھی نہیں۔ اب پھر بیماری کیا ہے۔؟ فرمایا کہ

طبیب عشق نے دیکھا تو نبض کے فرمایا
کہ تیرا مرض ہے فقط آرزو کی ہے نیشی

اب ہم سمجھ گئے اصل بیماری یہ ہے کہ تمہارے دل میں تڑپ نہیں۔ تمہارے دل میں چوٹ لگی ہوئی ہے تم دولت کے پیچھے، تم منصب کے پیچھے دوڑتے پھر رہے ہو۔ آج تمہارے دل میں اگر وہ تڑپ ہوتی جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا کی تھی تو مسلمانوں کو یہ ذلت و رسوائی دیکھنی نہ پڑتی۔ معلوم ہوا آج ہماری بیماری صرف یہ ہے کہ آج ہم اور آپ صحیح معنی میں عاشق نہیں ہیں۔ اور ہم، جیسا کہ کل میں نے کہا تھا عاشق ہیں۔ فرض کر عاشق کیسے؟ خلفائے بنو عباسیہ کے زمانے میں ایک خاندان آتش پرستوں کا تھا جو مسلمان ہو گیا۔ وہ خاندان برمکی خاندان کہلاتا تھا۔ "البرامکہ" کتاب بھی لکھی ہے مولانا شبلی نعمانی نے۔ اس زمانے میں یہ برمکی جب مسلمان ہوئے تو کیا کرتے تھے سجدہ کر رہے ہیں، کس کو؟ خدا کو، اور موم بتی جلا کے آگے رکھی ہوئی ہے۔ کسی نے پوچھا ارے یہ کیا ہے۔ تم تو آتش پرستی سے

تو پر کر پچھے ہو۔ یہ سجدہ کسے کر رہے ہو۔؟ کہنے لگے سجدہ تو خدا ہی کو کر رہے ہیں۔
باقی یہ موم علی کی شکل میں آگے سامنے ہو تو ذرا تسلی بھی ہو جاتی ہے۔ آپ
ایمانداری سے بتائیے کیا ایسا ایمان اللہ کے ہاں قابل قبول ہے۔؟ نہیں ہے قابل
قبول۔ آج ہماری اور آپ کی دینداری یہ ہے کہ دین کے نام سے جتنا فائدہ ممکن
ہو سکتا ہے بڑھ چڑھ کر آگے سے فائدہ حاصل کریں گے 'نعرے لگائیں گے اسلام کی
گڈول (Good will) وصول کرنے کو تیار ہیں۔ اسلام کے نام پر قربانی دینے کے
لئے تیار نہیں۔ ہم عاشق ہیں اس معنی کے۔ ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک صاحب کا
انتقال ہو گیا۔ بیوی ان کی بیوہ ہو گئی۔ گھر میں سے رونے کی آواز آئی۔ پڑوس میں
کچھ مفاد پرست قسم کے بیوست دان رہتے تھے۔ انہوں نے کہا بھائی اماں جی کے
رونے کی آواز آ رہی ہے۔ ذرا چلو اور کچھ شریف آدمی بھی تھے 'سب گئے۔ اماں
جی کیا بات ہے' خیریت تو ہے؟ کیوں رو رہی ہو؟ کہنے لگے بیٹا یہ میرے شوہر کی
بندوق جو ٹنگی ہوئی ہے۔ میرے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے بندوق کو دیکھ کے مجھے
صدمہ ہو رہا ہے اب اس بندوق کو کون استعمال کرے گا۔ بندوق کو دیکھ دیکھ کے
مجھے شوہر یاد آ رہا ہے۔ تو وہ جو مفاد پرست تھا اس نے کہا اماں جی! آپ کو غم
کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بندوق آپ مجھے دے دیجئے۔ روزانہ میں چلایا
کروں گا۔ آپ کا غم دور ہو جائے گا۔ کہنے لگی بہت اچھا لے جاؤ بیٹا' اگلے دن پھر
رونے کی آواز آئی' اس کے منہ کو تو خون لگ چکا تھا۔ دوڑا ہوا آگیا' اماں جی کیا
بات ہے۔ کہنے لگی بیٹا میرے شوہر کا گھوڑا اداس ہے اور میں سوچتی ہوں باللہ اس
گھوڑے پر کون سواری کرے گا۔ انہوں نے کہا اماں جی آپ اس کا غم نہ کریں یہ
گھوڑا مجھے دے دیجئے میں سواری کروں گا۔ آپ کے پاس غم آنے نہیں دوں گا۔
گھوڑا بھی لے لیا۔ پیچھے پھر رونے کی آواز آئی وہ ساری الماریاں جتنے کپڑے رکھے
تھے وہ بھی لے گیا۔ سارا فرنیچر لے گیا' سارا گھر صاف کر دیا۔ اب جب گھر بالکل
صاف ہو گیا اگلے دن پھر رونے کی آواز آئی تو یہ آدمی کہتا ہے اب جانا خطرناک
ہے۔ کیونکہ سارا گھر تو صاف کر چکا ہوں کس وجہ سے؟ غم دور کرنے کے

لگے۔ واہ خوب آپ نے غم دور کیا۔ لوگوں نے کہا، ارے بھائی چلو۔ بڑی بی رو رہی ہے۔ وہاں یہ جو غم دور کرنے کے بہانے سے سب چیزیں لے آیا تھا یہ بھی گیا اور بھی کچھ شریف آدمی گئے۔ اماں جی آج کیا بات ہے روتی ہو۔ فرمایا بیٹا مجھے کل ہی معلوم ہوا ہے کہ میرے شوہر پر پانچ ہزار روپے قرضہ ہے میں سوچتی ہوں کہ ہائے اللہ یہ کون ادا کرے گا۔ تو یہ جو سارا سامان اٹھا کر لے گیا تھا یہ اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا ہے۔ ارے اتنی مدت سے میں غم دور کر رہا ہوں۔ تم میں سے بھی تو کوئی بولے نا! آگے کو۔ آج اسلام کے نام پر گڈ ول (Good will) حاصل کرنے کے لئے "اسلام کے نام پر کیبری ہو تو آگے آگے' اسلام کے نام پر وزارت ہو تو آگے آگے' لیکن اگر اسلام یہ کہے کہ میری خاطر قربانی کون دے گا تو معلوم ہوتا ہے کہ پوری قوم میں کوئی آواز دینے والا نہیں ہے۔

ہاں بتایئے ایمان داری سے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمانوں کا کیا جذبہ تھا اور آج پچانوے کروڑ مسلمانوں کا کیا طرز عمل ہے اسلام کے ساتھ' تو معلوم ہوا کہ کیا سبب ہے۔ فرمایا کہ

طبیب عشق نے دیکھا تو ہنس کے فرمایا
ترا مرض ہے فقط آرزو کی بے نیشی

آپ کے دلوں میں تمنا اور آرزوئیں تو ہیں۔ آپ کے دلوں میں جذبے ہیں وہ نیش نہیں۔ اور آپ نے اسے نشتر نہیں چبھویا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے دلوں میں سوز نہیں ہے جب ہمارے دلوں میں وہ تڑپ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اور اللہ کی نصرت ہمارے ساتھ نہیں ہے۔ مفاد کی خاطر ہم اسلام کا نام لیتے ہیں۔ مفاد کی خاطر' آج اگر جائزہ لیں "ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک صاحب بڑے درویش معلوم ہوتے تھے۔ کسی دولت مند آدمی کے ساتھ سفر کر رہے تھے راستے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ دونوں نے نماز پڑھی۔ وہ دولت مند آدمی نماز پڑھ کے فارغ ہو گیا اور کھڑا ہو گیا اور یہ جو درویش قسم کا آدمی تھا ہاتھ پھیلا کے دعا مانگ رہا ہے۔ ہائے ظالم تو نے دعا کو بھی سیاست بنا دیا۔ کیا دعا مانگ رہا ہے؟ کہتا ہے اے اللہ مجھے

معلوم ہے کہ میری تین بیٹیاں جوان ہیں اے اللہ تجھے معلوم ہے کہ میرے پاس انہیں دینے کے لئے جہیز نہیں ہے۔ اے اللہ غیب سے کوئی انتظام فرما۔ اے اللہ تجھے معلوم ہے میرے گھر میں گرم پانی پیا جاتا ہے۔ میرے گھر میں فریج نہیں ہے۔ اے اللہ تجھے معلوم ہے کہ میرے گھر میں فلاں سامان نہیں ہے۔ یہ جو دولت مند آدمی تھا اس کو غصہ آیا۔ اس نے کہا یہ کمبخت "بے ایمان ہاتھ پھیلا کے مجھے سنا رہا ہے تو خدا کی قسم میں اس کی ضرورت پوری کر دیتا۔ مگر اس نے خدا کی توہین کی ہے ہاتھ خدا کے سامنے پھیلا رہا ہے اور مقصد اس کا مجھے پکارنا ہے۔ میرے دوستو! ایمانداری سے بتایئے کہ میرے اور آپ کی عبادتیں اس قابل ہیں کہ جن عبادتوں کو ہم اللہ کے سامنے پیش کر سکیں۔ کوئی ممبری کے لئے ہے کوئی وزارت کے لئے ہے۔ کوئی ملازمت کے لئے ہے "کوئی اور کسی مقصد کے لئے ہے۔ اس میں "بوقت خوردن ہمہ یکساں شوند" عالمگیر کا قول ہے۔ انگلیاں چھوٹی بڑی ہیں مگر جب کھانے کا سوال آتا ہے تو یہ پانچوں انگلیاں برابر ہو جاتی ہیں۔ اس میں دیندار اور دنیا دار سب برابر ہیں۔ ہم جیسے لوگ بھی برابر ہیں۔ ہم نے بھی دین کو دنیا بنا دیا۔ آج ہماری مسجد اللہ کے لئے نہیں ہے۔ دنیا کے لئے ہے۔ آج ہمارا مدرسہ اللہ کے لئے نہیں دنیا کے لئے ہے۔ علامہ اقبال نے صحیح کہا۔ فرمایا

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذر و دلق اویس و چادر زہرا

جن جن چیزوں کے ساتھ تقدس ہے ان سے سیاسی فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔ اور لوگوں کے دلوں سے تقدس جاتا رہا۔ اسلام کا نام سیاست کے لئے اتنا استعمال کیا گیا' اتنا استعمال کیا گیا کہ مسلمان کو اب اس نام سے بھی نفرت ہوتی جا رہی ہے۔ غلام محمد صاحب کا زمانہ تھا "گورنر جنرل تھے اور اسکندر مرزا اس زمانہ میں وزیر داخلہ ہو گئے۔ یہ ایک ڈپٹی کمشنر تھے جو کبھی پشاور میں ڈپٹی کمشنر ہوا کرتے تھے۔ اسکندر مرزا لیکن آپ کو معلوم ہے کہ یہ پاکستان ہے۔ یہاں تو لوٹ پلٹ کے آدمی کا کچھ کا کچھ بن جاتا ہے۔ اسکندر مرزا وزیر داخلہ ہو گیا۔ اور جا کر اس نے کمشنر کے اندر جان

دے دیا تھا۔ شراب کے بارے میں بھی اور اسلامی قانون کے بارے میں بھی۔ میں
نے اگلے ہی دن ایک نہایت سخت قسم کا بیان طمانچہ مارنے کے لئے ایک بیان دے
دیا۔ اسکندر مرزا صاحب کے خلاف۔ اسکندر مرزا صاحب اس کی تاب کب لا سکتے
تھے۔ وہ فوراً گئے اور جا کر اس زمانے میں محمد علی بوگرا، یہ جو تھے وزیر اعظم تھے
ان سے جا کے کہا کہ احتشام الحق تھانوی کو فوراً آپ گرفتار کر لیں۔ انہوں نے کہا
میں اس معاملے میں پڑنا نہیں چاہتا۔ آپ جائیں غلام محمد کے پاس، یہ ڈاکٹر ملک جو
تھے بے چارے، مشرقی پاکستان کے گورنر بھی تھے۔ اور یہاں بھی رہ چکے تھے۔ قائم
مقام صدر، وہ میرے بڑے دوست تھے۔ اس زمانے میں کابینہ میں تھے۔ انہوں نے
مجھے سارا واقعہ سنایا۔ بوگرا صاحب نے انکار کر دیا۔ غلام محمد صاحب کے پاس گئے
اور جا کے کہا اس طریقے سے اس نے ہمارے خلاف بیان دیا ہے۔ آپ اس کا
فوراً ایکشن لیں۔ تو انہوں نے کیا جواب دیا؟ انہوں نے جواب یہ دیا "تم نے یہ
ایسی باتیں کی کیوں؟ تمہیں معلوم نہیں ہماری پالیسی کیا ہے؟ سنئے ! ہماری پالیسی
یہ ہے کہ نام اسلام کا لئے جاؤ اور کام اسلام کا کچھ نہ کرو۔ تم نے کیوں اسلام کے
خلاف باتیں کیں۔ اس وقت پتہ چلا کہ اچھا یہ بھی پالیسی ہوتی ہے۔ کہ نام اسلام کا
لئے جاؤ اور کام، کام کچھ نہ کرو اسلام کا۔ تو میرے دوستو ! میں یہ عرض کر رہا تھا،
ایمانداری سے بتایئے کہ واقعتہً اگر آپ میں سے کسی کو اللہ میاں کی کرسی پہ بٹھا
دیا جائے اور مسلمان قوم کا کام آپ کے سامنے رکھا جائے۔ آپ ایمانداری سے
بتایئے آپ اس قوم پہ رحمتیں نازل کریں گے؟ نہیں کریں گے؟ کیوں؟ اس لئے کہ
میں نے عرض کیا کہ ہماری کوئی کل سیدھی نہیں ہے۔ ہم جو کام کرتے ہیں اس میں
کوئی نہ کوئی ہماری غرض ہوتی ہے۔ نماز سے سیاسی غرض، اذان سے سیاسی غرض،
روزے سے سیاسی غرض، ہر چیز سے ہماری سیاسی غرض ہے۔ میرے دوستو !
ہماری مثال اس پارسی کی طرح پہ ہے۔ سجدہ خدا کو کر رہے ہیں لیکن یہ موم بتی
ایک جلی ہوئی رکھی ہے سامنے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمیں اور آپ کو بھی......

تو میرے دوستو ! میں نے آپ کا کافی وقت لے لیا۔ میں عرض یہ کرتا

چاہتا تھا کہ آپ سوچیں اور غور کریں اور شاید اپنے اندر آپ اگر تبدیلی لانا چاہیں تو لائیں۔ ہماری شب تاریک سحر ہونے والی نہیں ہے۔ ہماری مصیبتیں ختم ہونے والی نہیں ہیں۔ ہماری ذلت و خواری کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارا برتاؤ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ مذاق کرنے کا ہے۔ ہم خدا اور اس کے رسولؐ کے ساتھ مخول کرتے ہیں۔ آپ کہیں گے کہ میں نے یہ کیا بات کہی ہے۔ بس آخر میں علامہ اقبال کی ایک رباعی کہئے، قطعہ کہئے۔ میں اس کو پیش کروں گا۔ اور اس کے بعد آپ سے معذرت چاہوں گا۔ اس لئے کہ آپ لوگوں کو تو بے شک یہ خواہش ہوگی کہ ..... تقریر پہلے کیا کرتے تھے لیکن اب تو یہ ہے کہ آخر موسم خزاں بھی تو آتا ہے نا آدمی پر۔ یہ ہمارے اوپر ایک موسم خزاں آیا ہوا ہے۔ زیادہ دیر ہم بھی نہیں لے سکتے۔ مگر وہ علامہ اقبال کا قطعہ ضرور سنئے کہ لکھ بیٹھے کیا فرمایا؟ فرمایا کہ

شب پیش خدا بگرستم زار

ایک رات سنانے کے عالم میں خدا کے سامنے میں نے گڑگڑا کر خوب رویا۔ اور خوب گڑگڑایا۔ کاہے کے لئے؟ مجھے کوٹھی دیجئے؟ نہیں، مجھے نوکری دیجئے؟ نہیں، مجھے کرسی دیجئے؟ نہیں، یہ گھٹیا درجے کی باتیں ہیں۔ اللہ کے سامنے گڑگڑا کر روتے ہیں۔ کیوں؟ فرمایا کہ

شب پیش خدا بگرستم زار
مسلماناں چرا خوارند وزارند

میں نے اللہ سے گڑگڑا کر کہا۔ اے اللہ آخر مسلمان ذلیل و خوار دنیا میں کیوں ہیں؟ تعداد اتنی ہے چپے چپے پر مسلمان ذلیل ہے۔ ہر جگہ مسلمان خوار ہے اور رسوا ہے۔ میں نے گڑگڑا کر اللہ سے یہ سوال کیا......

شب پیش خدا بگرستم زار
مسلماناں چرا خوارند و زارند
ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم
دلے دارند و محبوبے ندارند

مسلمان قوم کے سینوں میں دل ہے۔ مگر ان کے دلوں میں حضور ﷺ جیسا محبوب نہیں ہے۔ دل ویران ہیں۔ دل خالی ہیں۔ جس دن ہمارے اور آپ کے دلوں میں سرکار دو عالم ﷺ آباد ہو جائیں گے ان کی محبت ہمارے اور آپ کے دلوں میں رچ جائے گی اور ہم اور آپ صحیح عشق میں دیوانے ہو جائیں گے تو میرے دوستو! وہ دن دور نہیں ہے جب اللہ تعالیٰ پھر ہمیں اور آپ کو عروج عطا فرمائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو سربلندی اور عزت عطا فرمائیں گے۔ سرکار دو عالم ﷺ کی سیرت طیبہ کا یہ جلسہ ہے اور اس موقع پر میں یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ میرے دوستو! یہ رسمی طریقے سے محبت کے اظہار سے ہم اور آپ کبھی اپنی مصیبتوں کو ختم نہیں کر سکیں گے۔ جب تک اخلاص کے ساتھ حضورؐ کی محبت کو جگہ نہ دیں گے اللہ کے دین کے لئے جب تک مرنے کا جذبہ نہیں پیدا کریں گے۔ یہ چند کلمات بطور نذرانہ عقیدت کے پیش کئے ہیں۔ اب میں آپ سے معذرت چاہوں گا۔ دعا کیجئے اللہ ہمیں اور آپ کو حضورؐ کی محبت سے بھی لبریز فرمائے۔ اے اللہ ہمارے اور آپ کے دلوں میں دیوانگی کا جذبہ پیدا فرما۔ اے اللہ دین پر مرنے کا جذبہ عطا فرما۔ سرکار دو عالم ﷺ کی عزت و حرمت کے اوپر اپنی جانوں کو قربان کرنے کا جذبہ عطا فرما۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ و ارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ اللھم صل علیٰ سیدنا و مولانا محمد صلوٰۃ تنجینا بھا من جمیع الاھوال والآفات و تقضی لنا بھا جمیع الحاجات.... و ترفعنا بھا اعلی الدرجات و تبلغنا بھا اقصی الغایات من جمیع الخیرات فی الحیوۃ و بعد الممات۔ انک علی کل شئی قدیر۔ برحمتک یا ارحم الراحمین ○

اے اللہ ہمارے قلوب کو حضورؐ کی محبت سے منور فرما۔ اور ہمارے دلوں میں تڑپ پیدا فرما۔ آمین

(از ماہنامہ الفرقان)

امانت و دیانت

خطیب الامت قائد اہلسنت حضرت العلامہ مولانا الحاج احتشام الحق تھانوی قدس سرہ کی زندگی کی کا آخری خطبہ (نوٹ) یہ خوبصورت رلادینے والی تاریخ ساز اور بصیرت افروز خطاب حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ نے مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۸۰ء بروز جمعرات بوقت بعد نماز عشاء انڈیا کے صوبہ جنوبی ہند کے علاقے کے مدراس میں کیا اور ۱۱ اپریل ۱۹۸۰ء بروز جمعۃ المبارک بوقت ۸ بجے دن اپنی جان جان آفرین کے سپرد کردی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○

مولانا محمد اسلم صاحب نے حضرت مولانا محمد اسعد تھانوی مدظلہ کی خواہش اور جانشین خطیب الامت حضرت مولانا تنویر الحق تھانوی مدظلہ رئیس جامعہ احتشامیہ کراچی کے حکم پر اس کو ٹیپ سے من و عن نقل کیا۔ افادہ عام کے لئے پیش خدمت ہے۔

خطبہ ماثورہ جلسہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ وَمَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (پارہ ۱۹، آیت ۱۴۳ تا ۱۴۵)

بزرگان محترم اور برادران عزیز!

یہ میری انتہائی خوش قسمتی ہے کہ ۲۵، ۳۰ سال کے بعد ایک مرتبہ پھر آپ حضرات سے ملاقات ہوئی اور قریب سے دین کی باتیں کرنے کا مجھے موقع ملا۔ مدراس کا پروگرام تقریباً آخر کا ہے۔ اور ہمارے میزبان جو زیادہ تر مدراس کے مضافات میں بستیوں میں رہتے ہیں۔ انہوں نے وہاں پر پروگرام بنایا۔ وہ پروگرام اتنا بھاری اور اتنا زیادہ سخت تھا کہ دیکھئے تو دیکھتے ہیں یہاں مدراس کے لئے دو کچھ

بھی نہیں لیکن میرا یہ خیال ہے کہ مجھے دو دن میں تین ایسے مواقع ملے ہیں۔ جب انہوں نے تیل کا ایک ایک قطرہ میرے جسم سے نکال لیا۔ اب آواز بھی بیٹھ گئی ہے صحت و تندرستی بھی جواب دے بیٹھی۔ تو یہ دو دن بے شک ہیں۔ مگر آپ کے جذبے اور آپ کے شوق کو دیکھ کر تقاضہ تو دل میں یہی ہوتا ہے کہ اگر آپ چھٹانک بھر پیتے ہیں میں سیر بھر پیتا جاؤں۔ اقبال کا شعر ہے۔ فرمایا کہ

نہ ہو قناعت شعار گلچیں اسی سے قائم ہے شان تیری
وفور گل ہے اگر چمن میں تو اور دامن دراز ہو جا

اگر پھول بہت ہیں اور دامن چھوٹا ہے تو دامن کو اور زیادہ بڑھانے کی یا لمبا کرنے کی کوشش کر۔ یہ طریقہ ہے مگر میں شرمندہ ہوں۔ مجھے اپنی بے بضاعتی کا ' ناتوانی کا ' اور بڑھاپے کے اس ضعف کا تقاضہ ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جتنا آپ میں جذبہ اور شوق ہے۔ میں اس کا چوتھا حصہ بھی ادا نہیں کر سکتا۔ بے شک پھول تو بہت ہیں مگر میرا دامن بہت تنگ ہے۔ کسی عارف نے کہا تھا۔

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچیں بہار تو ز دامان گلہ دارد

مجھے شکایت ہے کہ میرا دامن واقعی چھوٹا ہے۔ اور پھول بہت سے ہیں تو میں نے اقرار کر لیا کہ میں آپ کے اس جذبے اور آپ کی اس تڑپ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ بہرحال جو وقت ملا ہے۔ ہے تو دو گھنٹہ مگر یہ تقسیم ایسی ہے کہ جیسے دو بھائیوں کے اندر مکان کی تقسیم میں جھگڑا تھا۔ باپ کا انتقال ہو گیا ہے۔ بڑے بھائی نے کہا کہ یہ دیکھو میں باپ کی جگہ ہوں تم مکان پہ جھگڑو نہیں۔ میں جس طرح مکان کو تقسیم کر دوں اسے قبول کر لو۔ اس نے کہا جی بہت اچھا میں آپ کا چھوٹا بھائی ہوں اور کسی نے کہا ہے کہ۔

سگ باش! برادر خورد مباش

مجھے نہیں معلوم کہ چھوٹا بھائی ہونے کی حیثیت سے میرا کیا حشر ہونے والا ہے۔ باقی ٹھیک ہے آپ تقسیم کر دیں۔ اس نے کہا کہ کل میں اپنا فیصلہ سناؤں گا۔ کہ مکان

کی کس طرح تقسیم ہو گی؟ لوگ جمع ہو گئے۔ مکان کی تقسیم کا فیصلہ سن لیجئے۔ فرمایا کہ

از صحن خانہ تا بہ لب بام از آن من مکان کی زمین سے یعنی بنیاد سے لے کر مکان کی بلندی تک یہ تو سب میرا ہے۔ تو چھوٹا بھائی کہنے لگا اب رہ ہی کیا گیا ہے باقی۔ فرمایا کہ

از صحن خانہ تا بہ لب بام از آن من
وز سقف خانہ تا بہ ثریا از آن تو

اور مکان کی بلندی سے لے کر ستاروں تک جتنا ہے وہ سب تمہارا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مکان کی بلندی سے لے کر ستاروں تک کچھ بھی نہیں ہے۔ یوں ہزاروں میل کی مسافت ہے۔ بہرحال جو بھی تھوڑا سا وقت مجھے ملا ہے اور وہ بھی اتنی مجبوریاں میرے ساتھ ہیں۔ ان کے پیش نظر میں کوشش کروں گا کہ آپ کے سامنے چند باتیں دین کی پیش کر دوں۔ جتنی دیر ممکن ہو سکے گا اتنی دیر پیش کروں گا۔ اس کے بعد آپ سے خود ہی معذرت چاہوں گا۔

قرآن کریم کی ایک اہم آیت میں نے تلاوت کی ہے۔ اہم کا مطلب یہ نہ سمجھئے گا کہ باقی دوسری آیتیں غیر اہم ہیں۔ نہیں سب اہم ہیں۔ لیکن بعض آیتوں میں مضامین وہ ہیں جن کی آج ہمیں سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

دین اسلام معاملات کا' اخلاق کا برتاؤ کا' انسانی سلوک کا دین ہے۔ اس میں صرف پوجا پاٹ اور صرف بندگی اور عبادت ہی نہیں بتائی گئی ہے بلکہ اس مذہب میں سب سے اہم چیز یہ ہے کہ تمہارا برتاؤ انسانوں کے ساتھ کیسا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے پڑوس میں ایک عورت ہے جو عبادتیں بہت کرتی ہے۔ قرآن کی تلاوت کرتی رہتی ہے۔ روزے رکھتی ہے۔ مگر اس کا برتاؤ اتنا خراب ہے کہ جس سے بھی بات کرتی ہے اس کا دل توڑ دیتی ہے۔ اس کا شوہر ناراض' بھائی ناراض' اس کے والدین ناراض اور ایک دوسری عورت ہمارے

پڑوس میں ہے جو عبادتیں تو واجبی واجبی سی کرتی ہے مگر اس کی ہوا بہت اعلیٰ ہے۔ ماں باپ بھی خوش ہیں۔ اس کا برتاؤ اچھا ہے یا رسول اللہ ﷺ آپ یہ بتائیے کہ ان دونوں عورتوں کا آخرت میں کیا انجام ہونے والا ہے۔ اور کیا حشر ہونے والا ہے۔؟

حضور اکرم ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ کہ وہ عورت جو عبادتیں تو بہت کرتی ہے لیکن اس کا برتاؤ انسانوں کے ساتھ خراب ہے۔ فرمایا کہ وہ اپنی "بداخلاقی" کی وجہ سے جہنم میں جائے گی اور جو عورت عبادتیں تو اگرچہ واجبی واجبی کرتی ہے لیکن اس کا برتاؤ اچھا ہے۔ فرمایا کہ وہ "حسن اخلاق کی بدولت" جنت میں جائے گی۔ جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دین اسلام میں سب سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ انسانوں کے ساتھ سلوک کیسا؟ چھوٹوں کے ساتھ برتاؤ کیسا۔ بڑوں کے ساتھ برتاؤ کیسا؟ برابر والوں کے ساتھ برتاؤ کیسا؟ اقبال نے بالکل صحیح کہا تھا۔ فرمایا کہ

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

مجھے تو ایسا آدمی چاہئے جو انسانوں کے ساتھ پیار کرنے والا اور عام انسانوں سے اچھا سلوک کرنے والا ہو۔ معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ اہمیت برتاؤ کی' اخلاق کی' معاملات کی ہے اور اخلاق اور معاملات میں بہت تھوڑا سا فرق ہے۔ معمولی فرق ہے کوئی زیادہ فرق نہیں ہے۔ اخلاق بھی انسانی برتاؤ کو کہتے ہیں اور معاملات بھی انسانی برتاؤ کو کہتے ہیں۔ لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اگر کوئی معاملہ انسانوں کے درمیان ایسا ہے کہ جسے اسلامی عدالت میں چیلنج کیا جا سکے۔ وہ معاملات میں شامل ہے جیسے کسی نے شادی کی "بیوی کو نفقہ نہیں دیا" کورٹ میں جا کر کے وہ نفقے کا دعوے کر دے۔ آپ نے کسی کے ہاتھ کوئی چیز بیچ دی۔ اس نے اس کی قیمت ادا نہیں کی۔ اس کا دعویٰ اسلامی عدالت میں کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے قرض لیا اور دیا نہیں اس کو کورٹ میں چیلنج کیا جا سکتا ہے۔ اور جتنے برتاؤ ایسے

بھی ہوتے ہیں جس کو کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے آپ کسی کے مکان
پر پہنچے۔ وہ کھانا کھا رہا ہے اور اس نے گردن اٹھا کر آپ کو دیکھا تک نہیں آپ
بیٹھے رہے اور وہ کھانا کھاتا رہا۔ اب یہ کتنی بڑی بد اخلاقی ہے کہ آنے والے سے تو
یہ پوچھا تک نہیں۔ مگر آپ اس کو کسی کورٹ میں جا کے چیلنج نہیں کر سکتے۔ یہ نہیں
کہہ سکتے کہ صاحب! اس نے ایک نیا جرم کیا ہے لہٰذا اس کو عدالت وقت سزا
دے۔

معاملات اور اخلاق دین کی جان ہیں۔ اور ان میں روح کا درجہ رکھتی ہے
امانت و دیانت۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک زمانہ آئے گا کہ مسلمانوں میں نماز باقی
رہ جائے گی۔ امانت دلوں سے اٹھ جائے گی۔ اور دوسری حدیث میں یہ ہے کہ
ایک وقت ایسا آئے گا کہ جب مسلمان رات کو سوئیں گے اور صبح کو امانت ان کے
دلوں سے اٹھ جائے گی۔ بالکل اسی طرح پر کہ جس طرح انگوٹھی کے اوپر سے نگینہ
غائب ہو جاتا ہے۔

لہٰذا اس بات کی سب سے زیادہ ضرورت اور اہمیت ہے کہ سرکار دو عالم
ﷺ کی تعلیمات جو امانت و دیانت ہیں۔ ان کا تذکرہ کیا جائے اور خود صاحب بھی
سرکار دو عالم ﷺ کا امین ہے۔ فرمایا کہ: إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ۔ فَاتَّقُوا اللَّهَ
وَأَطِيعُونِ۔ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ
الْعَالَمِينَ

مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ انیسویں پارے میں آتا ہے کہ ہر نبی اور
پیغمبر جو اس دنیا میں تشریف لاتے ہیں تو وہ آکر یہ کہتے ہیں کہ میں عالم غیب سے خدا
کا نمائندہ بن کر آیا ہوں اور اگر آپ یہ کہیں کہ صاحب! آپ عالم غیب سے
آئے ہیں نشانی کیا ہے۔؟ ہم کیسے پہچانیں؟ تو فرمایا کہ سب سے بڑی پہچان میری یہ
ہے کہ میرے ساتھ تم برتاؤ کر کے دیکھو۔ تم مجھے صاحب امانت و دیانت پاؤ گے۔
میرا قول سچا، میرا معاملہ سچا گویا نبی کی سب سے پہلی علامت اور نشانی یہ ہے کہ
جب نبی دنیا میں آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو جوہر امانت عطا فرماتے ہیں۔ اور ساری

دنیا اس جوہر امانت کو دیکھ کر یقین کر لیتی ہے کہ یہ اللہ کے نبی ہیں۔ اگرچہ حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ابھی نبوت و رسالت سے سرفراز نہیں فرمایا۔ مگر قوم نے آپؐ کو لقب دیا ہے "الصادق الامین" یہ لقب ہے سرکار دو عالم ﷺ کا۔ آپؐ سچے بھی ہیں اور صاحب امانت و دیانت بھی ہیں۔ نبوت سے پہلے ہی سے ہے یہ لقب آپ ﷺ کا۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو نبوت عطا فرمائی اس وقت بھی اسی لفظ امانت سے اس کو تعبیر فرمایا ہے۔ فرمایا کہ

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔ (پارہ ۲۰ آیت ۷۲)

دین اور شریعت کا نام ہی اصل میں امانت رکھا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے سر پر جو نبوت کا تاج رکھا گیا تو اس ذمہ داری کا نام امانت تھا۔ نبوت سے پہلے بھی امین جب نبوت ملی تو اس کا نام امانت رکھا۔ پھر مکی زندگی آئی تو اس میں بھی سرکار دو عالم ﷺ امین ہیں۔ اس وقت بھی آپؐ کا لقب امین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مکی زندگی میں بھی ' مدنی زندگی میں بھی۔ مکے سے ہجرت فرما کر مدینے تشریف لے آئے۔ تشریف لاتے ہی قرآن کی آیتیں نازل ہوئیں۔ فرمایا کہ

وَاذْكُرُوْا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُوْنَ أَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوٰكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ (قال الملاء انفال آیت ۲۶)

"اے مدینے میں آباد ہونے والے مسلمانو ! اپنا ماضی یعنی مکے کا دور بھلا نہ دینا۔ کیا کیا تم پر وہاں پہ تکلیفیں گزری ہیں۔ ہیں اگر وہ تکلیفیں تم نے بھلا دیں تو مدنی زندگی میں جو کچھ تمہیں ملا ہے۔ اس کا شکر ادا نہیں کر سکو گے۔ انہیں یاد رکھنا۔ مدینے کاہے کے لئے آئے تھے

مدینے میں آنے کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں دو امانتیں عطا کی ہیں۔ ایک انسانوں کی امانت اور ایک اللہ کے رسول ﷺ کی امانت۔

اور مدینے میں آکر چھ سال کے بعد جب آپؐ عمرہ ادا کرنے کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں۔ مشرکین مکہ نے آپؐ کو جانے سے روک دیا ہے۔ یہ صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے۔ یہ سن چھ ہجری کا ہے۔ اور مسلمان اتنے کمزور ہیں اتنے کمزور ہیں کہ مصالحت کی ہے مشرکین سے۔ اور اس طریقے سے مصالحت کی ہے کہ اس کی بعض دفعات ایسی تھیں کہ حضرت سیدنا عمر فاروق ؓ کو پسند نہیں تھیں۔ مثلاً ایک یہ ہے کہ اگر مدینے سے کوئی مکے جائے گا تو مکے والے پابند نہیں ہوں گے اس کو واپس کرنے کے۔ لیکن مکے سے اگر کوئی مدینے میں آئے گا تو مدینے والے ذمہ دار ہوں گے کہ اس کو واپس کریں۔ حضرت سیدنا عمر فاروق ؓ عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ آپ اللہ کے سچے نبی ہیں۔ کیا نعوذ باللہ تائید (حمایت و نصرت) آپ کے ساتھ نہیں ہے؟ یہ اتنا دب کر مصالحت کرنا ہمیں پسند نہیں ہے۔ مگر حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا لحاظ نہیں کیا اور آپؐ نے دب کر مصالحت کر لی۔ جب مصالحت ہو گئی اور آپؐ واپس ہونے لگے کہ اگلے سال آپؐ کو عمرہ ادا کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ اب آپؐ واپس جائیے۔ آپؐ واپس جا رہے ہیں راستے میں آیت نازل ہوئی فرمایا کہ

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا (الفتح ۴۸)

یہ جو صلح حدیبیہ ہے اس کو آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دب کر صلح کی ہے۔؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح مبین عطا فرما دی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ صلح حدیبیہ کا معاملہ جو ہے یہ ذریعہ بن گیا ہے ایک بڑی فتح کا۔ کیسے؟ اس لئے کہ آگے ہم پابند تھے۔ کیونکہ اب تک دونوں طرف سے راستہ بند تھا۔ مکے سے مدینہ میں کوئی نہیں جا سکتا تھا۔ یعنی تجارت کا قافلہ مکے سے مدینے نہیں جا سکتا تھا۔ اور قافلہ تجارت کا مدینے سے مکے نہیں جا سکتا

تھا۔ لیکن اس صلح کے ذریعے سے اب یہ راستہ کھل چکا ہے۔ اور راستہ کھل جانے کی وجہ سے دو سال کے اندر اندر مکہ مکرمہ فتح ہو گیا ہے۔ کسی دوسری قوم کو یقین نہیں آتا کہ سن ۶ھ میں مسلمان اتنے مجبور ہیں کہ دب کر صلح کر رہے ہیں اور سن ۸ھ میں تعداد اتنی بڑھ گئی اور اتنی طاقت ہو گئی ہے کہ مسلمانوں نے مدینے سے جا کر مکہ کو فتح کر لیا ہے۔ اندازہ تو لگایئے ڈیڑھ دو سال کے اندر یہ اتنی تعداد کہاں سے آ گئی ہے؟

علماء نے لکھا ہے کہ راستہ کھل جانے کی وجہ سے جو قافلہ مکے سے مدینے جاتا تھا اور مدینے سے شام کی طرف جاتا تھا۔ مدینے میں پہنچ کر جب مسلمانوں کی محبت اور مسلمانوں کا طرز عمل دیکھتا تھا تو قافلے کا قافلہ کلمہ پڑھ کے مسلمان ہو جاتا تھا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دو سال کے اندر اس کی آمد و رفت کی وجہ سے اتنی بڑی تعداد مسلمانوں کی ہو گئی کہ سن ۸ھ میں مکہ فتح ہوا اور جب حضور اکرم ﷺ مکے میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوئے حرم میں پہنچے تو سب سے پہلے جو آیتیں نازل ہوئی ہیں وہ یہی ہیں کہ فرمایا کہ۔ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (الْمُسْتَ النساء آیت ۵۸)

آج اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اقتدار دیا ہے۔ اور حضرت مولانا شاہ الیاس صاحب (بانی تبلیغی جماعت) کے مسلمانوں کو نہیں بلکہ اسلام کو اقتدار ملا ہے۔ تقسیم ہند سے پہلے ایک مرتبہ بستی نظام الدین (دہلی) میں فرمانے لگے کہ مولوی صاحب یہ دعا نہ مانگو کہ مسلمانوں کی حکومت ہو جائے۔ یہ دعا مانگو کہ اسلام کی حکومت ہو جائے۔ پھر وضاحت فرمایا کہ اگر مسلمانوں کی حکومت ہو گی تو اسلام ان کے ہاتھ میں آئے گا۔ اور وہ اسلام سے اپنا حکم چلائیں گے۔ اور اگر اسلام کی حکومت آ گئی تو اسلام اپنا حکم خود آپ ہی چلائے گا۔

سن ۸ ہجری کے اندر مکہ فتح ہوا اور یہ پہلا دن ہے کہ جب دنیا میں اسلام کو

اقتدار ملا ہے۔ اور سب سے پہلے حکم کیا دیا گیا ہے۔؟ ایک امانت قائم کرنا اور دوسرا عدل و انصاف قائم کرنا۔

آپ نے دیکھا کہ فتح کرنے کے بعد بھی وہی امانت کی تعریف ' مدینے میں پہنچے تو وہی امانت کی تعریف ' نبوت عطا کی گئی تو اس کا نام امانت رکھا۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب تجویز ہوا۔ تو الصادق الامین ۔ لیکن ابھی یہ بات باقی رہ گئی ہے کہ امانت اور امین کسے کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ "زمانہ" "تحریف الفاظ" کا زمانہ ہے۔ کیا مطلب؟ تحریف الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ الفاظ اسلام کے ہوں' مطلب اسلام کے نہ ہوں۔ معنی اپنی مرضی کے ڈالو اور اس زمانے میں لوگ کہتے ہیں کہ جی مساوات بڑی اچھی چیز ہے۔ اسلام مساوات کی تعلیم دیتا ہے۔ اچھا صاحب ! اب یہ بھی تو بتائیے کہ آپ کے ذہن میں اسلام کی مساوات کے کیا معنی ہیں۔؟ کہتے ہیں کہ مساوات کے معنی یہ ہیں کہ جو کام ایک کرے وہی دوسرا کرے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ باہر پھرتے ہیں تو عورتیں بھی باہر پھریں۔ آپ نوکری کرتے ہیں تو عورتیں بھی نوکری کریں۔ آپ فوج میں جاتے ہیں تو عورتیں بھی فوج میں جائیں۔ تو اگر ایک ہی کام کرنے کا نام مساوات ہے تو ذرا سوچ سمجھ کے کہئے گا کہ کل کو اگر کہیں عورتوں نے یہ کہہ دیا کہ یہ نو (۹) مہینے کا بوجھ ہم اکیلے کا ہے کو اٹھائیں آپ بھی ہمارے ساتھ اٹھائیں ' ساڑھے چار مہینے ہم اٹھائیں ' ساڑھے چار مہینے تم اٹھاؤ' تب تو سمجھئے مساوات ہوئی بات ہوئی۔ (اس پر اہالیان مدراس نے ایک قہقہہ بلند کیا اور حضرت مولانا تھانوی کو خوب داد دی) آپ جواب یہ دیں گے کہ درحقیقت کام کے مشترک ہونے کا نام مساوات نہیں ہے۔ بلکہ حقوق سب کے برابر ہوں۔ اس کا نام مساوات ہے۔ جان کا حق ' مال کا حق ' عزت و آبرو کا حق ' اسلام نے کہیں آپ کو یہ حکم نہیں دیا ہے کہ آپ کی جان ' عورت کی جان سے زیادہ قیمتی ہے کہیں اسلام نے یہ نہیں کہا کہ آپ کا مال عورت کے مال سے زیادہ قیمتی ہے۔ کہیں اسلام نے یہ نہیں کہا کہ آپ کی عزت عورت کی عزت سے زیادہ قیمتی ہے۔ نہیں سب برابر ہیں۔ جو حیثیت مرد کے مال کی ہے وہی حیثیت عورت کے مال کی ہے۔ جو حیثیت مرد

کہا جاتا ہے وہی حیثیت عورت کی جان کی ہے۔ جو حیثیت مرد کی عزت کی ہے۔ وہی
حیثیت عورت کی عزت کی ہے۔ خیر یہ زمانہ قلت الفاظ کا زمانہ ہے۔ امانت کے معنی
معلوم کیجیے۔ امانت کے معنی آپ کے اور ہمارے ذہنوں میں یہ ہے کہ میں نے آپ
کے پاس رقم رکھوائی۔ میں نے آپ کے پاس صندوق رکھوایا۔ بس یہ امانت ہے۔
اس سے زیادہ کوئی وجود امانت کا ہمارے ذہنوں میں نہیں ہے۔ مگر میں آپ سے
دریافت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جیسا کہ میں اس سے پہلے بھی عرض کر چکا
ہوں کہ ہم نے آسمانوں پر، زمینوں پر، اور پہاڑوں پر امانت کو پیش کیا تو کیا اللہ
تعالیٰ رقم رکھوانا چاہتے تھے۔ یا کوئی صندوق رکھوانا چاہتے تھے۔ فرمایا کہ إِنَّا
عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ
يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا۔
(ومن یقنت ۲۲ الاحزاب ۳۳ آیت ۷۲)

معلوم ہوا ہے کہ امانت کے یہ معنی نہیں ہیں۔ امانت کے ایسے معنی ہیں جو
انسان کی ساری زندگی پر حاوی ہوں۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ المستشار
موتمن جس آدمی سے کسی معاملے میں مشورہ کیا جائے اس کے پاس تمہاری
امانت ہے۔ مثلاً آپ اپنی بیٹی کے سلسلے میں مشورہ کر رہے ہیں کہ بھئی اس کی
شادی کروں یا نہ کروں۔؟ اگر اس نے بات کو ظاہر کر دیا ہے تو اس نے امانت میں
خیانت کی ہے کیونکہ جس معاملے میں مشورہ کیا جاتا ہے اس معاملے کو بھی مخفی رکھنا
مقصود ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے المجالس بالامانۃ۔ یہ جو مجلس عام ہم
لگاتے ہیں اور خوب گپ شپ ہوتی ہے۔ بیٹھ کے باتیں ہوتی ہیں فرمایا کہ اس مجلس
میں بھی ایک امانت ہے۔ جتنے آدمی مجلس والے ہیں۔ ان کی یہ ذمہ داری ہے کہ
مجلس کے باہر باتیں نہ کریں۔ جو مجلس میں ہوئی ہیں۔ اور اگر انہوں نے جا کر وہ
باتیں کہہ دیں تو انہوں نے امانت میں خیانت کی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ یہ جو
تمہارے نکاح میں اللہ تعالیٰ نے عورتیں دی ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں۔ جو
تمہارے ہاتھ میں ہیں۔ معلوم ہوا کہ بیویوں کے ساتھ برتاؤ اور بیویوں کے ساتھ

سلوک یہ بھی امانت ہے۔

مجلسوں کی ذمہ داری پوری کرنا یہ بھی امانت ہے۔ جو مشورہ طلب کرے اس کے راز کو چھپانا یہ بھی امانت ہے بلکہ ایک واقعہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی نظر میں شاید انسان ہی وہ آدمی کہلانے کا مستحق ہے جس میں جوہر امانت ہو۔ وہ واقعہ یہ ہے۔

"حضرت سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جو فرعون کے گھر میں پرورش پا رہے ہیں اور فرعون کی بیوی کا نام ہے آسیہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب صندوق میں بہا دیئے گئے تو آسیہ نے اٹھا لیا ہے۔ اور اٹھا کے ان کی پرورش کی ہے۔ فرعون نے کہا کہ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بنی اسرائیل ہی کا کوئی بچہ ہے۔ آسیہ نے کہا ہاں معلوم تو مجھے بھی کچھ ایسا ہی ہوتا ہے لیکن بات یہ ہے کہ اگر یہ بچہ ہمارے یہاں پرورش پائے گا تو بڑا ہو کر ہماری حکومت کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ یہ تو ہماری اولاد جیسا ہو گا۔ فرعون کی سمجھ میں یہ بات آ گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہاں جوان ہو گئے۔ باہر نکلے دیکھا کہ ایک قبطی ایک اسرائیلی سے لڑ رہا ہے اسرائیلی غیر ملکی تھے اور قبطی ملک کے رہنے والے تھے۔ اسرائیلی غیر ملکی اس لئے تھے کہ یہ ملک شام کے رہنے والے تھے جو مصر میں آ کر آباد ہو گئے تھے اور لوکل آبادی کا نام تھا قبطی۔ رنگ و روپ چہرے سے سب الگ الگ معلوم ہو جاتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ دیکھا کہ ایک قبطی مار رہا ہے یا لڑ رہا ہے ایک اسرائیلی سے تو آگے کو بڑھے اور آگے کو بڑھ کر ایک زوردار طمانچہ اس کو لگایا۔ خدا کی شان ہے کہ وہ طمانچے سے بیچارہ گر کے مر گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصد اس کو قتل کرنا یا جان سے مارنا نہیں تھا۔ یہ چلے گئے کسی کو کچھ پتہ نہ چلا۔ کہ اس قبطی کو کس نے مارا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اگلے دن پھر وہاں گئے تو دیکھا کہ وہی اسرائیلی جو ہے وہ کسی دوسرے قبطی سے لڑ رہا ہے تو ان کو خیال پیدا ہوا کہ یہ تو اسرائیلی ہی اصل میں بڑا لڑاکا معلوم ہوتا ہے کل بھی لڑ رہا تھا۔ آج بھی لڑ رہا ہے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اسرائیلی کی طرف آگے کو بڑھے۔ تو اس کو یہ

حضرت تو معلوم ہی تھا کہ کل انہوں نے ایک چانٹا جو قبطی کو مارا تھا تو وہ مر گیا تھا۔ اگر آج انہوں نے کہیں مجھے مار دیا تو میں بھی مر جاؤں گا۔ اس نے چلانا شروع کیا۔ ارے وہ جو کل آدمی مرا تھا اس کے قاتل یہ ہیں۔ انہوں نے قتل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے کہ آپ مصر چھوڑ کر چلے جائیں۔ اور مدین چلے جائیں۔ اور مدین وہ جگہ ہے کہ جہاں پر حضرت شعیب علیہ الصلوۃ والسلام رہتے تھے۔ انہیں معلوم نہیں ہے۔ ایک اجنبی مسافر کی حیثیت سے یہ گئے مدین میں۔ اور وہاں جب پہنچے تو دیکھا دو جوان العمر لڑکیاں برتن لئے ہوئے کھڑی ہیں پانی کا۔ حضرت موسیٰ اٹھے اور پوچھا صاحبزادی تم یہاں کیسے کھڑی ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم یہاں پانی بھرنے کے لئے آئی ہیں۔ مگر ہمارے گھر والوں کا حکم ہے کہ جب تک مرد پانی بھر کے فارغ نہ ہو جائیں اس وقت تک تم پانی بھرنے نہیں جانا۔ اس لئے انتظار کر رہی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ لاؤ برتن مجھے دے دو۔ دونوں کے سروں پر سے وہ برتن لے لیا۔ کپڑے اتار لئے اور جا کے خود پانی کھینچا اور سر پر اٹھا کے لائے۔ لا کے لڑکیوں کے سروں پر رکھ دیا۔ اور کہا جاؤ اب تم چلی جاؤ۔

یہ لڑکیاں آج جو گھر پہنچیں تو ان کے والد گرامی حضرت شعیب نے سوال کیا کہ آج اتنے سویرے اتنی جلدی آگئیں۔ کیا مردوں میں گھس کے پانی بھرا تھا۔ انہوں نے کہا کہ نہیں، یہ بات نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ ہم انتظار میں کھڑی تھیں ایک شریف آدمی کو دیکھا جس نے ہم سے کہا کہ تم اپنے برتن مجھے دے دو۔ ہم نے برتن دے دیا۔ وہ برتن لے کے گیا اور پانی بھر کے لایا۔ اور سروں پر رکھ دیا۔ ہم لے کے چلی آئیں۔ بات ختم ہو گئی۔ مگر یاد رکھئے گا کہ اخلاق اور برتاؤ کا سکہ جو ہے وہ انسان کے دل پر بیٹھ جاتا ہے۔ وہ دونوں لڑکیاں کہتی ہیں۔ فرمایا کہ

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۖ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ۔ (احسن خلق ۱۲۰ القصص ۲۸ آیت ۲۶)

"ابا جان وہ آدمی کہ جس نے ہمیں پانی بھر کے دیا تھا۔ آپ اسے نوکر رکھ

لیں۔"

انہیں نہیں معلوم کہ وہ کون ہیں۔ ابا جان اسے نوکر رکھ لیں آپ' کیوں۔؟ اس لئے کہ جس انسان کو نوکر رکھا جاتا ہے اس میں دو خوبیاں ہونی چاہئیں (Two Qualifications) ایک یہ کہ وہ کام کر سکتا ہو۔ اور دوسرے یہ کہ وہ صاحب امانت ہو۔ اور ابا جان ہم آپ کو یقین دلاتی ہیں کہ اس میں یہ دونوں باتیں اور دونوں خصوصیات موجود ہیں۔ آپ اسے نوکر رکھ لیں۔ اس واقعے سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ انسان درحقیقت وہ ہے کہ جس کے اندر جوہر امانت موجود ہو۔ اگر اس کے اندر جوہر امانت نہیں تو وہ آدمی انسان کہلانے کے لائق بھی نہیں ہے۔ اب آپ نے دیکھا کہ یہ کتنا اہم حصہ ہیں۔ اگر جوہر امانت ہے تو ساری زندگی اچھی ہے اور اگر جوہر امانت نہیں ہے تو ساری زندگی خراب ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ میں جو جوہر پیدا کیا تھا وہ جوہر جوہر امانت تھا۔ اور جوہر امانت کی خاصیت یہ لکھی ہے کہ جب فاروق اعظم ؓ کا زمانہ آیا تو قیصر روم کی طرف سے مسلمانوں کو دیکھنے کے لئے ایک شخص آیا۔ اس نے مسلمانوں کو دیکھا اس نے یہ نہیں دیکھا کہ مسلمان نمازیں کتنی پڑھتے ہیں؟ تلاوت کتنی کرتے ہیں؟ آپ کی تسبیح میں دانے ہیں وہ کتنے ہیں سو سو ہیں یا پانچ سو ہیں۔؟ یہ نہیں دیکھا بلکہ یہ دیکھا کہ مسلمان خرید و فروخت میں کیسے ہیں۔ لین دین کے کیسے ہیں' وعدے اور عہد میں کیسے ہیں۔ جب مسلمانوں کو اچھی طرح پرکھ لیا تو وہ واپس ہو گیا۔ واپس ہونے کے بعد اس نے قیصر روم سے کہا کہ آپ دربار سجائیں۔ اور میں رپورٹ دوں گا مسلمانوں کے بارے میں کہ مسلمان کیسے ہیں؟ کہتا ہے کہ میں نے مسلمان قوم کو دیکھا ہے۔ اور میری رپورٹ صرف دو لفظوں میں ہے اور وہ یہ ہے کہ لا یخدع ولا یخدع مسلمان نہ تو کسی کو دھوکہ دیتا ہے اور نہ مسلمان کسی سے دھوکہ کھاتا ہے۔ یہ سن کر روم کا بادشاہ قیصر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ واقعی اگر یہ جوہر مسلمان قوم کا ہے جو تم نے یہاں بیان کیا ہے۔ تو پھر آپ تیار رہئے کہ آپ کے ملک میں وہ مسلمان قابض ہو جائیں گے۔ لوگوں نے کہا ہم سمجھے نہیں۔

قیصر روم نے کہا کہ جو قوم دھوکہ نہیں دیتی اس کی امانت باقی ہے۔ اور جو قوم کسی سے دھوکا کھاتی نہیں ہے اس کا تدبر اور اس کی سیاست باقی ہے۔ اور جس قوم کے اندر یہ دونوں جوہر موجود ہوں دنیا میں وہ قوم کسی سے ہار نہیں کھا سکتی۔

تو بھئی! فاروق اعظم ؓ کے زمانے میں ہماری اور آپ کی پہچان کیا تھی؟ لایخدع ولا یخدع مسلمان نہ تو دھوکا دیتا ہے اور نہ دھوکا کھاتا ہے۔

ایمانداری سے بتایئے کہ کیا آج بھی ہماری اور آپ کی یہی پہچان ہے۔ نہیں' برا ماننے کی بات نہیں ہم اور آپ سب شامل ہیں۔

ایک مسجد میں کوئی بے چارہ سو رہا تھا اور اس کی چادر اس کے پاس رکھی ہوئی تھی۔ کوئی آدمی اس کی چادر کو لے کر بھاگنے لگا کہ میں چادر چرا کے لے جاؤں۔ اس سونے والے کی آنکھ کھل گئی اور آنکھ کھلتے ہی وہ پیچھے دوڑا اور کہنے لگا کہ حاجی جی یہ کیا کرتا ہے' حاجی جی یہ کیا کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ تجھے یہ کیسے پتہ چلا کہ میں حاجی ہوں؟ اس نے کہا کہ مجھے یہ خیال ہوا کہ یہ حرکت کوئی حاجی ہی کر سکتا ہے۔ اس لئے میں نے عرض کیا کہ آج ہماری جو پہچان ہونی چاہئے تھی وہ نہیں رہی اور اس پر مجھے واقعہ یاد آگیا۔

حضرت ملاجیون ؒ۔ اورنگزیب عالمگیر کے یہ استاد ہیں۔ بڑے بھولے بھالے ہیں۔ بڑے نیک ہیں اور جو بے چارہ بھولا بھالا ہوتا ہے تو مسلمان اسے جینے نہیں دیتے۔ اسے بڑا پریشان کرتے ہیں۔ اور ستاتے ہیں۔ ملاجیون کو بھی بڑا پریشان کرتے تھے۔ لیکن یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ملاجیون جو تھے یہ اپنی بیوی سے بہت ڈرتے تھے۔ تو خیر میں تو کہہ دیا کرتا ہوں کہ اس زمانے میں ہم لوگ آپ سب ہی ملاجیون ہیں۔ کیونکہ سب ہی اپنی اپنی بیویوں سے ڈرتے ہیں۔ یہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کھانا کھا رہے تھے۔ بیٹھے ہوئے تھے۔ دال میں نمک کم تھا۔ اتنی ہمت نہیں تھی کہ بیوی سے کہتے کہ دال میں نمک کم ہے آہستہ آہستہ اپنے پاؤں پلنگ سے نیچے اتارے۔ بیوی نے ذرا گھور کر پوچھا کہ کہاں جاتے ہو؟ تو آہستہ سے کہا کہ میں ابھی آتا ہوں۔ سیدھے چلے گئے عالمگیر کے پاس۔ اورنگزیب عالمگیر شاہ ہندوستان نے پوچھا

کہ مولانا کیسے تشریف لائے؟ تو کہا کہ ایک واقعہ پیش آگیا ہے۔ فوج کا ایک دستہ میرے ساتھ بھیج دو۔ مولانا آپ کیا کریں گے فوج کا؟ اجی ایک خانگی معاملہ پیش آگیا ہے۔ آپ بھیج تو دیجئے۔ انہوں نے اپنے سپاہیوں سے کہا کہ تم چلے جاؤ ملاجیون کے ساتھ۔ لیکن دیکھو یہ ہمارے استاد ہیں ذرا لحاظ رکھنا ان کا۔ یہ لیفٹ رائٹ (Left Right) کرتے ہوئے اس فوجی دستے کو لے کر آرہے ہیں۔ اور لاکر اس فوجی دستے کو چاروں طرف تھوڑے تھوڑے فوجیوں کو کھڑا کر دیا اور کچھ فوجیوں کو لے کر اپنے مکان کی چھت پر گئے اور چھت پہ جا کے اپنی بیوی کو آواز دی۔ وہ بیوی صحن میں آگئی۔ تو کہتے ہیں کہ آج دال میں نمک پھیکا تھا۔ کیوں پھیکا تھا۔ بیوی نے کہا اس میں ایسی کون سی بات تھی۔ کبھی کبھی پھیکا ہو جاتا ہے۔ تو تب ملاجیون نے فوجی سردار سے کہا کہ جاؤ بھئی جاؤ خیریت ہی گزر گئی۔ معاملہ بڑھا نہیں۔ کچھ بھی نہیں ہوا۔ کہ زیادہ ہی سچے تھے۔ مگر بڑے اللہ والے اور بڑے بھولے بھالے تھے۔

اس زمانے میں کسی آدمی نے ان سے کہہ دیا کہ ملاجی آپ کا مکان اب گر جائے گا۔ اس لئے پی ڈبلیو ڈی (P.W.D) کے آدمی آئیں گے اور آپ کا مکان گرا دیں گے۔ بھئی کیوں گرا رہے ہیں۔ یہاں سے ایک سڑک نکالی جائے گی سرکاری۔ ارے بھائی سڑک کیسے نکالی جائے گی یہ تو جمنا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ کو پتہ نہیں ہے سڑک نکالی جا رہی ہے۔ اور کچھ آدمی گئے ہیں جمنا کا پل وہاں سے اٹھا کر لا رہے ہیں۔ یہاں اس کو لگائیں گے تو ملا جی اپنے شاگرد عالمگیر کے پاس پہنچے اور کہا کہ دیکھو بھئی تمہیں تو معلوم ہے کہ میں تو بڑا ہی شریف آدمی ہوں۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ تمہاری حکومت میرا مکان گرا رہی ہے اور وہاں سے سڑک نکال رہے ہیں۔ اور یہ سنا ہے کہ جمنا کا پل اٹھا کر لا رہے ہیں اور وہاں سے یہاں پہ لگائیں گے۔ عالمگیر کو یہ سن کر ہنسی آگئی۔ اور کہا کہ مولانا آپ کو یہ خیال نہیں ہوا کہ جمنا کا پل بھی اٹھا کے لایا جا سکتا ہے کہیں؟ ان کو غصہ آگیا۔ ملاجیون کو ملاجیون نے کہا کہ خدا کی قسم! مجھ سے یہ بات ایک مسلمان نے کہی ہے۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ جمنا کا

پل وہاں سے اٹھ کے یہاں آسکتا ہے۔ مگر ایک مسلمان جھوٹ نہیں بول سکتا۔

آپ نے اندازہ لگایا کہ یہ وہ کردار تھا اور یہ وہ جوہر تھا جو سرکار دو عالم ﷺ نے امت مسلمہ کے دور میں پیدا کیا تھا۔ یہی وہ جوہر تھا کہ جس سے دنیا میں انھوں نے سیادت و سرداری حاصل کی۔ قوت و بازو کے ذریعے سے نہیں، طاقت کے ذریعے سے نہیں، بلکہ کریمانہ انداز سے، امانت و دیانت کے ذریعے سے۔ دنیا کے دل پر سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ اور ہمیں تو اپنے بچپن کی بات ابھی تک یاد ہے غیر مسلم یہ کہا کرتے تھے مسلمان ہو کے جھوٹ نہیں بولتے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انھیں یہ یقین تھا کہ جو آدمی مسلمان ہوتا ہے وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ لیکن آج آپ بتائیے کہ کیا ہمارا وہی کردار ہے۔؟ کیا آج ہمارے اندر وہی جوہر امانت موجود ہے۔ اور ممکن ہے کہ آپ کے یہاں تو ہو بھی بہرحال ہر آدمی اپنے گھر کے حال سے بخوبی واقف ہے۔ سب جگہ سب کم و بیش مسلمانوں کا حال ایسا ہی ہے۔ کہیں کم ہے اور کہیں زیادہ ہے۔ آج دوا میں ڈالنے کے لئے اگر کہیں جوہر امانت تلاش کرو تو نہیں ملتا۔ امانت غائب ہے، دیانت باقی نہیں ہے، زندگی کے ہر شعبے میں خیانت ہی خیانت ہے۔ تو کیا آج ہماری یہ پہچان ہے کہ جس سے ہم کبھی پہچانے جاتے تھے۔ کیا اب وہ پہچان باقی رہی ہے۔

میں نے ایک کتاب پڑھی تھی طالب علمی کے زمانے میں جس کا نام تھا "معراج الارواح" شاید اب نہیں پڑھائی جاتی۔ اس کے حاشیے پر ایک واقعہ لکھا تھا کہ ایک آدمی تھا۔ اس کو لوگ کہتے تھے۔ احمق آپ سمجھ لیجئے کہ جیسے سرکس کا جوکر وہ ہر وقت اپنے گلے کے اندر ہار ڈالے رکھتا تھا۔ ہر وقت اپنے گلے میں ہار پہنے ہوئے رہتا تھا۔ کسی نے کہا کہ یار یہ ہار اتارتے کیوں نہیں۔ تو کہنے لگا کہ اس ہار کو کاہے کے لئے اتاروں؟ ہار سے تو میں پہچانا جاتا ہوں۔ ہار اتاروں گا تو مجھے تو کوئی پہچانے گا بھی نہیں۔ اس نے کہا کہ یہ بڑا بے وقوف آدمی ہے۔ ایک دفعہ اس کے دوست نے یہ کیا کہ جب یہ سو گیا تو اس کے گلے سے ہار اتار کے اپنے گلے میں ڈال لیا۔ صبح اٹھا اور وہ اپنا گلہ دیکھتا ہے۔ اس دوست کا گلہ دیکھتا ہے۔ پھر دوبارہ

اپنا گلہ دیکھتا ہے۔ پھر اس کا گلہ دیکھتا ہے۔ کہتا ہے " آپ ذرا یہ جملہ غور سے سنیں۔ وہ یہ کہتا ہے کہ یار میں تو تو ہو گیا میں کہاں گیا؟ میں تو تو ہو گیا۔ میں کہاں گیا؟ میں کدھر گیا؟ میری علامت اور میری نشانی تو تیرے گلے میں آگئی اور جو میرے گلے میں تھی وہ اب باقی نہیں رہی۔ میں تو اصل میں کھو گیا۔ آپ سمجھیں وہ جواہر امانت کا ہار جو کبھی مسلمان اور مومن کے گلے میں ہوتا تھا۔ میرے دوستو آج وہ مسلم قوم کے گلے میں نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ دوسری قوم کے گلے میں ہو۔ اب پھر یہ کہنا پڑتا ہے کہ کہ یار یہ تو بتاؤ میں تو تو ہو گیا میں کہاں گیا۔؟

قرآن کریم کی یہ آیتیں تعلیم دیتی ہیں کہ مسلمان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ قول میں گفتار میں 'لین دین میں ' برتاؤ میں ' ہر شعبہ زندگی کے اندر مسلمان کے اندر امانت و دیانت ہوتی ہے۔ اگر مسلمان جوہر امانت رکھتا ہے تو اس کو یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ ہم امتی ہیں۔ کس کے امتی ہیں؟ سرکار دو عالم ﷺ کے امتی ہیں۔ جن کا لقب تھا الصادق الامین ' لیکن اگر آج ہمارے اندر خیانت ہے تو میرے دوستو نسبت کرتے ہوئے بھی شاید انہیں لحاظ آتا چاہئے۔ ہم اپنے آپ کو اس نبی کی امت کہتے ہیں کہ جس میں جوہر امانت تھا۔ اور آج ہمارے اندر جوہر امانت کی کوئی خوبی نہیں پائی جاتی۔ غرضیکہ انسانی برتاؤ " انسانی اخلاق کہ جس کی بنیاد اصل میں امانت و دیانت پر ہے اگر یہ ہمارا شعار ہو جائے " یہ خصوصیت ہمارے اندر اگر پیدا ہو جائے تو میرے دوستو آپ کا ' ہمارا عروج جو ہے وہ پھر آسکتا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔ فرمایا کہ

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

اگر آج وہی جوہر امانت ہماری اور آپ کی زندگی کے اندر پیدا ہو جائے تو دنیا کی ساری قومیں متاثر ہوں گی۔ اور پھر دنیا کی ساری قومیں اسلام کی طرف متوجہ ہوں گی۔ بہرحال حضور اکرم ﷺ کی یہ تعلیمات ہیں۔ اور یہ اہم تعلیمات ہیں۔ جن کے بارے میں میں نے مختصراً" عرض کیا اور اب گلے میں بھی میرے تکلیف ہے۔

بس اس سے زیادہ میں آپ کا وقت لینا نہیں چاہتا۔ اب دعا کیجئے اللہ تعالیٰ آپ کو، ہمیں سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

اللھم ارنا الحق حقا و ارزقنا اتباعہ و ارنا الباطل باطلاً و ارزقنا اجتنابہ

(وزیر الحسن خان)

ملت اسلامیہ کا امتیاز

خطبہ ماثورہ

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ....

اما بعد

بزرگان محترم اور برادران عزیز !

ایک سوال

میں نے قرآن کریم کی ایک لمبی سورت تلاوت کی ہے۔ لیکن مجھے اس میں صرف ایک جملے کے بارے میں عرض کرنا ہے۔ برکت کے لئے میں نے ساری سورت تلاوت کی اس سورت کا مضمون یہ ہے کہ حق تعالیٰ قیامت کے مناظر میں سے ایک منظر بیان فرما رہے ہیں۔ کہ جب آسمان زمین ' چاند ' سورج یہ سب معطل ہو جائیں گے۔ دریاؤں کا نظام گڈمڈ ہو جائے گا اور عالم وجود جس میں ہم اور آپ موجود ہیں یہ فنا ہو جائے گا۔ اور ایک عالم نو وجود میں آئے گا۔ اس عالم نو میں اللہ تعالیٰ ہر انسان سے ایک سوال فرمائیں گے۔ انسان خواہ امیر ہو یا غریب ' مرد ہو یا عورت ' ولی ہو یا غوث ' فاسق ہو یا فاجر.... سب سے ایک سوال اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ

آج ہم نے تجھ سے یہ بات پوچھنی ہے کہ ہم نے دنیا کے اندر جب تمہیں بھیجا تھا ہم نے دنیا میں قدم قدم پر ایسی نشانیاں اور علامتیں قائم کر دی تھیں کہ تم ہمیں بھلا نہ سکو۔ چلتے پھرتے ' اوپر دیکھو ' نیچے دیکھو ' دائیں دیکھو ' بائیں دیکھو ' خود اپنے وجود کو دیکھو ' ہر ہر منزل پر ہم نے ایسی نشانیاں اور علامتیں لگا دی تھیں کہ جن علامتوں میں سے تم خدا کو بھول نہ جاؤ۔

لیکن یہ تو بتاؤ کہ پھر بھی تم نے ان نشانیوں کے باوجود جو تم نے خدا کو بھلا دیا تھا۔ تو وہ کون سی چیز تھی جس نے تمہیں خدا سے غافل کر دیا.... فرمایا

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ...... فَعَدَلَكَ......

اس رب اور اس پروردگار کو تم نے فراموش کیا اور بھلایا کہ جو تمہارا خالق ہے جس نے تمہیں نہایت حسین قسم کا قالب دیا۔ جس نے تمہارے اندر بہترین قسم کے پرزے رکھے اور بہترین قسم کی مشینیں رکھیں' اعلیٰ درجہ کی صلاحیتیں تمہارے اندر رکھیں تم کو مظہر صفات خداوندی بنایا...... اس لئے تین لفظ استعمال کئے...... فرمایا......

اَلَّذِيْ خَلَقَكَ...... تمہیں وجود دیا...... فَسَوّٰىكَ...... اور صرف یہی نہیں کہ وجود دیا بلکہ تم کو ایک اچھا سڈول اور ایک اچھا حسین قالب تم کو دیا...... فَعَدَلَكَ اور تمہارے اندر وہ وہ صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائیں کہ اس کائنات کی کسی مخلوق کو وہ صلاحیتیں نہیں دیں۔ اَلَّذِيْ خَلَقَكَ...... فَعَدَلَكَ اور ان انعامات کے ساتھ ساتھ' ان نعمتوں کے ساتھ ساتھ' ایک بھاری نعمت اور ہے۔ فرمایا

فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاۗءَ رَكَّبَكَ

وجود دیا' اچھا قالب دیا...... اچھی صلاحیتیں تمہارے اندر رکھیں۔ اور ایک بات ہم نے تمہارے اندر پیدا کی...... وہ یہ ہے کہ تم سب انسان ہو مگر ہم نے تمہاری شکلوں میں اور تمہاری صورتوں میں تھوڑا تھوڑا' تھوڑا فرق اس طریقے سے باقی رکھا کہ جس کی وجہ سے تم ایک دوسرے کو پہچان سکو...... فرمایا......

قدرت خداوندی

فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاۗءَ رَكَّبَكَ

فرمایا کہ تم ذرا اللہ تعالیٰ کے اس انعام پر بھی غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے تمام بنی نوع انسان کو صرف ایک شکل پر اور صرف ایک صورت پر پیدا نہیں کیا...... لاکھوں نہیں' کروڑوں نہیں...... اربوں سال جو اللہ نے بنائے ہیں کہ اللہ نے آج تک حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر قیامت تک کسی مخلوق کو اللہ نے دوبارہ شکل سے پیدا نہیں کیا ہے۔ دوبارہ صورت سے اللہ نے کسی کو

پیدا نہیں کیا۔ لیکن انسانی ہاتھ کے نشانات اور یہ جو لکیریں ہیں کسی انسان کے اللہ تعالیٰ نے تکرار اور دوبارہ نہیں بنائے۔ ہر انسان کے ہاتھ کے نشانات دوسرے سے مختلف ہیں۔ دوسرے کے تیسرے سے مختلف' تیسرے کے چوتھے سے مختلف۔

آپ دیکھتے ہیں کہ ایک باپ ' ایک ماں ' اور جتنے بچے بھی پیدا ہوتے ہیں بالکل آپس میں ہم شکل' لیکن یہ اللہ کا حسن انتظام ہے کہ ان میں تھوڑا تھوڑا امتیاز ' تھوڑا تھوڑا فرق اللہ نے ایسا رکھا ہے جس کی وجہ سے وہ تمام بچے ایک نہیں سمجھے جاتے بلکہ الگ الگ سمجھے جاتے ہیں۔

مرد اور عورت

فرض کر لیجئے کہ اگر یہ معمولی امتیاز بھی اللہ باقی نہ رکھے تو اولاد کے جوان ہونے کے بعد یہ پہچاننا مشکل ہوتا کہ یہ میرا شوہر آگیا ہے یا میرا بیٹا آگیا ہے یہ میری بیوی ہے یا میری بہن ہے........ یہ پہچاننا مشکل ہو جاتا....... اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ جس طرح اللہ نے انسانوں کی شکل و صورت کو اور انکے ڈھانچے کو جانوروں سے الگ اور مختلف بنایا ہے۔ اسی طرح باہم انسانوں کی شکلوں میں بھی فرق رکھا ہے تاکہ انتظام عالم برقرار رہے اور صرف یہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کی عادات میں بھی ایسا امتیاز رکھا ہے کہ مرد الگ پہچانا جاتا ہے اور عورت الگ پہچانی جاتی ہے...... لڑکوں نے لڑکیوں کی صورت اختیار کی ' لڑکیوں نے لڑکوں کی صورت اختیار کی..... اس لئے اسلام کے اندر یہ جائز نہیں ہے کہ مرد ' عورت کی نقالی کرے اور عورت مردوں کی نقالی کرے۔ اسی لئے جس حکمت کی بناء پر فرق باقی رکھا ہے تم اس فرق کو مٹا کر اللہ کے نظام کو درہم برہم کرنا چاہتے ہو۔ مثلاً عورتوں کے لئے حکم ہے وہ بال رکھیں اور مردوں کے لئے ' یا حلق کرائیں یعنی منڈائیں اور اگر بال رکھیں تو صرف اتنی مقدار میں رکھیں کہ جتنی مقدار میں سرکار دو عالم ﷺ نے رکھے ہیں...... اور وہ کان کی لو تک ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ تین قسم کے بال حضور اکرم ﷺ کے شمار کئے جاتے تھے۔ وفرہ...لمہ..... جمہ.....

نبی اکرم ﷺ کے بال

وفرہ کے معنی آتے ہیں کانوں کی لو سے نیچے ' لمہ کے معنی آتے ہیں ' کانوں کی لو تک اور جمہ کے معنی آتے ہیں کانوں کی لو سے ذرا اوپر۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ درحقیقت حضور اکرم ﷺ کان کی لو تک رکھتے تھے۔ اور اصلاح کرانے میں جب مدت میں کچھ دیر ہو جاتی تھی تو ذرا کان کی لو سے بڑھ جاتے تھے اور جب اصلاح ہوتی تھی تو کان کی لو سے ذرا اونچے ہو جایا کرتے تھے۔ لیکن حضور اکرم ﷺ کے بال کان کی لو تک ہوتے تھے۔

عورتیں ' مردوں کی مشابہت نہ کریں

لیکن عورتوں کو کٹوانے کی اجازت نہیں ہے۔ اسی طریقے سے مردوں کو اجازت نہیں ہے کہ وہ رنگے ہوئے کپڑے پہنیں ' مردوں کو اجازت نہیں ہے کہ وہ ایسا لباس پہنیں جو لباس مخصوص ہے عورتوں کا۔ مثلاً دوپٹہ پہننے کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے کہ جو لباس جنس میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے ہے کہ یہ جنس رجل ہے۔ یہ مرد ہے' یہ جنس عورت ہے اور ان لباسوں سے امتیاز ہوتا ہے۔

اسی طریقے سے عورتوں کو اجازت نہیں ہے کہ جو علامتیں اور نشانیاں اللہ نے عورت کے طور پر رکھ دی ہیں ان علامتوں اور نشانیوں کو مٹا کر مردوں کا بھیس بدلنا اور مردوں کا طریقہ اختیار کرنا' یہ منشاء خداوندی اور حکمت کے خلاف ہے...... اسی لئے مردوں کو داڑھی منڈانے کی اجازت نہیں کیونکہ یہ بھی ایک علامت اور ایک ایسی نشانی ہے کہ جس سے اللہ نے مرد اور عورت میں امتیاز رکھا ہے۔

یاد رکھئے مردوں کو عورتوں کا شعار اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اور عورتوں کو مردوں کا شعار اختیار کرنے کی اجازت نہیں۔ اللہ نے جو نشانیاں اور علامتیں رکھی ہیں اس پر نظام عالم کا دارومدار ہے۔ اگر تم نے وہ نشانیاں مٹائیں۔ منشاء خداوندی پامال ہو جائے گا۔

مظاہر قدرت خداوندی

جس طرح اللہ تعالیٰ نے حیوانات کو انسانوں سے الگ کر دیا اور اس طرح
پر الگ کیا ہے...... عقل حیران ہے' آپ غور کریں گے۔ اللہ نے تجھے بھی پاؤں
دیئے ہیں' ہاتھ دیئے ہیں' آنکھیں دی ہیں' کان دیئے ہیں' منہ دیا ہے' چکھنے کی
قوت دی ہے اور تمام جسم کے اندر اللہ نے اعضاء تجھے عطا فرمائے ہیں' جبڑا دیا
ہے۔ اس میں زبان دی ہے حلق میں بھی اللہ تعالیٰ نے کوا رکھا ہے۔ آپ کس کس
کے دیکھ لیجئے۔ خدا کی قسم جانوروں میں یہ سب باتیں موجود ہیں...... لیکن کیا وجہ
ہے ایک گھوڑا لاؤڈ سپیکر کے سامنے کھڑے ہو کے تقریر نہیں کر سکتا۔ کیا اس کے
جبڑے جڑے ہوئے ہیں۔ کیا اس کی زبان بدلی ہوئی ہے۔ کیا اس کے دو ہونٹ نہیں
ہیں.... سب ہیں لیکن یہ عجیب قدرت ہے وہی اعضاء کا نظام اللہ نے جانوروں کو
بھی دیا ہے۔ اور وہی نظام اعضاء اللہ نے انسانوں کو بھی دیا ہے۔ لیکن انسان بولنے
پر قادر ہے۔ جانور بولنے پر قادر نہیں۔ آپ تقریر کر سکتے ہیں وہ تقریر نہیں کر سکتا
ہے۔ آپ ناطق ہیں' وہ ناطق نہیں ہے تو آپ نے اندازہ لگایا کہ درحقیقت ایک
ایسی نشانی اللہ تعالیٰ نے آپ میں رکھ دی ہے اس لئے انسان کو حیوان ناطق کہتے
ہیں۔ بولنے والا انسان' گفتگو کرنے والا انسان...... تو جس طرح اللہ نے حیوانات
کے مقابلے میں آپ کی نشانی برقرار رکھی تمہارا لباس تمہاری بناوٹ کے مطابق'
عورت کا لباس عورت کی بناوٹ کے مطابق' تمہارا طریقہ عبادت مردوں کی شان
کے مناسب' عورتوں کا طریقہ عبادت ان کی شان کے مطابق..... اب یہ تکبیر تشریق
کا زمانہ آتا ہے۔ (قربانی کے دنوں میں) حکم یہ ہے کہ عورتیں تکبیر آہستہ کہیں۔
آپ کو حکم ہے کہ آپ تکبیر زور سے کہیں۔ آپ کے اوپر نیچے کے سارے لباس
میں' بناوٹ میں اور طریقہ ہے' ان کی بناوٹ میں اور طریقہ ہے...... اور حنفی
مسلک کی بنا پر عرض کر رہا ہوں...... حنفی مسلک کے مطابق مردوں کے سجدہ کا
طریقہ اور ہے عورتوں کے سجدے کا طریقہ اور ہے۔ اس لئے کہ ان کی جسم کی
بناوٹ ایسی ہے کہ جس کی وجہ سے مردوں کی طرح سجدہ کرنے کو منع فرمایا ہے۔

عورتیں سجدہ ایسے کریں کہ جس کو آپ کہتے ہیں ..... جیٹھا سجدہ.....
کھڑا سجدہ نہیں...... یعنی اپنے آپ کو اپنی کہنیوں کو اسی طریقے سے سمیٹ کر اس
طریقے سے سجدہ کریں جس کو کہتے ہیں کہ اپنے آپ کو لپٹا لپٹا کر' عورتیں اس طرح
سجدہ کریں....... مردوں کو ایسا سجدہ کرنے کی اجازت نہیں۔ اسی طرح مردوں کے
اور عورتوں کے کفن میں فرق ہے۔ مردوں اور عورتوں کے جنازے میں فرق
ہے۔ مرد کا جنازہ تو آپ اس طرح لے جائیں کہ جیسے آپ نے کفن دے دیا.....
چادر ڈال دی..... لیکن فرمایا کہ عورت کا جنازہ اس وقت نہ اٹھایا جائے جب تک
چارپائی پر کوئی ایسی چیز نہ لگائی جائے کہ جس کی وجہ سے یہ کپڑا اوپر اٹھا رہے.....
کیوں.....؟ اندازہ لگایئے آج ہماری مائیں اور بہنیں ' زندگی میں ' جوانی میں اپنے
جسم کے ان حصوں کو نہیں چھپاتی ہیں جن حصوں کو مرنے کے بعد اللہ کی غیرت یہ
کہتی کہ ان کو چھپایا جائے۔ حالانکہ مرنے کے بعد کسی کی نیت خراب نہیں
ہوتی...... اگر آپ کسی میت عورت کو دیکھیں تو کسی کے دل میں برا خیال آنا تو نہیں
آتا..... موت یاد آتی ہے...... مگر فرمایا کہ اسلام وہ غیرت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ کہ
مرنے کے بعد بھی عورت کے جسم کا حصہ جنازہ لے جاتے وقت ظاہر نہ ہو۔ آپ
اندازہ لگایئے یہ جو عورتیں کہا کرتی ہیں..... ارے بھئی پیر سے کیا پردہ کرنا ' نوکر
سے کیا پردہ کرنا ' اور محلے والوں سے کیا پردہ کرنا...... میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ
مجھے آپ یہ بتایئے کہ بعد مرنے کے تو ظاہر ہے کہ سب کے دل میں خوف ہوتا
ہے۔ موت ہی موت یاد آتی ہے ' لیکن کیا وجہ ہے۔؟ شریعت اب بھی یہ حکم دے
رہی ہے کہ نہیں...... اس خاتون کا جسم چھپانا چاہئے۔ اور اس طریقہ سے جنازہ
لے جانا چاہئے...... اور یاد رکھئے عورت کا جنازہ جب آپ قبر میں اتاریں تو جتنے
نامحرم ان سب کو ایک طرف کر دیا جائے۔ چادر لگا دی جائے اور اس چادر کے
اندر پھر اس عورت کے جنازے کو قبر میں اتارا جائے...... اس زمانے میں ' میں
نے دیکھا ' مردوں اور عورتوں کے میت اتارنے میں بھی کوئی فرق باقی نہیں رہا۔
سب لوگ سامنے کھڑے ہیں۔ عورت کی میت کو بھی لے جا کر اس طرح قبر میں

اُتار دیا...... یہ اسلام کے خلاف ہے اور موت کے' جنازے کے' غسل میت کے' یہ مسائل تو میرے خیال میں کسی کو بھی یاد نہیں رہے۔ لوگوں کو معلوم ہی نہیں....

قبر پر مٹی ڈالنے کا طریقہ

میں نے عرض کیا..... قبر میں مٹی ڈالنے کا طریقہ...... بعض لوگوں نے مٹی لی اور یوں پھینکی...... یہ مٹی دینے کا طریقہ نہیں..... مٹی دینے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ تصویر بن جائیں اس آیت قرآن کی..... مٹی ہاتھوں میں ہو اور آپ پہلی مرتبہ کی مٹی کو لے کر یوں کہیں مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ..... یہی وہ مٹی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس سے ہم نے تم کو پیدا کیا تھا۔ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ ...... اور آج ہم اس مٹی میں ہم تم کو واپس کر رہے ہیں۔ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى اور قیامت میں ہم اس مٹی سے تمہیں اٹھائیں گے۔ یہ تین آیتیں ہیں۔ تین مٹھیوں کے اوپر پڑھی جائیں گی۔ یہ طریقہ مٹی دینے کا نہیں ہے کہ آپ نے مٹی لی اور یوں کر کے پھینک دی

خیر' عرض میرے کرنے کا یہ تھا کہ آپ نے دیکھا اللہ تعالیٰ نے کس طریقے سے عبادتوں میں' موت میں' کفن میں جنازے میں' سب میں اللہ نے مرد اور عورت کے امتیاز کو باقی رکھا ہے۔ ملتوں میں بھی' شریعتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرق رکھا ہے۔ یعنی ایک علامت اور نشانی وہ ہے جس سے انسان پہچانا جائے۔ اور ایک نشانی وہ ہے کہ جس سے شریعت اور ملت پہچانی جائے۔ آپ بتایئے ۵ عیسائی ہوں' ۵ یہودی ہوں' ۵ مشرک ہوں' ۵ مسلمان ہوں یہ ۲۰ آدمی موجود ہیں ...... ہم کیسے پہچانیں کہ یہ مسلمان ہیں' کیسے پہچانیں کہ یہ نصرانی ہیں کیسے پہچانیں کہ یہ یہودی ہیں....؟

شعائر اسلام

علامت ملتوں کے پہچاننے کی شریعتوں کے پہچاننے کی بھی اللہ تعالیٰ نے برقرار رکھی ہے ..... کس طریقے پر؟ ایک آدمی راستے میں ملتا ہے اور یہ کہتا ہے.....

"السلام علیکم و رحمت اللہ برکاتہ" کس کی؟ یہ امت ہیں سرکار دو عالم ﷺ کی..... کیوں؟ اس لئے کہ یہ نشانی اور علامت اس بات کی ہے کہ جو مسلمان مسلمان کو السلام علیکم کہتا ہے یہ مسلمان ہونے کی نشانی ہے..... اب فرض کر لیجئے آپ نے نصرانیوں کا سلام کیا۔ آپ نے یہودیوں کا سلام کیا..... اور اگر یہ بھی نہیں کیا' آپ نے اسلام کی سنت کو ہٹا کر آپ نے کہا "تسلیمات اور آج کل ایک عام طریقہ یہ نکلا ہے۔ ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں خدا حافظ..... کوئی نہیں کہتا' السلام علیکم" اس نے اس کو کہا خدا حافظ' اس نے اس کو کہا خدا حافظ.....

لیکن یہ نہیں کہتا کہ السلام علیکم..... وعلیکم السلام' اگر آپ نے صرف خدا حافظ کہہ دیا آپ نے آداب عرض کہہ دیا..... آپ نے تسلیمات کہہ دیا۔ آپ نے صرف ہاتھ اٹھا دیا۔ ہم کیا سمجھیں کہ یہ کونسی امت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ جو علامت تھی سرکار دو عالم ﷺ کے امتی ہونے کی اور آپ کی ملت کی وہ تو آپ نے برقرار نہ رکھی۔ وہ تو آپ نے مٹا دی۔

شعار کی اہمیت

تو میں نے عرض کیا یہ نشانی ہے جس کے تحت ملت محمدیہ پہچانی جاتی ہے اور حضور اکرم ﷺ نے یہ اہتمام کیا ہے کہ ملت موسوی کے ساتھ ملت محمدیہ گڈمڈ نہ ہو جائے۔ کیسے.....؟ حدیث میں آتا ہے جب حضور اکرم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ میں تشریف لے گئے تو مہینہ کونسا تھا..... ربیع الاول... ذی الحجہ تک ۹ مہینے گزر گئے۔ پہلی مرتبہ محرم کا مہینہ آیا۔ آپ نے دیکھا مدینے میں جو یہود آباد ہیں ان سب نے روزہ رکھا ہے..... دسویں محرم کا روزہ یہود نے رکھا ہے۔ آپ'

نے فرمایا۔ یہود سے پوچھو انہوں نے آج کے دن کیسے روزہ رکھا۔ یہود نے کہا کہ آج ہمارا یوم نجات ہے۔ اس لئے کہ آج کے دن حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام ' یہود قوم کو فرعون کے پنجے سے نکال کر آزاد کرا کے لئے گئے تھے۔ اس وجہ سے ہم دسویں تاریخ کو روزہ رکھتے ہیں...... حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ' اگر آج حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کا یوم نجات ہے ' ہم زیادہ مستحق ہیں کہ ہم بھی یوم نجات منائیں۔ ہم بھی روزہ رکھیں۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ ملت محمدیہ اور ملت موسوی ایک ہو جائے۔ اس لئے اگلے سال اگر میں زندہ رہا تو دسویں تاریخ کا روزہ نویں کے ساتھ ملا کے رکھوں گا یا دسویں تاریخ کا روزہ گیارھویں کے ساتھ ملا کے رکھوں گا تاکہ ملت موسوی الگ نظر آئے۔ ملت محمدیہ الگ نظر آئے......

آپ نے اندازہ لگایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملتوں کے اور شریعتوں کے امتیاز کو باقی رکھا......

عبادت میں مشابہت سے احتراز

ایک اور بات یاد آگئی ' سب سے زیادہ پیاری عبادت اللہ کو نماز ہے ' اور نماز کے اندر بھی سب سے پیارا تمہارا سر کو لے جا کر زمین پر ڈالنا ہے۔ جس کو سجدہ کہتے ہیں اور کھڑے ہونے کی نماز پڑھنے کی جو فضیلت ہے وہ اس سجدے کی خاطر ہے۔ کیونکہ اگر کھڑے ہو کر پڑھو گے تو تم اپنا سر پہلے اتنا اونچا لے گئے جتنا اونچا لے جانا چاہتے تھے۔ اب تم نے انتہائی پستی میں ڈالا ' اور اگر تم نے بیٹھ کر نماز پڑھی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے سر تو ڈالا۔ لیکن اس اونچائی سے نہیں ڈالا۔ جس اونچائی سے ڈال سکتے تھے بلکہ تم نے آدھے راستے میں ڈالا ہے۔ سب سے زیادہ فضیلت سجدے کی ہے اور حدیث میں یہ آتا ہے ' جب ایک بندہ سجدہ کرتا ہے تو اس کا سر اللہ کے قدموں میں رکھا ہوا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے نماز میں سب سے زیادہ سکون ہے...... کیوں...... ؟ اس لئے کہ صرف اللہ سے ملاقات ہی نہیں ہوتی بلکہ آج تم نے اللہ کے قدموں کو چوم لیا ہے جگر مرحوم کا شعر ہے۔ فرمایا کہ......

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

سب سے زیادہ عاشق کو چین ملتا ہے جب محبوب کے قدم مل جائیں۔
سجدے کی عبادت اتنی اہم ہے لیکن باوجود اس اہمیت کے اسلام نے کہہ دیا تین وقت ایسے ہیں۔ سجدہ حرام ہے' جب سورج نکل رہا ہو' جب سورج ڈوب رہا ہو' جب سورج نصف النہار پر ہو...... فرمایا ان تینوں وقتوں کے اندر سجدہ کرنا گناہ ہے جرم ہے...... یہ بات سمجھ میں نہیں آتی اے اللہ ! یہ عبادت تو تجھے سب سے زیادہ پیاری معلوم ہوتی ہے اس کو بھی تو نے حرام کر دیا۔

کیوں......؟ اس لئے کہ ایک قوم دنیا میں ایسی بھی ہے.... مشرک...... جو سورج کی پرستش کرتی ہے' سورج کے نکلنے پر بندگی کرتی ہے۔ سورج کے غروب ہونے پر بندگی کرتی ہے۔ سورج کے نصف النہار پر بندگی کرتی ہے۔ یہ قوم سورج جسی کہلاتی ہے۔ یہ مشرک قوم کا طریقہ ہے۔ آپ نے فرمایا ہم بے شک سجدہ کرتے ہیں لیکن ہم نے ایسے سجدے کو منع کر دیا کہ کسی مشرک قوم سے مسلمانوں کی مشابہت نہ پیدا ہو جائے۔ سجدہ ہمیں سب سے پیارا ہے..... لیکن اس سے زیادہ پیاری چیز یہ ہے کہ ملت مسلمہ کا امتیاز باقی رہے۔ ملت مسلمہ کی شان باقی رہے۔

بس اب آپ اندازہ لگایئے...... جب ملتوں کو امتیاز ہے تو ملتوں کے پہچاننے کی جو نشانیاں کہلائی جاتی ہیں ان نشانیوں کو کہتے ہیں شعائر دین 'شعائر اسلام' شعائر اللہ ...... جس طرح مردوں اور عورتوں کے پہچاننے کی نشانیوں کو آپ کہیں گے یہ جنسی نشانیاں ہیں۔ اس سے جنس پہچانی جاتی ہیں۔ اسی طرح پر ملتوں اور شریعتوں کو جو پہچاننے کی نشانیاں ہیں وہ شعائر دین ہیں۔ شعائر اسلام کہلاتی ہیں۔

اسلام نے اس کو منع کر دیا کہ ہمارا امام جب نماز کے لئے کھڑا ہو تو اس کے لئے کھڑے ہونے کا کوئی الگ کمرہ نہ بنایا جائے...... کیوں؟ یہود کے اندر طریقہ یہ ہے' وہ بھی نماز پڑھتے ہیں لیکن ان کا طریقہ یہ ہے کہ ان کے امام کا ایک الگ جگہ

بنی ہوتی ہے کمرے کے طور پر اس میں کھڑا ہوتا ہے۔ منع کر دیا حضور اکرم ﷺ نے ...... اگر محراب میں بھی کھڑے ہوں تو اتنے باہر نکل کر کھڑے ہوں کہ باہر کی صف والے تمہیں دیکھ سکیں۔ کیوں......؟ اس لئے کہ اگر تم نے دوسرا طریقہ اختیار کیا تو یہ طریقہ شریعت موسویہ کا طریقہ ہے۔ شریعت محمدیہ کا طریقہ نہیں ہے........

بہرحال میں یہ سمجھانا چاہتا تھا کہ شریعتوں ملتوں کی نشانیوں کو شعائر دین اور شعار اسلام کہا جاتا ہے۔ فرمایا کہ

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ.....

صفا اور مروہ شعائر اللہ ہیں۔ شعائر اللہ کا احترام اور شعائر اللہ کی تعظیم جو ہے یہ دل کا تقویٰ ہے۔

شعائر جمع ہے شعیرہ کی یا شعارہ کی 'ش' 'ع' 'ر' کے معنی آتے ہیں محسوس کرنا

شعر کو شعر بھی اس لئے کہتے ہیں کہ آپ پڑھتے چلے جائیے جہاں شعر آئے گا وہاں محسوس ہوا یہ کلام منظوم ہے...... شاعر کہتے ہیں اس آدمی کو جس کے سینے میں حساس دل موجود ہو جو ایسی باتیں محسوس کرے جو تم اور آپ محسوس نہ کریں ...... فرمایا

گلستان میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا
تیری ہی سی رنگت تیری ہی سی بو ہے

مجھے تو ہر پھول کو دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ یہی میرا محبوب ہے۔ لیکن دوسرا شاعر دوسری بات محسوس کرتا ہے...... کہتا ہے کہ......

گلستان میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا
نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

میں نے تو یہ دیکھا' پھولوں کا مرتبہ کم ہے۔ میرے محبوب کا مرتبہ بڑا

ہے۔ حضرت حسان بن ثابت بڑا کا بیٹا ہے۔ چھوٹی عمر ہے کوئی جانور اسے کاٹ کے بھاگ گیا۔ اس نے رونا شروع کیا..... بتا رہا ہے کہ کہاں پر کاٹ گیا۔ حضرت حسان بن ثابت نے پوچھا کہ وہ کیسا جانور تھا..... کچھ تو بتاؤ..... ؟ کیا کہتا ہے؟ کہتا ہے.....

کأنه ملتف ببردی حبرة

وہ جانور مجھے کاٹ کے بھاگا ہے وہ ایسا تھا جیسے وہ نقش و نگار والی چادروں کو اوڑھ رکھا تھا..... حضرت حسان بن ثابت بڑے خوش ہوگئے..... فرمایا کہ اس کو بیٹا کاٹ کے گیا ہے۔ لیکن میرا بیٹا..... خدا کی قسم شاعر ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے جانور کا نقشہ کیسے اعلیٰ کھینچا ہے.....

کأنه ملتف ببردی حبرة

نقش و نگار والی دو چادریں اس نے اوڑھ رکھی تھیں اور وہ کاٹ کے اڑ گیا، فرمایا کہ جیسے نے کہا ہے..... واللہ صار ابنی شاعرا خدا کی قسم میرا بیٹا شاعر ہوگیا۔

سمجھ میں آیا..... شعائر اللہ "ان علامتوں کو" ان نشانیوں کو کہا جاتا ہے جس سے اللہ کی عبادت و نشانی سامنے آتی ہے۔ اس کو شعائر اللہ اور شعائر دین کہا جاتا ہے۔

تو میرے دوستو! میں یہ عرض کرنے والا تھا کہ رمضان کا مہینہ جو آرہا ہے یہ شعائر اللہ میں سے ایک شعار ہے..... جمعہ کا دن بھی شعار اسلام ہے۔ عیدین بھی شعائر اسلامی ہیں۔ اور اسی طرح اور نشانیاں ہیں جس سے ملت پہچانی جاتی ہے۔

بس اب دعا کیجئے کہ ہم کو اور آپ کو سب کو اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

([illegible])

کلمۃ الحق

خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی مدظلہ کی استحکام پاکستان اور نظام اسلام کے موضوع پر ایک نہایت معرکۃ الآراء تقریر جو مولانا نے ناظم آباد کراچی میں نظربندی سے رہائی کے بعد مسلمانوں کے سپاسنامے کے جواب میں مورخہ ۲ اپریل ۱۹۶۷ء کو ارشاد فرمائی تھی۔ اس کا خلاصہ حاضر خدمت ہے۔ اس سے علماء حق کی قیام پاکستان اور دستور اسلام کی جدوجہد کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

خطبہ ماثورہ کے بعد فرمایا۔

جناب مولانا قاضی عبدالرحمان صاحب، حضرات علماء کرام، معزز حاضرین اور میری اسلامی بہنیں!

آپ حضرات نے جس گرمجوشی اور محبت کے ساتھ سپاسنامہ یا محبت کا وہ تحفہ جو لفظوں کی شکل میں آپ کی طرف سے پیش کیا گیا۔ میں اس کے لئے صرف یہی نہیں کہ شکرگزار اور ممنون ہوں بلکہ اس کے کچھ اجزاء ایسے بھی ہیں کہ جن کی وجہ سے مجھے کچھ ندامت اور شرمندگی محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قید و بند کی منزل سنت ہے۔ انبیاء کرام اولیاء اللہ اور بزرگان دین کی اور حق تعالیٰ جس کو اس سعادت کے لئے منتخب فرماتے ہیں یہ اس کے لئے بڑی خوش بختی اور کامیابی کی بات ہے۔ اور یہ سب اللہ ہی کا بہت بڑا فضل اور احسان ہے کہ دین کے اظہار حق کی توفیق نصیب ہوتی۔ یہاں مجھے ایک بات یاد آ گئی کہ ۱۹۵۶ء میں جب میں بہاولپور گیا تو تقریباً ایک ماہ قیام رہا اور وہاں کے لئے ایک ہفتے کی مدت بالکل کافی نہیں تھی۔ اگر اس مجمع میں اس طرف کے کوئی صاحب ہوں تو انہیں یہ بات معلوم ہوگی کہ وہاں دین کا بڑا شوق ہے۔ وہاں کے لوگ بڑی محبت کے ساتھ پیش آئے اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ کا وطن تو چھوٹ ہی چکا ہے کیا اچھا ہو کہ آپ یہاں آ جائیں۔ میں نے ان کو جواب

دیا کہ بھائی بڑی قربانیوں اور بڑی محنت و کوشش کے بعد ایک اسلامی ملک قائم ہوا ہے گو ہم اس کی خدمت کے قابل نہیں ہیں لیکن جو کچھ دین کی خدمت ہم سے ہو سکتی ہے وہ ہم کر رہے ہیں اور ہمیں لگتی ہے اگر ہم اس ملک کو چھوڑ کر چلے آئیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم بھاگ آئے ہیں اور یہاں حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کے وہ جملے بھی یاد آگئے جو تی دل میں تقسیم سے چند مہینے سے پہلے دوران گفتگو ارشاد فرمائے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ پاکستان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ فرمایا ٹھیک ہے خدا کرے پاکستان بن جائے لیکن یاد رکھئے ایسی جگہ اور ایسی بنجر زمین میں پاکستان بنا رہے ہیں کہ آپ لوگوں نے وہاں محنت نہ کی تو بڑا اندیشہ اور خطرہ ہے۔ میں نے اس کی تفصیل پوچھی تو فرمایا کہ دنیا میں یہ ہوتا آیا ہے کہ ہمیشہ پہلے ذہنی انقلاب آتا ہے اور پھر ملکی انقلاب آتا ہے..... آپ لوگوں نے یہ کیا کہ پہلے ملکی انقلاب لے آئے ذہنی انقلاب اب آپ کو پیدا کرنا ہوگا۔ اس لئے کہ بڑی سے بڑی نعمت بھی اگر کسی ایسے آدمی کے یا کسی قوم یا گروہ کے ہاتھ میں آجائے جو اس کی صحیح قدر و قیمت کو نہ سمجھتا ہو تو یاد رکھئے کہ وہ نعمت بھی اس کے پاس باقی رہنے والی نہیں۔ ذہن بھی اس کے مطابق بنائیے۔ فرمانے لگے کہ جو کام پہلے کرنے کا تھا وہ آپ کو بعد میں کرنا پڑے گا۔ بڑی محنت کی ضرورت ہے۔

یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی اور یہاں آکر حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم کا ایک شاگرد اور ان کے خادم کی حیثیت سے کاموں میں لگے رہے۔ اور شیخ الاسلام سے سیکھا کہ یہاں پر دین کا کام کس طریقہ پر کرنا چاہئے۔ حضرت شیخ الاسلام کی ایک مخصوص عادت اور ایک الگ روش تھی۔ میں اس کی وضاحت بھی کرنا چاہتا ہوں۔ ایک مرتبہ کراچی میں حضرت شیخ الاسلام کے قیام کے لئے کراچی میں ایک بنگلہ کا الاٹمنٹ ہوا اس لئے کہ شہید ملت لیاقت علی خان کی یہ خواہش تھی کہ مولانا کسی کے پاس قیام نہ کریں بلکہ اپنے مکان میں رہیں ایک مکان الاٹ ہو گیا۔ اتفاق سے اس مکان کی الاٹمنٹ میں کوئی قانونی دشواری تھی اس لئے وہ الاٹمنٹ کینسل ہو گیا۔ مولانا کو کسی نے اطلاع دی کہ آپ کے بنگلہ کا الاٹمنٹ

منسوخ ہو گیا۔ جہاں یہ نیو ٹاؤن کی جامع مسجد بنی ہوئی ہے۔ یہ پہلے میدان تھا وہاں ایک جلسہ ہوا اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی مدظلہ ماشاء اللہ جب بولتے تو بہت خوب بولتے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ جب بنگلوں کا الاٹمنٹ کینسل ہو سکتا ہے تو وزارتوں کے الاٹمنٹ بھی کینسل ہو سکتے ہیں۔ اور اس زمانہ میں اخبارات کا اس طرح جھگڑا ہوا نہیں تھا۔ جس طرح آج ہے۔ اگلے دن اخبارات میں پہلے صفحہ پر موٹی موٹی سرخیوں کے ساتھ یہ بات آئی کہ مولانا شبیر احمد عثمانی مدظلہ نے فرمایا ہے کہ وزارتوں کے الاٹمنٹ کینسل ہو سکتے ہیں۔ صبح کو میں کسی کام سے لیاقت علی خان کے پاس گیا۔ اخبارات سامنے میز پر پڑے ہوئے تھے۔ کہنے لگے آپ نے یہ خبر دیکھی ہوگی۔ میں نے کہا دیکھی کیا میں تو خود جلسہ پر موجود تھا۔ اس پر کہنے لگے کہ اگر مولانا ہمیں اس سے بھی سخت باتیں کہیں تو ہم برا ماننے والے نہیں' اس کی وجہ بھی انہوں نے بتائی۔ کہنے لگے کہ ہمیں یقین ہے کہ اگر ہمیں کل کو پبلک ہمیں جوتے مارنے لگے تو پھر بچانے والے بھی مولانا ہی ہوں گے۔ کہنے آپ نے سمجھا؟ پھر انہوں نے کہا کہ مولانا اصل میں یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا دین قائم ہو جائے۔ مولانا ہماری کرسی نہیں چھیننا چاہتے۔ مولانا اصول چاہتے ہیں۔ آپ حضرات کو مولانا کا یہ تاریخی جملہ بھی یاد ہوگا کہ مولوی حاکم بننا نہیں چاہتے۔ بلکہ حاکموں کو تھوڑا سا مولوی بنانا چاہتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ میں سب کو یقین تھا کہ علماء کا ایک طبقہ ایسا ہے جس کا مقصد اور نصب العین خالصتاً اللہ کا دین ہے۔ خالصتاً احکام اسلام قائم کرنا ہے۔ نہ کرسی ان کا مقصد ہے نہ سیاسی توڑ جوڑ ان کا نصب العین نہ پارٹی بازی ان کا مشغلہ ہے۔ نہ کسی خاص شخص سے ان کو واسطہ ہے۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ یہ سرزمین حاصل کی گئی ہے اللہ تعالیٰ کے احکام کے لئے اس لئے خدا ہی کے احکام یہاں جاری ہوں گے۔ مولانا عثمانی جب بیمار ہوئے تو لیاقت علی خان مرحوم نے مجھ سے فرمایا کہ میری یہ کوشش ہے کہ کسی طرح مولانا کی زندگی میں دستور بن جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا خیر خواہ عالم پاکستان کو شاید پھر نہ ملے۔ میں آپ کو یہ بات اس لئے بتا رہا ہوں کہ پاکستان بنانے میں دو قسم کے

عنصر شامل تھے۔ ایک طبقہ تو وہ تھا جس کو منڈیوں کے اندر یہ نظر آتا تھا کہ ہم ہندوؤں اور دوسرے غیر مسلموں سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہماری تجارت ثانوی درجہ کی ہے۔ ہندو اصل تاجر ہے۔ پھر وہ مسلمان بابو جو دفتروں میں یہ محسوس کرتے تھے کہ دوسرے اور تیسرے درجہ کے عہدے ہمارے پاس ہیں۔ اعلیٰ درجہ کے عہدے ہندوؤں یا غیر قوموں کے پاس ہیں غرض ایک طبقہ وہ تھا جو تجارتی منفعت کے لئے، سیٹوں کے لئے، ملازمتوں کے لئے، وزارتوں کے لئے سمجھتا تھا کہ ایک ایسا ملک ہمیں ملنا چاہئے کہ جہاں ہمارا ہی عمل دخل ہو۔ دوسرا طبقہ وہ تھا جو حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک سے متعلق چلا آرہا تھا۔ کہ ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کی جائے۔ جہاں اللہ کا دین غالب ہو۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی یا اس سے پہلے بزرگ مجاہدین سے متاثر ہو کر اس دور میں اللہ کے دین سے تعلق رکھنے والوں نے پاکستان کے لئے جدوجہد کی جس میں سب سے پہلا نام حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ملتا ہے۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مفتی اعظم، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب، پیر صاحب مانکی شریف وغیرہ حضرات علماء کرام پاکستان بنانے کے لئے جدوجہد کر رہے تھے۔ ان کا مقصد ہے دین اسلام اور ایک طبقہ کا مقصد ہے سیٹیں اور ملازمت، حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی نے فرمایا کہ دیکھو پاکستان بننے والا ہے۔ اور جس طبقہ کے ہاتھ میں اقتدار جانے والا ہے اس کو تبلیغ کرو۔ ورنہ ان کے ہاتھوں میں کہیں اقتدار آگیا تو یہ سب سے پہلے اپنے اقتدار کی تلوار اسلام پر چلائیں گے۔ اس لئے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجلس دعوۃ الحق قائم فرمائی اور اس کا مقصد یہ تھا کہ ان لوگوں کو کسی طرح دین کی طرف لانے کی کوشش کی جائے۔ دونوں طبقوں کا یہ فرق آپ کو اس سے نظر آئے گا کہ جب پاکستان کا شجرہ نسب بیان کیا جاتا ہے تو ایک طبقہ اس کا سلسلہ سرسید مرحوم سے ملاتا ہے اور دوسرا طبقہ اس کا شجرہ نسب بیان کرتا ہے۔ تو حضرت شاہ اسماعیل شہید سے ملاتا ہے۔ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ اور مجھے بڑی خوشی ہے کہ ایک بہت بڑے سرکاری افسر نے ایک مرتبہ

دوران گفتگو مجھ سے کہا کہ میں انگریزی میں ایک کتاب لکھ رہا ہوں جس کا موضوع یہ ہے کہ پاکستان سرسید تحریک سے نہیں بنا بلکہ حضرت اسمٰعیل شہیدؒ کی تحریک سے بنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حقیقت یہی ہے۔

تو میرے دوستو! دونوں طبقے پاکستان بنانے میں مصروف ہیں۔ ایک کے پیش نظر مادی منفعت ہے اور دیندار علماء کے طبقے کے پیش نظر اللہ کا دین اور اللہ کے احکام ہیں۔ یہ بات اس وقت ذہن میں آئی تھی کہ ایک وقت اس سرزمین میں ایسا آنے والا ہے کہ ممکن ہے کہ مادی منفعت کو اپنا نصب العین بنانے والوں کو اور دین کو نصب العین بنانے والوں میں شاید کوئی تصادم اور کشمکش ہو جائے تو تقسیم سے پہلے ہی اس کا اندیشہ تھا۔ تقسیم سے پہلے کے الفاظ آپ لکھ لیجئے۔ اور اس کی شہادت دینے کے لئے ایسے حضرات ابھی موجود ہیں جن کو میں بطور ثبوت پیش کر سکتا ہوں۔ مولانا شبیر علی صاحب تھانوی ناظم آباد میں مقیم ہیں اور شاید آج کل علیل ہیں۔ تقسیم سے پہلے میں اور مولانا شبیر علی صاحب جمعہ کے دن تھے دہلی میں لیاقت علی خان مرحوم سے اسمبلی بلڈنگ میں جا کر ملے اور علماء کے سلسلہ میں کچھ باتیں ہو گئیں۔ لیاقت علی خان نے یہ بات کہی کہ مولانا ہم ایسے پاکستان کو لے کر کیا کریں گے جس میں ملّا اور اللہ والے موجود نہ ہوں۔ اور میں یہ بھی بتا دوں کہ یہ کس سلسلہ میں کہا؟ دراصل مولانا شبیر علی صاحب تھانوی نے یہ بات کہی تھی کہ آپ الیکشن تو جیت چکے ہیں۔ اور جیتنے والا ذرا اونچی طرح بات نہیں کرتا۔ اس لئے ہم ڈرتے ڈرتے آپ کے پاس آئے ہیں۔ کہ شاید آپ علماء سے گفتگو کے لئے تیار نہ ہوں۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے گفتگو کر لیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ یہ آپ نے کیسے سمجھ لیا کہ ہم گفتگو کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ اس موقع پر انہوں نے کہا کہ میں ایسے پاکستان کو کسی قابل ہی نہیں سمجھتا جس میں علمائے دین موجود نہ ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس پاکستان کی تعمیر علماء دین ہی کے ہاتھوں ہو گی۔

جب قرار داد مقاصد پیش کرنے کا وقت آیا تو ایک صاحب جو پاکستان میں

یہ کہتے کہتے مر گئے کہ یہاں اسلامی حکومت نہیں ہو گی۔ اس کے لئے گولی کھانے کو تیار ہیں۔ ان سے کسی شخص نے یہ کہا کہ صاحب ایسا کون سا بے وقوف ہے جو اپنی گولی کے پیسے آپ پر خرچ کرے گا۔ اسد ملتانی مرحوم نے ایک بہت اچھا شعر کہا تھا اور وہ میدان حشر میں بھی ان کو سنایا جائے گا۔ وہ شعر یہ ہے۔

حکومت کا آئین دینی نہ ہو گا

یہ کیا کہہ رہا ہے غلام محمد

نام بھی دیکھئے اور کام بھی دیکھئے۔ وہ صاحب مولانا شبیر احمد عثمانی کے پاس تشریف لائے۔ اور یہ کہا کہ مولانا قرار داد مقاصد کے لئے کوشش نہ کریں۔ اس لئے کہ جو یہاں انگریزی دان طبقہ ہے وہ دین سے بھاگتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ علماء سے متنفر اور بیزار ہو جائے اور کہنے لگے کہ تاریخ کا واقعہ آپ اٹھا کر دیکھئے کہ اسپین میں کیا ہوا۔؟ مسلمانوں اور علماء کی شدت کی وجہ سے مسلمانوں کا قتل عام ہو گیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہاں بھی اسپین کی تاریخ دہرائی جائے۔ اس پر مولانا عثمانی نے ارشاد فرمایا کہ آپ کے ذہن میں اسپین کی مثال ہے اور ہمارے ذہن میں افغانستان کی مثال ہے۔ جب دین کی مخالفت کی تو امان اللہ خان کو تخت چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ اور فرمایا کہ ہم تو دین کی جدوجہد جاری رکھیں گے۔ دیکھتے ہیں کہ اسپین کی مثال سامنے آتی ہے یا امان اللہ کی طرح آپ کو بھاگنا پڑتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ چشمک اس وقت شروع ہو گئی تھی۔ لیکن لوگ بڑے ہوشیار ہوتے ہیں جیسے کسی گھر میں چوری ہو اور گھر والوں کی آنکھ کھل جائے۔ تو پھر چور بھی ایسا ہی کرتا ہے۔ کہ آواز میں آواز ملا کر خود بھی چلانے لگتا ہے۔ کہ دیکھنا پکڑنا چور کہاں گیا۔ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ کوئی شبہ نہ کرے۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک امام صاحب امپورٹ کئے گئے اور وزیر اعظم بنا دیئے گئے۔ ان کے خلاف میں نے اخباروں میں بڑا شدید اور سخت قسم کا بیان دیا تھا۔ انہوں نے گورنر جنرل سے شکایت کی کہ ان کو جیل کا راستہ دکھانا چاہئے۔ اصل میں یہ تجویز جو اتنے سالوں کے بعد آئی' چل تو بہت دنوں سے رہی تھی۔

گورنر جنرل نے ان وزیراعظم سے کہا کہ تم نے یہ کہا ہی کیوں کہ حکومت اسلامی نہیں ہوگی۔ یہاں تم یہی کہتے رہو کہ اسلامی ہوگی اسلامی ہوگی، چاہے اسلام کو مٹاؤ مگر کہتے یہی رہو۔ آپ نے دیکھا کہ قدم قدم پر اسلام کا نام ہے۔ لیکن آپ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ اسلام کے ساتھ رفتہ رفتہ کس قسم کا افسوسناک برتاؤ کیا جا رہا ہے۔

دست گلچیں بڑھ رہا ہے شاخ گل پر بے دریغ
کون سنتا ہے چمن میں عندلیب زار کی

تو میرے دوستو! یہ چشمک شروع ہی سے ہو گئی تھی اور پھر ہماری روش شروع سے یہی رہی اور برابر اس کے لئے کوشش کرتے رہے کہ اس سرزمین پر اور اس ملک میں جو اسلام کے لئے حاصل کیا گیا تھا اسلام کے خلاف یہاں کوئی محاذ نہ بنے۔ اس لئے کہ یہاں کسی عالم کا سوال نہیں ہے۔ ایک احتشام الحق کیا اور پانچ علماء کیا میں کہتا ہوں کہ خدا کی قسم اگر پانچ ہزار علماء کو بھی آپ پھانسی پر چڑھا دیں لیکن پاکستان کے اندر خدا اور خدا کے رسول کا دین قائم ہو جائے تو میں کہتا ہوں کہ یہ سودا پھر بھی سستا ہے۔ ہمیں کا تو کوئی سوال ہی نہیں سوال اصل میں اس کا ہے کہ کہیں دشمنوں کے سامنے شرمندگی نہ ہو۔ اس لئے کہ لوگ یہ کہیں گے کہ جن لوگوں نے اسلام کے قائم کرنے کے لئے ملک بنایا تھا انہوں نے اس ملک میں اسلام کو دفن کر دیا۔ ہمیں اپنی گرفتاری کا کوئی صدمہ نہیں لیکن صدمہ ہمیں اس دن ہوتا ہے جس دن ہم بھارت کے ریڈیو سے پاکستان کے خلاف "اسلام کے خلاف اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ سنتے ہیں۔ وہاں کے بعض علماء نے تقریریں کیں۔ اور ہم کو چڑانے کے لئے کیں۔ انہوں نے کہا کہ بھارت سرکار کا مذہب اسلام کے ساتھ یہ رویہ ہے اور علماء کے ساتھ اس کا یہ رویہ ہے اور پاکستان کا رویہ دیکھئے کہ جہاد کے مسئلہ میں ان علماء کو جیل میں ڈال دیا جو چلا چلا کر کہتے تھے کہ یہ اسلامی سلطنت ہے یہ جہاد ہے یہ ثواب ہے۔ آپ ایمان سے بتایئے کہ ہم کو اس سے تکلیف ہوئی یا نہیں؟

میرے دوستو! یاد رکھئے ہم نے یہ ملک اللہ کے دین کے لئے حاصل کیا ہے۔ ہمارا نہ کوئی ذاتی مقصد ہے نہ کسی پارٹی سے ہمارا مطلب ہے نہ کسی شخص واحد سے ہمارا تعلق ہے۔ خدا کی قسم میں اعلان کرتا ہوں کہ اگر ہمارا یہ دین صدر ایوب کے ہاتھوں قائم ہو جاتا ہے تو ہم اُن کو امیر المومنین سمجھ کر ان کی امامت میں نماز ادا کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ گذارش بھی ہے کہ اگر کچھ لوگوں نے انہیں مشورہ دیا ہے کہ اللہ کے دین کو قائم کرنے والے علماء کو کسی نہ کسی طریقہ سے مٹا دیا جائے تو صاف بات یہ ہے کہ ہمارے پاس کوئی طاقت نہیں ہے۔ ہم آپ کو کوئی دھمکی نہیں دیتے۔ نہ ہم لوگوں سے یہ کہتے ہیں کہ تم اپنی کسی طاقت کا مظاہرہ کرو۔ لیکن میرے دوستو! اتنی بات تو ہم ضرور کہہ دیں گے کہ اگر ہم کچھ کر سکتے ہیں تو ہم اللہ کے دین پر بہر حال عمل کریں گے اور اگر اس میں جان دینے کی ضرورت پیش آئی تو ان شاء اللہ جان بھی دے دیں گے۔ آخر ہم نے پاکستان بنایا ہے ہمارے اکابر اور بزرگوں نے اس کے لئے قربانیاں دی ہیں۔ سالہا سال جیلوں میں رہے ہیں۔ تکلیفیں اور مشقتیں جھیلی ہیں۔ حاجی امداد اللہ صاحب کی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ' حضرت گنگوہی ' حضرت حافظ ضامن تھانوی ' حضرت شیخ الہند ' حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی ' حضرت مولانا الطاف حسین احمد مدنی ' حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی اور ان کے بہت سے ساتھیوں نے ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں سختیاں برداشت کی ہیں۔

میرے دوستو! ہمارے بزرگوں نے کوئی ڈیڑھ صدی پہلے ان خدمات کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اور حضرت نانوتوی علیہ اور حضرت گنگوہی علیہ نے سب سے پہلے ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی تھی۔ ہمارے یہ بزرگ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بنفس نفیس شریک ہوئے تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سپہ سالار کی حیثیت سے جنگ لڑتے رہے حضرت گنگوہی حضرت نانوتوی اور حضرت حافظ ضامن صاحب شہید بھی ساتھ تھے۔ یہ حضرات انگریزوں کا تعاقب کرتے ہوئے کافی دور تک دوسرے قصبہ تک پہنچ گئے۔ انگریز ایک تحصیل کی عمارت میں

بند ہو گئے۔ تاکہ ہمیں کوئی کمک نہ پہنچ جائے۔ حضرت حاجی صاحب نے یہ مشورہ کیا تھا کہ اسی تحصیل پر حملہ کر کے ان انگریزوں کو یہاں سے ختم کرنا ہے۔ حضرت حافظ ضامن صاحب فرمانے لگے کہ حضرت! انشاء اللہ یہ تحصیل تو صبح تک فتح ہو جائے گی۔ لیکن ہم نہیں رہیں گے۔ سب سے پہلے جو حملہ کیا ہے تو گولی حضرت حافظ صاحب کو لگی اور وہ وہیں گر گئے اور شہید ہو گئے۔ یہی وہ بزرگ ہیں۔ جن کے بارے میں میں نے حضرت حکیم الامت تھانوی ؒ سے سنا ہے کہ کوئی شخص ان کی قبر پر فاتحہ پڑھنے گیا تو آواز آئی کہ جا کسی مردے کی قبر پر فاتحہ پڑھ' بہرحال ہمارے انہی بزرگوں نے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا کر مسلمانوں کے عقائد اور دین اسلام کی حفاظت کی اور یہی وجہ ہے کہ آج جتنا دین ہندوستان و پاکستان کے مسلمانوں میں نظر آتا ہے اتنا دین اور کہیں نہیں ملے گا۔ یہ ہمارے انہی اکابر علماء کی بدولت ہے جنہوں نے بوریوں اور چٹائیوں پر بیٹھ کر علم دین کی حفاظت کی ہے۔ ہم نے اپنے انہی بزرگوں کی قائم کردہ درسگاہ اور دارالعلوم دیوبند سے علم حاصل کیا ہے۔ اس درسگاہ کی خاصیت ہی یہی ہے۔ الحمد للہ الحمد للہ۔ مجھے بڑی خوشی ہے اس بات کی کہ حریت فکر اور حریت ضمیر اس درسگاہ کی سب سے بڑی خصوصیت ہے اور ہم انہی بزرگوں کے شاگرد ہیں۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب اسیر مالٹا کا ایک واقعہ مجھے یاد آیا۔ قبرستان میں کسی طالب علم کی تدفین کے لئے گئے تو حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی قبر کے پاس جگہ خالی تھی۔ مولانا عزیز گل صاحب نے فرمایا کہ حضرت شیخ! آپ کے لئے یہ جگہ زیادہ موزوں ہے۔ آپ اس کو اپنے لئے محفوظ کرا لیجئے۔ لوگوں کو تو یہ بات ناگوار گزری۔ مگر حضرت شیخ الہند نے فرمایا کہ یہ تو آپ کی خواہش ہے کہ میں یہ جگہ اپنے لئے محفوظ کرا لوں۔ مجھ سے تو پوچھئے کہ میری خواہش کیا ہے؟ فرمانے لگے میری تو یہ خواہش ہے کہ میدان جہاد میں اس طریقہ پر مارا جاؤں کہ ہاتھ میرا کہیں کٹا پڑا ہو' سر کہیں کٹا پڑا ہو' پاؤں کہیں کٹے پڑے ہوں' اور فرمایا کہ میں تو اصل میں چاہتا نہیں کہ کسی جگہ میری قبر کا نشان بھی ہو۔ تو میرے دوستو! الحمد للہ

ہم ان اکابر اور بزرگوں کا نام لینے والے ہیں

یہ کھیل دل کے لینے کے جو کھیلتے ہیں آپ
مجھ سے نہ کھیلئے کسی ناداں سے کھیلئے

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کے اندر اسلام کا بول بالا فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ احکام اسلام کو پاکستان کے اندر سربلندی عطا فرمائیں۔ اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو پاکستان کے احکام کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(روزنامہ تعمیر ملتان)

دین اور تجدد کی کشمکش

۲۱ جون ۱۹۹۶ء پریس کلب راولپنڈی

علماء حق کا فریضہ

خطبہ مسنونہ کے بعد حضرت مولانا نے معزز حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

حضرات ! آپ نے جس محبت اور گرمجوشی سے مجھے استقبالیہ کی دعوت دی۔ میرے دل میں اس کی بہت زیادہ قدرومنزلت ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ کسی عالم سے محبت کرنا اس کے گوشت پوشت اور جسم و قالب سے محبت نہیں۔ بلکہ اس مقصد سے محبت کا اظہار ہے جو اس عالم کی ذات سے وابستہ ہے۔ اس لئے میں اگر یہ کہوں تو کچھ بے جا نہ ہو گا کہ اس طرح آپ نے دین اسلام، ایمانی جذبے کی تعظیم و تکریم کی ہے۔ جس کو جتنا بھی سراہا جائے اتنا ہی کم ہے۔

حسن اتفاق ہے آج تاریخ اسلام کا وہ اہم دن ہے جس میں سرور دو عالم ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے چونکہ آج یہاں ہمارے جمع ہونے کا مقصد اللہ کے دین کے غلبے کے متعلق غور و فکر کرنا ہے۔ اس لئے اس اہم کام کے لئے آج کا دن نہایت موزوں ہے۔

جہاں تک میری نظر بندی کا تعلق ہے جس سے رہائی کی بناء پر آپ نے مجھے استقبالیہ دیا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ علماء کے سر کا تاج اور ان کی زینت کا باعث ہے۔ علماء کی تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ انہوں نے ہمیشہ حق و صداقت کے اعلان کے لئے تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ ان سے نہ صرف ان کے مقام کو رفعت اور

بندی نصیب ہوئی ہے بلکہ دین کی عزت اور وقار میں بھی پہلے سے زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ اس تجربہ "ؔ" کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں حضرت یوسف علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام اور اکابرین کی سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب قوم غفلت کی نیند سو جاتی ہے تو فطرت کی طرف سے اسے جگانے کے لئے کوئی ایسی تکلیف آتی ہے جس سے قوم کے مردہ اور سرد جذبات میں زندگی اور حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ امتداد وقت اور دوسرے حالات نے جن نقوش کو دھندلا دیا تھا۔ وہ از سر نو ابھر آئے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس واقعے کے بعد پورے ملک میں لوگوں میں اسلامی جذبہ زیادہ بیدار ہو چکا ہے.....

ہم سے پوچھا جاتا ہے کہ نظر بندی کی اصل وجہ کیا تھی؟ اسمبلیوں کے اندر تو یہ کہہ دیا گیا کہ ان کا ہونا مفاد عامہ کے خلاف ہے۔ لیکن یہ ایک عجیب مفاد عامہ تھا۔ جبکہ ہر شخص اس گرفتاری کے پس منظر سے واقف تھا۔ ہمیں روز اول سے معلوم تھا کہ یہ راستہ آسان نہیں بلکہ کانٹوں سے معمور ہے۔ علماء اللہ رسول کے جانشین ہیں۔ اس طرح ان کا عہدہ تو بڑا ہے۔ لیکن انہیں مصیبتوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ارباب اقتدار اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا چاہتے تھے۔ حالانکہ یہ کام ان کے شایان شان نہیں۔ یہ گھٹیا کام تو ایک تھانیدار بھی کر سکتا ہے...... اقتدار والوں کا کام تو ملک کی عزت و وقار بڑھانا۔ اس کی تعمیر کرنا اور اس کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنا ہے۔ ان کا کام مسائل کو سلجھانا ہے الجھانا نہیں۔ مسائل کو حل کرنا ہے انہیں تختہ چھوڑنا نہیں۔ ہماری نظر بندی کا اصل سبب رویت ہلال کا مسئلہ نہیں بلکہ دین پسندوں اور تجدد پسندوں کی کشمکش ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قیام پاکستان میں دونوں طبقوں نے شانہ بشانہ کام کیا۔ لیکن دونوں کی منزلیں الگ الگ تھیں۔ تجدد پسندوں کے سامنے جو مسئلہ تھا وہ یہ تھا کہ ہندوستان میں انگریزی سلطنت کے زیر سایہ ہندوؤں کے ہوتے ہوئے ہم تو اعلیٰ عہدے اور منصب حاصل کر سکتے ہیں نہ ہمیں اسمبلیوں میں شرکت کا موقع مل سکتا ہے وغیرہ وغیرہ بس۔ ان لوگوں کو اسی دن اپنی منزل مل گئی جس دن پاکستان قائم وجود

میں آگیا۔ لیکن ایک گروہ وہ بھی تھا جو شاہ اسماعیل شہید کی پیروی میں اللہ کے دین کے غلبہ اور اس کے نفاذ کے لئے جدوجہد کر رہا تھا۔ اس گروہ میں حضرت شبیر احمد عثمانی، پیر صاحب مانکی شریف اور مولانا ظفر احمد عثمانی وغیرہ شامل تھے۔ اور مولانا اشرف علی تھانوی نے تو بہت پہلے پاکستان کی حمایت کا اعلان کر دیا تھا۔ ہمیں اس وقت لوگ کہتے تھے کہ تم ایک خطرناک کھیل کھیل رہے ہو۔ سید سلیمان ندوی مرحوم نے ایک مرتبہ تقسیم سے چند ماہ پیشتر مجھ سے فرمایا "مولانا آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ پہلے ہمیشہ ذہنی انقلاب آتا ہے۔ اور پھر ملکی انقلاب، اور آپ ملکی انقلاب پہلے لا رہے ہیں۔ اور ذہنی انقلاب بعد میں لانا پڑے گا...... ظاہر ہے کہ جب تک لوگوں کو قرآن و سنت کے لئے تیار نہ کیا جائے اسلامی نظام قائم ہونا محال ہے۔ یہ کام بڑی محنت اور ہمت اور ایثار و قربانی چاہتا ہے۔ ہمیں معلوم تھا کہ ہمارے ساتھیوں کی منزل محض آزادی تھی تاکہ وہ آزاد ہو کر عہدے اور کرسیاں حاصل کر سکیں۔ لیکن دین پسند عناصر کے سامنے ایک دشوار منزل تھی۔ اور وہ ابھی تک حاصل نہیں ہوئی۔ چنانچہ علماء کی جدوجہد ختم نہیں ہوئی۔ وہ جاری ہے۔ اس میں طریق کار مختلف ہیں۔ مقصد ایک ہے۔ بعض کے نزدیک اصلاح کا موثر ذریعہ اقتدار ہے۔ اس لئے قانونی ذرائع سے اقتدار پر قبضہ ضروری ہے۔ بعض علماء حکومت سے تعاون کو خیر و فلاح کا موجب سمجھتے ہیں۔ لیکن ۱۸ سال میں رونما ہونے والے واقعات و حالات سے صاف ظاہر ہے کہ حکومت کی نظر میں نہ یہ دوست نہ وہ۔ ارباب اقتدار نے اپنے طرز عمل سے واضح کر دیا کہ علماء کو ملازم کی گالی دے کر ختم کرنا چاہتے ہیں۔ ایک مرتبہ ملک غلام محمد مرحوم نے مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم سے کہا مولانا آپ کو اپنی روش بدلنا پڑے گی۔ ورنہ نوجوان بھڑک اٹھیں گے۔ اور کہیں پاکستان کا بھی ترکی والا معاملہ نہ ہو۔ انہوں نے کہا، ملک صاحب مجھے ترکی سے نہ ڈرائیے۔ بلکہ افغانستان کے حالات سے عبرت حاصل کیجئے۔ جہاں کے بادشاہ امان اللہ خان نے خلاف اسلام سرگرمیاں شروع کیں تو اسے ملک چھوڑنا پڑا۔ حالات کے مشاہدہ کی بناء پر مجھے اندیشہ ہے۔ خدا کرے کہ یہ غلط ثابت ہو کہ اس ملک میں

مذہب اور اقتدار کی جنگ شروع ہو چکی ہے۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ یہ کوئی غیر متوقع صورتحال نہیں، ہمارے ذہن اس کے لئے پہلے ہی سے تیار تھے۔ ہمیں معلوم ہے کہ وہ مسلمان رہنما جو پاکستان کی مخالفت کر رہے تھے اور وہ مسلمان تھے یہ رائے رکھتے تھے کہ مسلمان رہنما اسلام کا مذہباً ڈھکوسلہ رہے ہیں۔

ایک مرتبہ مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی مرحوم کے ساتھ تھے دہلی میں ایک سرکاری افسر کے یہاں رات عشاء کے بعد بارہ بجے تک پاکستان کے موضوع پر باتیں ہوتی رہیں۔ اس مجلس میں اسد ملتانی مرحوم کے علاوہ ایک اور صاحب بھی تھے۔ جو اب سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو چکے ہیں۔ مولانا سیوہاروی نے فرمایا کہ قرآن و سنت پر مبنی نظام رائج کرنے کے لئے پاکستان تو بہت بڑا ہے۔ میں تو ضلع گوڑگاؤں کو بھی کافی سمجھتا ہوں۔ لیکن اگر پاکستان میں قرآن و سنت کے علاوہ کوئی اور نظام ہی رائج کرنا ہے تو پھر مرکز کی تقسیم سے کیا فائدہ؟

اگر یہ جانتے چن چن کے ہم کو توڑیں گے
تو گل کبھی نہ تمنائے رنگ و بو کرتے

ہم نے کہا کہ ہمیں معلوم تھا۔ صرف توڑنے کے خدشے کی بناء پر پھول کھلنے سے نہیں رہ سکتے۔ بقول شاعر

خزاں آتی ہے اور خاک میں ملنا ہی پڑتا ہے
مگر کلیوں کو اس گلزار میں کھلنا ہی پڑتا ہے
جگر کو زخم سے زخموں کو آہوں سے بچاتا ہوں
مگر ہوتے ہی ہیں زخم انھیں چھلنا ہی پڑتا ہے

جب مجھے سرکاری آدمی گرفتار کرنے کے لئے آئے تو میں عرض کرتا ہوں کہ مجھے کوئی رنج یا حیرت نہ تھا۔ کیونکہ

یہ سب سوچ کر دل لگایا تھا ناصح
نئی بات کیا آپ فرما رہے ہیں

میں آپ سے ایک اہم بات کہنا چاہتا ہوں کہ جب تک شیدائیان اسلام موجود

بند کے مرحلوں سے نہیں گزریں گے۔ اسلامی نظام قائم نہیں ہو گا۔ یہاں سوال صرف پانچ علماء کا نہیں بلکہ اس سرزمین میں ہر حق گو آدمی یا تو قید و بند میں ہے یا سخت مشکلات کا شکار ہے۔ مولانا غلام اللہ خان کا قصور اس کے سوا کیا ہے کہ انہوں نے رقص و سرود کے خلاف آواز اٹھائی۔ اور آج وہ اپنے آبائی گھر میں نظر بند ہیں۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ہم بھی قید ہیں اور خوشامدی علماء بھی' فرق یہ ہے کہ ہمارا جسم قید میں ہے اور ضمیر آزاد ہے۔ جبکہ ان کا جسم آزاد ہے اور ضمیر قید' دراصل حق و صداقت کو طوق و سلاسل سے دبانے سے قاصر ہیں۔

کٹ جائیں گے زنداں میں اسیری کے یہ دن بھی
احساس تو وابستہ زنجیر نہ کیجئے

خواجہ ناظم الدین مرحوم نے ایک مرتبہ حضرت ہزاروی سے کہا تھا کہ مولانا پچھلے دنوں ڈھاکہ یونیورسٹی میں خدا کی ہستی پر رائے شماری ہوئی ہے۔ آج اس ملک میں ہر طرح کی آزادی ہے۔ کمیونزم' سوشلزم' رقص و سرود کے لئے آزادی ہے۔ اگر نہیں تو اس دین کے لئے نہیں جس کی اساس پر مملکت پاکستان کی تشکیل کی گئی۔ کس قدر شرم کی بات ہے یہ۔

یہ حقیقت ہے کہ اس ملک میں اہل سنت' اہل حدیث کا طبقہ ہی اکثریت رکھتا ہے۔ اور انہوں نے ہی تحریک پاکستان میں بے مثال قربانیاں دیں۔ باقی گروہوں نے کوئی قربانی نہیں دی۔ خصوصاً پاکستان میں حنفی فرقہ اکثریت رکھتا ہے۔ اگر کسی کو حنفی ضابطہ ناپسند ہے تو وہ اسے ترک کر سکتا ہے۔ لیکن اسے یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ دوسرے فرقوں اور گروہوں کے عقائد و اعمال میں اصلاح کی بجائے سارا زور اصلاح اسی ایک مسلک پر صرف کرنے لگے۔ یہ اس لئے کہ حکومت کسی فرقے کی مخالفت مول نہیں لینا چاہتی۔ کوئی اپنے رہنما کو خدا بنا رہا ہے۔ کوئی مستقل نبوت چلا رہا ہے۔ لیکن ہر ایک کو چھٹی ہے۔ کسی پر کوئی قدغن نہیں۔ صرف حنفی ضابطہ پر چلنے والے ہی کیوں معتوب ہیں........ کبھی ہم اسلامی نظام کا مطالبہ کرتے تھے۔ لیکن آج؟...... میں بطور تنزل ایک بات کہتا ہوں۔

کل تو روتے تھے اپنے دامن کو
اے جنوں آج آستیں بھی نہیں

آج تو انگریز کی دی ہوئی مذہبی آزادی بھی برقرار نہیں۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ اگر اس ملک میں ہر قسم کی مذہبی آزادی ہے تو پھر اکثریتی حنفی فرقے کو بھی اپنے مسلک کے مطابق عمل کرنے کی اجازت ہونی چاہئے۔ ورنہ علماء اور مشائخ حسب دستور آج بھی جیلیں بھر دیں گے۔ لیکن عائلی ضابطے میں تبدیلی گوارا نہیں کریں گے۔ اور حق گوئی ترک نہیں کریں گے۔ حکومت کی خواہش ہے کہ جس طرح سیاست میں بی ڈی سسٹم رائج ہے۔ اسی طرح دین میں بھی بی ڈی سسٹم رائج کر دیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اہل پاکستان کا اعتبار اپنے علماء سے جائے گا تو نتیجتاً یہ قوم اپنے ضمیر فروش علماء سے کیسے مسئلہ پوچھے گی..... پھر یہ کہ عالم نے اگر قرآن و سنت کی صحیح ترجمانی نہیں کی تو اس نے حضرت محمد ﷺ کی روح کو تکلیف پہنچائی ہے۔ قرآن و سنت کی ترجمانی اور حق گوئی علماء کا فریضہ ہے۔ اس کی ادائیگی میں حکومت کی عزت پوشیدہ ہے۔ رہائی کے بعد میں نے ایک دن جامع مسجد دہلی کی ریڈیائی تقریر سنی جس میں انہوں نے ہندوستان میں مذہبی آزادی کے موجود ہونے پر حکومت کا شکریہ ادا کیا اور ساتھ ہی پاکستان کے متعلق بتایا کہ وہاں رویت ہلال کے مسئلہ پر اختلاف کے باعث جید علماء کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اگر حکومت یا ماہرین "فکر و نظر" کے چیئرمین انگریزی کی خواہش کے مطابق پاکستان میں کوئی صاحب کردار عالم باقی نہ رہے۔ تو نتیجہ یہ ہوگا کہ مذہبی قیادت ہندوستان کے علماء کے ہاتھ میں چلی جائے گی۔ دونوں ملکوں کی جنگ کی صورت میں ہندوستان کے علماء تو جہاد کا فتویٰ دیتے رہیں گے۔ اور جہاں تک پاکستان کے علماء کا تعلق ہے لوگ ان کی چیخ و پکار بھی نہیں سنیں گے۔ کیونکہ ان کی نظروں میں بے کردار علماء کا کیا وقار رہ جائے گا۔ خان لیاقت علی خان مرحوم نے ایک مرتبہ حضرت عثمانی سے کہا مولانا میں حال ہی میں مشرقی پاکستان کا دورہ کر کے واپس آیا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ ہزاروں طلباء علم دین حاصل کرنے کے لئے بھارت دیوبند وغیرہ جاتے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ جو طالب علم آٹھ دس سال تک بھارت رہے اس کا ذہن پاکستان کے ساتھ کیسے مطابقت پیدا کر سکتا ہے۔ ہمیں ایسے عالم کی ضرورت ہے جو ہماری سرزمین پر ہی علم حاصل

کرے۔ یہی پلے بڑھے اور یہیں عالم بنے۔ اس لئے آپ یہاں ایک عظیم الشان دارالعلوم بنائیں۔ تقریباً اسی قسم کے حالات کا سعودی عرب کی حکومت کو سامنا کرنا پڑا۔ جہاں کے نوجوان ازہر یونیورسٹی سے عالم بن کر آتے تھے۔ لیکن جب مصر اور سعودی عرب کی ٹھن گئی تو سعودی حکومت نے فوراً مدینہ یونیورسٹی قائم کر دی۔ اور آج ہمارے ارباب دست عربی و دینی مدرسوں کو ختم کرنے پر غور کر رہے ہیں۔ لیکن ہمیں یقین ہے وہ اپنے ان ارادوں میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔

مرا نقش ہستی نہیں مٹنے والا
بتوں کے مٹانے سے مٹتا نہیں ہے
اس کے مٹنے میں وہ مست جائیں گے خود
کہ یہ نقش مجبور ہے مٹتا نہیں ہے

اگر یہاں سے طالب علم دوسرے کسی علاقے میں تحصیل علم کے لئے جائیں گے تو بیرون ملک سے پاکستان کے متعلق یہ بدگمانی پیدا ہوگی کہ پاکستان میں تو دین کے علم کا نام و نشان تک نہیں۔ اس لئے عرض ہے کہ۔

ذرا رفتار کو بدلو کہ دل پامال ہوتے ہیں
یہ ہم بھی جانتے ہیں آمد فصل بہاری ہے

اگر پاکستان کے علماء کا وقار بنے گا اور ان کا کردار بے عیب ہو گا تو نہ صرف ملک کی عزت قائم ہو گی بلکہ اس سے عوام پر بھی اچھا اثر پڑے گا۔ ان کی سیرت کی اصلاح ہو گی۔

میر محسن الدین صاحب (ایم این اے) نے ابھی ابھی بالکل درست فرمایا ہے کہ منتشر قوت بے اثر ہوتی ہے۔ اس حقیقت کا اظہار حال ہی میں عرب اسرائیل جنگ سے بھی ہوا ہے۔ لیکن یہاں میں ذرا مختصراً چاہتا ہوں کہ علماء کی باہمی چپقلش کا سبب کیا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد چند سالوں تک علماء کرام باہم متفق رہے۔ بلکہ ہم نے کراچی میں اکتیس چوٹی کے علماء کو جمع کیا اور سب نے اتفاق

رائے سے اسلامی دستور کا خاکہ تیار کیا۔ ۵۵-۱۹۵۴ء کے بعد فرقہ بازی شروع ہوئی اور اس کا باعث اس وقت کی حکمران جماعت تھی۔ سہروردی صاحب اور سکندر مرزا صاحب کے خیال میں اگر دینی چند عناصر متحد ہو گئے تو پھر یہ لوگ حکومت پر قابض ہو جائیں۔ اس سوچ کا عملی نتیجہ یہ ہوا کہ ایک عجیب انداز سے فرقہ وارانہ اختلافات شروع ہو گئے۔ مقصد یہ تھا کہ یہ الجھے رہیں تو ان پر ہاتھ ڈالنے کا موقع حاصل رہے۔ اس لئے علماء اور عوام دونوں سے کہتا ہوں کہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کیجئے۔ فروعی مسائل میں اختلاف میں شدت نہ کیجئے۔ ہمیں ایک دوسرے کے قریب آنا چاہئے۔ اسی میں ہماری فلاح ہے۔ اسی راہ پر چل کر ملک میں اسلامی نظام قائم ہو سکتا ہے...... ہماری خواہش ہے کہ حکومت اگر بعض مذہبی فرقوں کے سربراہوں کو سرکاری مہمان بناتی ہے۔ ان کا شان و شوکت کے ساتھ استقبال کیا جاتا ہے۔ بعض کی آمد پر سرکاری حکام ان کے آگے پیچھے ہو جاتے ہیں۔ خواہ یہ لوگ پاکستان کے کسی مسئلہ میں معاونت کریں یا نہ' ایک فرقے کے رہنما فوت ہوتے ہیں تو سرکاری افسران اس کے جنازے میں شریک ہوتے ہیں۔ لیکن ہمیں گلہ ہے کہ تحریک آزادی کے مجاہد سید عطاء اللہ شاہ اور مفسر قرآن مولانا احمد علی لاہوری کی وفات پر کسی تعزیت کا تار تک نہ دیا جا سکا۔ حالانکہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ ہر فرقے کے علماء کی تعظیم و تکریم کرے۔

ختم شد

(ماہنامہ الحق پشاور)

علمائے حق کا شیوہ

۸ اکتوبر ۱۹۷۶ء دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

خطبہ مسنونہ کے بعد حضرت مولانا موصوف نے سورۃ اعلیٰ کی تلاوت کے بعد ارشاد فرمایا۔

جناب صدر! حضرات علمائے کرام اور معزز حاضرین جلسہ آج پاکستان کی مشہور و معروف دینی درسگاہ دارالعلوم حقانیہ اور اس کے سالانہ جلسہ میں ہم اور آپ سب جمع ہیں اور یہ ہمارا اجتماع بڑا مبارک اجتماع ہے۔ جس میں مختلف اطراف اور سمتوں سے فارغ التحصیل علماء بھی جمع ہیں اور اپنے اکابر اور بزرگ بھی نظر آتے ہیں۔ پاکستان میں ایسی دینی درسگاہیں دو چار ہی ہیں جن میں اپنے وہ اکابر اور بزرگ نظر آتے ہیں۔ جنہوں نے دارالعلوم دیوبند کے اندر اپنا وقت اور اپنی خدمات دیں۔ آج وہ بڑی کامیابی کے ساتھ ان دینی درسگاہوں کو چلا رہے ہیں اور بالخصوص میں تو جب بھی اس علاقے میں آتا ہوں۔ تو میرے دل میں پہلے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ میں ایسے خطے میں جا رہا ہوں جہاں اپنے اکابر سے تعلق رکھنے والی شخصیتیں اور بزرگ کافی تعداد میں نظر آئیں گے۔ اور ان کی زیارت ہوگی۔ چنانچہ ابھی ایک کافی عرصہ کے بعد حضرت مولانا عزیز گل صاحب کی زیارت ہوئی۔ جو ابھی یہاں تشریف رکھتے ہیں۔ اور خاکساری و تواضع کی وجہ سے اصرار کے باوجود کرسی پر تشریف نہیں لائے۔ ان کو دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ اس لئے کہ یہ ان اکابر اور بزرگوں میں سے ہیں جنہوں نے حضرت شیخ الہند کے ساتھ رفیق کی حیثیت سے وقت گزارا ہے۔ اور ہر شخص ان کے چہرے کو دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ کسی اللہ والے کے ساتھ ان کو رفاقت نصیب ہوئی ہے۔

بزرگوں کی صحبت کا اثر

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے حرم کے اندر کسی صاحب کو دیکھا اور بہت دیر تک ان کی طرف دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ جب انہوں نے سلام کیا تو آپ اٹھ کر وہاں سے تشریف لے گئے اور فرمایا "آپ ہندوستان سے آئے ہیں۔؟ انہوں نے کہا۔ جی ہاں" میں ہندوستان سے آیا ہوں۔ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا " آپ کیا کسی اللہ والے سے بیعت ہیں۔؟ انہوں نے کہا کہ میں کسی بزرگ سے بیعت تو نہیں لیکن کوئی پندرہ سال کا زمانہ گزرا ہے کہ میری فلاں بزرگ سے ملاقات ہوئی تھی۔ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا" وہ جو پندرہ سال قبل صرف ایک مرتبہ ملاقات ہوئی تھی اس کے اثرات اور اس کا نور اب تک آپ کی پیشانی پر چمک رہا ہے۔ تو جنہوں نے بزرگوں کے ساتھ رفیق کی حیثیت سے وقت گزارا ہے یقیناً" ان کی ہربات اور ہرادا سے اور چہرے بشرے میں وہ نور نظر آتا ہے جو اپنے اکابر اور بزرگوں میں تھا۔ بہرحال مجھے یہاں آنے میں اس بات کی بھی خوشی ہوئی ہے کہ اپنے اکابر سے تعلق رکھنے والے حضرات کی زیارت ہوگی۔

اس مدرسہ کا سرچشمہ مولانا قاسم اور مولانا گنگوہی ہیں

جہاں تک اس مدرسہ کا تعلق ہے جس کے جلسے میں آپ جمع ہیں یہ دراصل ڈیڑھ صدی پہلے جن اللہ والے بزرگوں نے دین کی خدمات کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس کی ایک کڑی ہے۔ اور یہ درس گاہ بھی اسی سے وابستہ ہے۔ میری مراد ہے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی جنہوں نے سب سے پہلے ہندوستان میں دینی مدرسوں کی بنیاد رکھی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد جب مسلمان مایوس ہو گئے کہ اب ہم شاید انگریزوں کو نکال نہ سکیں گے اور آخری کوشش وہ ہوئی ہے کہ جب حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب سپہ سالار کی حیثیت سے انگریزوں سے جنگ کرتے ہیں۔ حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بھی ساتھ ہیں اور ایک وہ بزرگ بھی ساتھ ہیں جن کا

آپ نے سنا ہوگا۔ حضرت حافظ ضامن شہید صاحب بھی ساتھ تھے۔ اور انگریزوں کا تعاقب کرتے ہوئے کافی دور تک دوسرے قصبے تک پہنچا دیا۔ انگریز وہاں ایک تحصیل کی عمارت میں بند ہو گئے۔ اور انہوں نے غالباً اس کی اطلاع کرائی کہ ان کو اور کوئی کمک نہ پہنچ جائے۔ حضرت حاجی صاحب نے یہ مشورہ کیا تھا کہ آج اس تحصیل پر حملہ کرکے ان انگریزوں کو یہاں سے ختم کرنا ہے۔ حضرت ضامن شہید فرمانے لگے کہ حضرت! انشاء اللہ یہ تحصیل تو صبح تک فتح ہو جائے گی لیکن ہم نہیں رہیں گے۔ سب سے پہلے جو حملہ کیا ہے تو گولی لگی حضرت حافظ صاحب کو۔ اور وہ وہیں گر گئے اور شہید ہوئے یہی وہ بزرگ ہیں جن کے بارے میں مولانا تھانوی سے سنا ہے کہ کوئی شخص ان کی قبر پر فاتحہ پڑھنے گیا تو آواز آئی کہ جاؤ کسی مردے کی قبر پر فاتحہ پڑھو۔

دین کی حفاظت کے لئے ہمارے اکابر کی مساعی

حضرت مولانا نانوتوی اور ان حضرات نے یہ طے کیا کہ اب اس ملک میں مسلمان غلام کی حیثیت سے زندگی گزاریں گے۔ فاتح قوم کی طرف سے جو جو طریقے اختیار کئے جائیں گے اس میں اندیشہ ہے کہ مسلمان اپنے دین اور عقائد اور اپنی روایات کی حفاظت نہیں کر سکیں گے۔ لہذا یہ طے کیا کہ ایک ایسی درس گاہ بنائی جائے جس سے ایسے افراد پیدا ہوں جو پیٹ سے پتھر باندھیں۔ لیکن یہ مسلمانوں کے عقائد، افکار ان کے مستقبل اور ان کے دین کی حفاظت کریں۔ یہ علماء کی کوششیں اور تقریباً ڈیڑھ صدی کی تاریخ بتا رہی ہے کہ ان لوگوں نے بڑی بڑی تکلیفیں اور مشقتیں اٹھائیں اور آج تک ہندوستان کے مسلمانوں کی جس طرح انہوں نے دین کی حفاظت کی۔ اس سے اندازہ لگتا ہے کہ سارے ممالک اسلامی میں پھر جائیے۔ آپ کو اتنا دین نہیں ملے گا جتنا ہندو پاکستان کے مسلمانوں میں نظر آرہا ہے۔ یہ انہی علماء کی بدولت ہے جنہوں نے بوریوں اور چٹائیوں پر بیٹھ کر علم دین کی حفاظت کی ہے۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ دارالعلوم حقانیہ اور حضرت مولانا عبدالحق

صاحب براہ راست اسی درسگاہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہ درس گاہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ مولانا نے اس علاقے کے اندر علم دین کی اشاعت میں بہت نمایاں کام انجام دیا ہے۔ اور الحمد للہ اطراف و اکناف کے لوگ یہاں علم دین حاصل کرنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے حق تعالی نے مولانا کے ہاتھوں سے ایک چھوٹا سا دیوبند یا اس کے نمونہ پر ایک ادارہ قائم کیا۔ حق تعالی اور زیادہ ترقی عطا فرمادیں اور اس سے زیادہ خدمت کی توفیق اللہ تعالی عطا فرمادیں۔ جس وقت مجھ سے کہا گیا کہ میں بھی جلسہ میں کچھ عرض کروں تو میں نے یہ بات پیش کی تھی کہ دراصل حضرات علماء کافی تعداد میں تشریف رکھتے ہیں۔ ان کے بیانات ہوں گے۔ اس کی ضرورت نہیں ہے کہ کوئی لمبی چوڑی تقریر کروں۔ صرف شامل ہونے کے لئے برکت کے خیال سے جی چاہتا ہے کہ تھوڑی دیر آپ کی خدمت میں کچھ عرض کروں ' زیادہ وقت نہیں لیتا۔ وقت زیادہ ہوگیا ہے ۔ دوسرے میرے بعد بھی حضرات آپ کو خطاب فرمائیں گے۔ تیسرے یہ کہ میرے گلے میں تین چار روز سے تکلیف ہے اسی وجہ سے میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لے سکوں گا اور میرا یہ خیال تھا کہ میں ایک مختصر سا ارشاد سرکار دو عالم ﷺ کا تلاوت کرکے اس کا ترجمہ کروں گا لیکن ایک صاحب کا پرچہ آیا جس میں فرمائش تھی کہ قرآن کریم کی کچھ آیتیں تلاوت کروں اس لئے میں نے سورۃ اعلی کی تلاوت کی

دو باتیں

میں دراصل مختصر طریقے پر صرف دو باتیں کہنا چاہتا ہوں ایک تو ان نوجوان صالح علماء سے تعلق رکھتی ہے جو آپ کے دارالعلوم سے فارغ ہو چکے ہیں۔ اور اب ان پر دین کی بھاری ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔ وہ اپنے اپنے علاقوں میں جاکر دین کی خدمات انجام دیں گے۔ جن میں بہتوں کی دستار بندی آج بھی ہوگی" ہو چکی یا کل بھی ہوگی۔ اس جلسے کے کسی وقت میں بھی ان کی دستار بندی ہوگی

علم اور دستار فضیلت

دستار فضیلت ایک قسم کا شرف ہے۔ اور یقیناً" اس سے پہلے آپ کا دل بڑا خوش ہو گا۔ جس کے سر پر دستار فضیلت بندھتی ہے اس کے دل سے پوچھئے اور ہونا بھی چاہئے کہ اللہ جب کسی نعمت کی توفیق دے تو قدرتی طور پر اس سے خوشی ہوتی ہے۔ یہ کیا کم انعام ہے کہ اللہ تعالی نے آپ کو علم دین کے حصول اور پھر اس کی تکمیل کی توفیق دی۔ یہ کوئی کم انعام نہیں ہے' بڑی نعمت ہے۔ بہت سے لوگ اس زمانہ میں ایسے بھی ہیں جو آپ کی اس مصروفیت اور تعلیم کو اعتراض کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ آپ نے اپنا وقت ضائع کر دیا۔ اور مختلف طریقوں سے آپ کو چھیڑتے ہیں۔ کسی کالج کے طالب علم نے کسی عربی کے مولانا صاحب سے پوچھا تو کہ مولانا صاحب ذرا یہ تو بتایئے کہ آسمان پر کتنے ستارے ہیں؟ مولانا صاحب نے کہا بھئی مجھ کو یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ آسمان میں ستارے کتنے ہیں۔ میں نے آپ کے سامنے جو بات صحیح صحیح تھی کہہ دی۔ وہ صاحب کہنے لگے کہ صاحب آپ قوم کی رہنمائی کس طرح کریں گے۔ ابھی تک آپ کو یہ بھی پتہ نہیں کہ آسمان میں ستارے کتنے ہیں اور وہ جتنا الزام دے سکتے تھے دیا' لیکن علم دین پڑھنے کے بعد انسان اگر جھوٹ بولنے میں جری نہیں تو کم سے کم ذہین ضرور ہو جاتا ہے۔ اس نے فوراً" یہ بات کہی کہ مہربانی کر کے ذرا آپ بھی بتایئے کہ سمندر میں مچھلیاں کتنی ہیں؟ وہ کہنے لگے مجھ کو تو میرے پروفیسر صاحب نے یہ نہیں بتایا۔ تو انہوں نے کہا کہ صاحب ابھی تو فرش کا علم پورا نہیں ہوا تو عرش کی باتیں آپ کہاں سے کرتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ نے اپنا صحیح وقت مصرف میں نہیں لگایا۔

لیکن اس کے باوجود آپ کے والدین اور آپ کو اللہ نے یہ توفیق عطا فرمائی کہ آپ نے اپنی زندگیوں کو دین کے لئے وقف کیا۔ حقیقت میں یہ کام اللہ تعالی کا انعام ہے اور پھر تکمیل کی توفیق عطا فرمائی...... پھر ایسے اللہ والوں اور بزرگوں کے ہاتھوں سے' تو اللہ ان کی لاج رکھے گا اور اس لاج کی وجہ سے دستار فضیلت کی وجہ سے آپ کی اور دین کی عزت قائم کرے گا۔ اس میں خوشی ہوتی

ہے۔ اس سے آپ کا دل مسرور ہے۔ لیکن بہت سی مسرتیں ایسی ہیں کہ وہ سطحی ہوتی ہیں۔ جب انسان اس کی حقیقت پر غور کرتا ہے تو وہ ایک گہری فکر میں چلا جاتا ہے۔ آپ نے بار بار دیکھا ہو گا۔ ملکوں میں شادی ہوتی ہے' ایک نوجوان کو ہار پہنا کر اچھے کپڑے پہنا کر' اور بعض لوگ اظہار کے لئے بھی ایسا کرتے ہیں کہ گھوڑے پر بٹھا کر اس کی برات لے جاتے ہیں اس وقت آپ اس دولہا کے دل کو ٹٹولیں۔ تو وہ اندر سے بڑا خوش ہوتا ہے کہ میں آج نوشہ بنا ہوا ہوں۔ لیکن اس بے چارے نے یہ کبھی غور نہیں کیا کہ میرے یہ سارے عزیز رشتہ دار اچھے کپڑے پہنا کر یہ کون سا پہاڑ ذمہ داری کا میرے سر پر ڈال رہے ہیں۔ اور اگر اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ نکاح کے بعد میرے اوپر کتنا بوجھ اور پہاڑ میرے اوپر ڈال دیا جائے گا تو میرا خیال ہے کہ وہ برات والوں سے چھپ کر گھوڑے سے بھاگ جائے گا کہ میں نہیں جاتا......

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اللہ تعالیٰ نے ظرافت بھی عطا فرمائی تھی اور حکمت بھی' حضرت مولانا تھانوی فرمایا کرتے تھے کہ یہ دونوں باتیں کم جمع ہوتی ہیں۔ عام طور پر جن کی طبیعت میں حکمت غالب ہو' ظرافت نہیں ہوتی۔ اور جن کی طبیعت میں ظرافت غالب ہو حکمت سے زیادہ واسطہ نہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں دونوں صفتیں جمع تھیں۔ کسی بدو نے ان سے سوال کیا کہ یاامیر المومنین ماالنکاح نکاح کسے کہتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ سرور شہر ایک مہینہ مسرتوں کا ہے۔ خوشیوں کا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس مہینہ کا آغاز خوشیوں سے ہوتا ہے۔ بدو نے سوال کیا؟ یاامیر المومنین ثم ماذا؟ اس کے بعد کیا؟ حضرت علی نے اس کا قافیہ ملاتے ہوئے ظرافت کے ساتھ فرمایا۔ نکاح کی دوسری منزل کا نام ہے لزوم مہر عرب میں طریقہ یہ ہے کہ اب اس کے بعد مطالبہ کیا جاتا ہے کہ لائیے' مہر ادا کیجئے' نوشہ کو پہلی مرتبہ یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم نے تو خوشی خوشی قاضی کی مجلس میں قبول کیا تھا۔ یہ تو پتہ نہیں تھا کہ جیب سے مہر کی رقم بھی نکالنی ہو گی۔ اس بدوی نے پھر سوال کیا یاامیر المومنین

ثم ماذا؟ اس کے بعد کون سی منزل آتی ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اور پھر قافیہ برقرار رکھا۔ کہ تیسری منزل کا نام ہے غموم دھر فرمایا اب اس کے بچے ہو جاتے ہیں، کبھی دوائیں، کبھی کپڑے، سارے زمانے کا غم اس پر آ پڑتا ہے۔ فرمایا مسرت سے جس تقریب کی ابتداء ہوئی تھی اس کی تیسری منزل اب آگئی۔ اس یہودی نے سوال کیا یا امیر المومنین ثم ماذا؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ جھک گئے۔ اس لئے کہ جب انسان بوڑھا ہو جاتا ہے تو اس کی کمر جھک جاتی ہے۔ کسی کتاب میں میں نے واقعہ پڑھا تھا کہ کوئی ستر اسی سال کے بوڑھے جن کی کمر جھک گئی تھی ان سے بچوں نے شرارت سے پوچھا تھا کہ بڑے میاں یہ کمان کتنے کی خریدی ہے۔؟ تو اس بے چارے نے بڑی سادگی سے کہا۔ کہ جب میری عمر کو پہنچ جاؤ گے تو مفت میں ہی مل جائے گی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جھک کر فرمایا۔ آخری منزل کا نام ہے کسور ظہر کہ کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ قاضی کی مجلس میں جاتے وقت آپ نے کیا سوچا تھا کہ ذمہ داریاں پوری کرتے کرتے کمر جھک جائے گی۔ لیکن وہ ایک مرتبہ آپ نے کہہ دیا تھا کہ قبول کیا، تو لفظ کتنا مختصر ہے؟ مگر ذمہ داریاں ساری زندگی کی ہیں۔

دہلی میں ایک صاحب کی شادی ہوئی۔ لڑکی ذرا پڑھی لکھی تھی۔ اگلے دن لڑکی نے ایک فہرست تیار کر کے شوہر کے پاس بھیج دی کہ اتنے برتن، اتنا فرنیچر، اتنا لباس اور اتنے سامان کی چیزیں آئیں گی۔ شوہر صاحب پریشان ہو گئے اور کہا۔ خدا کی قسم میں نے تجھے قبول کیا تھا، فہرست قبول نہیں کی تھیں اور اگر یقین نہ ہو تو چلیں، قاضی سے پوچھواؤں۔ اس نے کہا یہ جو آپ نے لفظ "قبول" کیا کہا۔ اس کی وجہ سے یہ سب چیزیں آپ کے ذمہ ہو گئیں۔ یہ تو ابھی پہلی قسط ہے ابھی تو کتنی اور فہرستیں آئیں گی۔ تو میں یہ بات عرض کر رہا تھا کہ عنوان کتنا مختصر ہے۔ ذمہ داریاں بہت ہیں۔ یہ نہ سمجھئے کہ یہ جو لفظ قبول جتنا مختصر ہے اتنی ہی مختصر ذمہ داری بھی ہے۔

حضرت مولانا تھانوی کے ہاں ایک صاحب تشریف لائے اور انہوں نے آکر

اپنی کچھ پریشانیاں بیان کیں۔ مولانا نے فرمایا بھئی تم چالیس دن تک یاسین پڑھ لیا کرو گیارہ مرتبہ ' چالیس دن کے بعد وہ صاحب دوبارہ تشریف لائے اور کہا کہ صاحب چالیس دن ہو گئے ۔ آپ کی ہدایت کے مطابق پڑھتا رہا لیکن حالات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ حضرت کو فراست سے اندازہ ہوا کہ غالباً اس نے صحیح طریقے پر نہیں پڑھا تو دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ میں اس طرح پڑھتا تھا۔ یٰسٓ یٰسٓ ' یٰسٓ ' گیارہ مرتبہ ' حضرت نے سن کر فرمایا۔ اللہ کے بندے یہ لفظ یٰسٓ مختصر سا عنوان ہے ' اس کا مطلب یہ ہے پوری سورت کی تلاوت ...... اسی طریقے سے ہم جو اسلام کا کلمہ پڑھ کر کہتے ہیں کہ اے اللہ ! ہم نے تیری بندگی اور اطاعت کو قبول کیا۔ لفظ کتنا مختصر ہے لیکن آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے کلمہ کہہ کر اپنی پوری زندگی خدا کی مرضیات کے مطابق ڈھالنے کا عہد کر لیا ہے۔

یہ علماء جن کی دستار بندی ہوئی ہے ان کے اوپر کس قسم کی ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں۔ حدیث میں آتا ہے العلماء امناء الدین مالم یخالطوا الامراء فاذا خالطوا الامراء فهم لصوص الدین فاحذروهم (او کما قال)۔ اس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ علماء پر ان کی کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ عام مسلمانوں کو علماء کے ساتھ قدردانی اور تکریم کس قسم کا برتاؤ چاہئے۔ یہ بھی ہماری ذمہ داری کہ ہمارا تعلق خدا سے کس نوعیت کا ہو گا۔ اس لئے کہ بعض اوقات ہماری درشتی اور خشونت کی وجہ سے بہت سے لوگ آپ سے فیض نہیں حاصل کر سکتے۔ کسی نے صحیح کہا ہے کہ

کوئی کارواں سے چھوٹا کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیر کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی

کچھ ذمہ داریاں ہماری بھی ہیں۔ لیکن کچھ عام مسلمانوں کی بھی ہیں کہ ان کو قوم کے رہنماؤں اور علماء کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ چاہئے۔ لیکن پہلے آپ کو یہ بتاؤں علماء کسے کہتے ہیں۔ یہ چیز کوئی پڑھانے کی نہیں۔ عالم کی جمع ہے۔ علم والوں کو عالم کہتے ہیں۔

تحریف الفاظ کا زمانہ

یہ زمانہ تحریف الفاظ کا زمانہ ہے۔ جو لفظوں کے اصل معنی تھے ان کے بجائے یار لوگوں نے اپنی طرف سے معنی ڈال دیئے۔ مثال کے طور پر مساوات جیسے کہ ابھی حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی فرما رہے تھے مساوات اس کے معنی برابری کے ہیں۔ لیکن اگر آج کسی سے پوچھئے کہ صاحب آپ کی نظروں میں مساوات کے کیا معنی ہیں تو کہیں گے کہ ایک عورت کو بالکل اس قسم کے کام کرنے کی اجازت دی جائے جو کام مرد انجام دیتے ہیں۔ اگر آپ ملازمت کرتے ہیں مگر عورتوں کو ملازمت کی اجازت نہیں دیتے۔ اگر آپ فوج میں ملازمت کرتے ہیں مگر فوج کے اندر عورت کو ملازمت کی اجازت نہ دی۔ تو یہ روشن خیال کہیں گے۔ کہ آپ نے مساوات کا خون کر دیا۔ اس لئے میں نے عرض کیا کہ مساوات کے معنی اسلام میں کیا ہیں۔ مساوات کے معنی حقوق میں برابری ' عمل میں برابری

مرد اور عورت کے حقوق

حقوق تین قسم کے ہیں۔ جان کا ' مال کا ' عزت کا ' کیا شریعت اسلامیہ نے یا مسلمانوں نے کبھی عورت اور مرد کی جان میں فرق کیا؟ عورت کی جان اتنی ہی قیمتی ہے اسلام کے اندر جتنی کہ مرد کی ہے۔ کوئی فرق نہیں ' اور مال ' عورت کی ملکیت اور مرد کی الگ ہے ' شادی ہو جانے کی وجہ سے بھی اس کی ملکیت ختم نہیں ہوتی۔ عورت اور آبرو میں میرا خیال یہ ہے کہ شاید عورت کو زیادہ حق ملا ہوا ہے شریعت کے اندر ' اس لئے کہ اس کی جو عزت ہے وہ گنجینے کی چمک دمک اور آب و تاب کی طرح ہے۔ اس میں اگر فرق آجائے تو اس کا بہت نقصان ہوتا ہے۔ تو آپ مجھے بتائیے کہ ان تینوں میں جب شریعت نے برابری رکھی تو اس کا نام ہے مساوات ' لیکن یہ آپ کو کس نے بتا دیا کہ ذمہ داری اور عمل کے اندر برابری کا درجہ دیں اور اگر اسی کا نام مساوات ہے۔ کل کوئی خاتون کہے گی کہ تین ماہ میں بچہ حمل میں اٹھائے رہی ' پھر اب تین ماہ تمہیں اٹھانا ہو گا۔ مرد کہیں گے کہ تین ماہ ہم نے نماز

پڑھائی' اب عورتوں کو اتنا عرصہ نماز پڑھانی چاہئے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ درحقیقت خدمات میں اور عمل میں بھی مساوات نہیں ہوتی' تقسیم کار ہوا کرتی ہے' حقوق ہوتے ہیں اسی طریقہ سے عدالت اور انصاف کا لفظ ہے۔ آج دنیا سے پوچھئے کہ تمہاری نظر میں عدل و انصاف کے کیا معنی ہیں' وہ آپ کو کچھ اور بتائے گی۔ لیکن شریعت اسلامی سے پوچھئے تو وہ صحیح معنی آپ کو بتائے گی۔ کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ آپ کی نظر میں عدل اور انصاف کے معنی یہ ہیں کہ جیسا قانون موجود ہے۔ اس قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کا نام انصاف ہے اور بعض اوقات وہ بھی نہیں۔ ایک مجتہد تاریخ تھے کیانی صاحب' میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ کسی شخص نے ان سے کہا ان کی عدالت میں کہ صاحب میں تو یہاں انصاف کی امید لے کر آیا تھا کہ یہ عدالت ہے لیکن میرے ساتھ تو ظلم ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا' آپ غلط سمجھے۔ یہ کچہری ہے' یعنی انصاف کی توقع تو عدالت سے کرنی چاہئے۔ کچہری سے نہیں' انصاف ہو یا ظلم ہو' کچھ ہو' یہاں تو کاغذات جو موجود ہیں' فیصلہ ان کے مطابق ہی ہو گا۔ لیکن شریعت میں یہ انصاف اس لئے نہیں کہ اگر قانون ظالمانہ ہے تو اس کے مطابق فیصلہ کیسے ہو سکتا ہے۔؟ وہ فیصلہ بھی ظالمانہ ہو گا۔ لہٰذا عدل کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ جس قانون کے مطابق فیصلہ دیا جا رہا ہے وہ منصفانہ ہو اور قانون منصفانہ نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ قانون اللہ کے حکم کے مطابق نہ ہو۔ اگر خدا کے حکم اور قانون کے مطابق فیصلہ ہوتا ہے تو وہ انصاف ہے لیکن دنیا نے ظالمانہ قانون کے مطابق فیصلے کا نام بھی انصاف رکھ دیا۔ میں نے کہا یہ فتنہ الفاظ کا زمانہ ہے۔

علم و فن میں فرق

اسی طریقے علم کسے کہتے ہیں؟ اس زمانہ میں لوگوں نے جس کا نام علم رکھا ہے فن اور چیز ہے' علم اور چیز ہے' اگر دستکاری سکھانے کے لئے ڈاکٹری یا انجینئرنگ پڑھانے کے لئے اگر کوئی درسگاہ قائم ہوتی ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ آیتیں وہی پڑھی جاتی ہیں۔ جن میں اللہ تعالیٰ نے علم کی ترغیب دی ہے۔ اور کہا یہ جا:

ہے کہ یہ ہماری مادر علمی ہے۔ یہ ہماری علمی درسگاہ ہے۔ حالانکہ معاف کیجئے گا اگر آپ انجینئر یا مستری بن گئے تو آپ نے فن سیکھا ہے، علم نہیں سیکھا، آپ ہوائی جہاز، ٹیلی فون، یا اور قسم کی مشینیں بنانے لگے تو یہ فن ہے، اس کو علم نہیں کہہ سکتے۔ اگر کوئی شخص اعلیٰ درجہ کا فرنیچر بناتا ہے تو آپ سمجھئے کہ وہ دراصل اعلیٰ درجہ کا مستری اور دستکار ہے۔ لیکن اس کو علم نہیں کہا جاتا۔ فن کہا جائے گا۔ اور علم اسے کہتے ہیں کہ جس کی معلومات اور ہدایات کے ذریعے آپ کا دل اور توجہ خدا کی طرف مبذول ہو جو خدا کی معرفت تک آپ کو لے جائے۔ اس کو کہتے ہیں علم اور یہ بھی یاد رکھئے کہ علم معیار فضیلت ہے۔ فن معیار فضیلت نہیں، اگر آج امام فخرالدین رازی ہوتے تو کیا کوئی ہوائی جہاز اڑانے والا پائلٹ ان سے یہ کہہ سکتا کہ آپ کو تو صرف تفسیر کبیر لکھنی آتی ہے، تو یہ کہا جائے گا کہ ہوائی جہاز اڑانا معیار فضیلت نہیں۔ علم معیار فضیلت ہے۔ امام فخرالدین رازی کے پاس علم ہے، تمہارے پاس فن ہے۔ فرمایا

علم چہ بود آنکہ رہ بنمایدت
زنگ گمراہی زدل بزدایدت

جو چیز خدا کی طرف آپ کو متوجہ کرے اس کو کہتے ہیں علم، آپ کو خوش ہونا چاہئے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے فن نہیں علم دیا ہے۔ فن سے چیزیں بنتی ہیں۔ اور علم سے انسان بنتا ہے، دنیا کے بڑے بڑے فلسفی دنیا کی چیزیں بنانے کے طریقے آپ کو بتاتے ہیں۔ انبیائے کرام، ولی اللہ عارف بنانے، قطب اور غوث بنانے بڑے بڑے بزرگ بنانے کے لئے طریقے آپ کو بتاتے ہیں۔ اس لئے میں نے عرض کیا کہ آپ کو خوش ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم عطا فرمایا۔ دوسرے لفظوں میں یہ سمجھئے کہ کھانے پینے کا دھندا کمانے کے طریقے بتانے والی چیزیں فن کہلاتی ہیں۔ اور آخرت سنوارنے والی چیزیں علم کہلاتی ہیں۔ ہماری باتیں روشن خیالوں کی نظر میں "ملاؤں" کی باتیں ہیں لیکن اگر وہ بات کسی جج کی ہوئی ہو تو آپ کو ماننی چاہئے۔ اکبر الہ آبادی جو جج بھی ہیں اور انہی کے زمانہ میں ہندوستان

کی مختلف درسگاہیں قائم ہوئیں جن میں سے دیوبند کی درسگاہ بھی ہے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھی ہے۔ ندوہ بھی ہے اور اکبر الہ آبادی کی جو تشبیہ ہوتی ہے وہ بہت صحیح ہوتی ہے۔ آپ نے ان کی زبان سے سنئے۔ انہوں نے درسگاہوں کو کیا کیا خطابات عطا فرمائے۔

ہے دل روشن مثال دیوبند
اور ندوہ ہے زبان ہوشمند
اب علی گڑھ کی بھی تم تشبیہ لو
ایک معزز پیٹ اس کو مان لو

قرآن میں اہل شکم اور اہل علم کا ایک واقعہ

مجھے قرآن کریم کا ایک واقعہ یاد آیا جس میں اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو اہل شکم کہا ہے اور کچھ کو اہل علم' اور ظاہر ہے دونوں ہی کھاتے پیتے ہوں گے۔ دونوں ہی کاروبار بھی کرتے ہوں گے تبھی تو زندہ ہیں۔ فرمایا

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓءُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ (پ ۲۰ ع ۱۱)

قارون موسیٰ (علیہ السلام) کی برادری میں سے تھا۔ سو وہ (کثرت مال کی وجہ سے) ان لوگوں کے مقابلہ میں تکبر کرنے لگا اور اس کے مال کی کثرت (یہ تھی) کہ ہم نے اس کو اس قدر خزانے دیئے تھے کہ ان کی کنجیاں کئی کئی زور آور شخصوں کو گرا کر اجار کر دیتی تھیں۔

قارون کا واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اتنے خزانے اس کو عطا فرمائے تھے کہ اس کی کنجیاں ایک جماعت کی جماعت اٹھائے جایا کرتی تھی۔ جب وہ اپنے ساز و سامان اور طمطراق کے ساتھ جلوس لے کر نکلتا تھا تو قرآن کریم کے الفاظ ہیں' فرمایا کہ

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِىْ زِيْنَتِهٖ

یعنی جب وہ جلوس لے کر نکلتا تھا تو بڑی چمک دمک کے اور آب و تاب کے ساتھ لوگ دیکھتے تھے

خس و خاشاک یا فولاد کا پہاڑ

بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب بھی ہوا چلتی ہے تو ہوا کے رخ پر اڑ جاتے ہیں۔ جہاں ذرا سا ریلا پانی کا آجاتا ہے وہ اس ریلے میں بہہ جاتے ہیں۔ ان کی حیثیت قوم میں خس و خاشاک کی طرح ہوتی ہے اور اس زمانہ میں اپنی شرمندگی کو مٹانے کے لئے لوگوں نے نام رکھا ہے ترقی کا کہ زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ چلنے کا نام ترقی ہے۔ حالانکہ اسلام اس قسم کی ترقیات کو نہیں مانتا۔ وہ کہتا ہے کہ ہم اپنا راستہ خود تجویز کرتے ہیں۔ اپنے طریقے خود قائم کرتے ہیں اور اگر زمانے کی رو اگر تمہیں بہا کر لے جانا چاہے تو تم فولاد کا پہاڑ بن کر کھڑے ہو جاؤ۔ زمانے کی رو میں مت بہنا۔ بلکہ زمانے کا رخ تبدیل کرنا۔

تو جس وقت قارون جلوس لے کر نکلتا تھا تو لوگوں کے منہ میں پانی آجاتا تھا اور لوگ کہتے تھے کہ اے خدا! یہ تو نے قارون کو اتنے خزانے دیئے ہیں کم سے کم دو چار خزانے ہمیں بھی دے دے۔ قارون کی طرح ہمیں بھی مالدار اور دولت مند بنا دے۔ اور یہ کون لوگ تھے؟ قرآن کریم کے الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

کہنے لگے کیا خوب ہوتا کہ ہم کو بھی وہ ساز و سامان ملا ہوتا

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے دنیاوی زندگی کو اپنی مراد بنا لیا تھا۔ نصب العین اور مقصد بنا لیا تھا' جن کا مقصد زندگی اس سے زیادہ نہ تھا کہ "کھاؤ پیو اور آرام کرو" وہ کہتے تھے کہ ہم بھی قارون ہو جائیں تو اچھا ہے۔ وہ تو بڑا صاحب نصیب ہوتا ہے' اللہ والے ان چیزوں سے کبھی متاثر نہیں ہوتے۔ اللہ والوں کی نظر کس چیز پر ہے۔ فرمایا

غرور تھا نمود تھی ہٹو بچو کی تھی صدا
اور اب تم سے کیا کہوں لحد کا پتہ نہیں

جہانگیر نے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو گوالیار کے قلعہ میں بند کیا تھا۔ آج کتنے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے والوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ لیکن ایسے کتنے لوگ ہیں جن کو یہ بھی خبر ہے کہ جہانگیر کا مقبرہ کہاں ہے۔ میر تقی میر ہندوستان کا ایک شاعر گزرا ہے۔ فرمایا!

کل پاؤں ایک کاسہ سر پر جو آ گیا!!
یکسر وہ استخوان شکستہ سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر
میں بھی کبھی کسی کا سر پُرغرور تھا!

تو نے میرے اوپر پاؤں رکھ دیا، میرے اوپر تو کبھی تاج رکھا جاتا تھا، اور کبھی ہار ڈالے جاتے تھے۔ آج تو نے اس پر جوتا رکھ دیا۔ اور وہ چور چور ہو گیا۔ تو اللہ والے کبھی ان چیزوں سے متأثر نہیں ہوتے۔

ہمارے پاکستان کے سابق گورنر جنرل مسٹر غلام محمد صاحب جنہوں نے ایک زمانہ میں بڑی ترنگ کے ساتھ یہ بات کہی تھی کہ پاکستان کا آئین قرآن و سنت کے مطابق نہیں ہوگا اور میں اس کے لئے گولی کھانے کے لئے تیار ہوں مگر کسی مسلمان نے جواب میں یہ کہا تھا کہ معاف کیجئے گا۔ کسی مسلمان کی جیب میں ایسے پیسے بیکار نہیں پڑے جو وہ آپ کے اوپر گولی چلا کر ضائع کرے گا۔ آپ کی اتنی حیثیت بھی نہیں، ان کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کسی پاگل خانے کا معائنہ کرنے کے لئے گئے تو کسی پاگل نے دور سے دیکھ کر کہا ایک اور آگیا! انہیں یہ سن کر بڑا غصہ آیا۔ دل میں سوچنے لگے اس نے میری بڑی اہانت کی ہے۔ جب یہ قریب پہنچے تو کہا کہ میں پاکستان کا گورنر جنرل ہوں، تو اس نے کہا، پہلے ہم بھی ایسا ہی کہا کرتے تھے۔ آپ بھلا بتایئے کہ قارون کا جلوس اور طمطراق اور اس کی یہ شان و شوکت سے اللہ والے کیسے متأثر ہوتے۔ یہ تو وہ طبقہ تھا جو ان کے جلوس کو دیکھ کر متأثر ہوا۔ آگے ہمارے فارغ التحصیل طلباء کو جن کو اللہ نے دولت علم عطا فرمائی ہے، ان کا ذکر ہے، فرمایا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا

اور کہا ان لوگوں نے جو دیے گئے تھے علم (آخرت کا) افسوس تم پر (اے دنیا طلب کرنے والو) اللہ تعالیٰ (کے گھر) کا ثواب اب بہتر ہے اس شخص کے واسطے جو ایمان لائے اور اچھے کام کرے۔

جن کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا تھا' وہ کہنے لگے' ارے ظالمو! تم نے اگر خزانے مانگے تو قارون کے مانگے' اگر مانگنے تھے تو آخرت اور ثواب کے خزانے مانگتے' یہ کیا تم نے مانگ لیا' یہ قارون کی حیثیت کچھ نہیں' دنیا کے خزانے کچھ حقیقت نہیں رکھتے' قرآن کریم کے الفاظ آپ کے سامنے ہیں۔ اکیسویں پارے میں یہ رکوع موجود ہے' قارون کے جلوس کو دیکھ کر جس طبقے کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ہم بھی دولت مند ہو جائیں ان کو اللہ نے اہل علم نہیں کہا۔ اور جنہوں نے آخرت کی بات کی ان کو اللہ نے اہل علم کہا۔ ایک بات اور سن لیجئے۔ یہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو ترقی یافتہ کہا بڑے ہوشیار اور چالاک ہوتے ہیں آگے چل کر جب قارون کا خزانہ اور محل خدا کے حکم سے زمین میں دھنسنے لگا اور لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو ان لوگوں نے جنہوں نے دعا کی کہ اے خدا! ہمیں بھی قارون بنا دے۔ اب کہنے لگے

لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا

اگر یہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہوتی تو ہم کو دھنسا دیتا۔

اے اللہ تیرا لاکھ شکر کہ تو نے ہمیں قارون نہیں بنایا' ورنہ ہم بھی آج زمین کے اندر جاتے۔

علماء دین کے امین ہیں ان کے پاس کون سی امانت ہے؟

خیر تو میں عرض کر رہا تھا کہ دراصل علم وہ ہے جو آخرت کا راستہ دکھائے۔ خدا کی معرفت کا طریقہ آپ کو بتلائے اور وہ وہ ہے جو آپ نے یہاں کی دینی کتابوں میں حاصل کیا' اس سے معلوم ہوا کہ علماء سے مراد وہ ہیں جو قرآن اور

سنت کے قائل ہوں۔ جنھوں نے اپنے اساتذہ سے قرآن و سنت کے علوم حاصل کئے' علماء سے وہ مراد ہیں' حدیث میں ایسے علماء کو امناء الدین کہا گیا۔ اب تیسرا امین کی' ان کے پاس کون سی امانت ہے؟ دین کی امانت ہے۔ بلکہ حقیقت میں دین ہی کو امانت کہا گیا ہے۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ

(ہم نے امانت (یعنی احکام جو بمنزلہ امانت کے ہیں) آسمان و زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی۔)

ہم نے دین کی امانت آسمان اور زمین پر پیش کی تو اس آیت میں دین کو ایک بہت بڑی امانت کہا گیا ہے۔ جو اللہ کی ان کے پاس ہے اور یاد رکھئے کہ کبھی کبھی انسان خود تو چھوٹا ہوتا ہے مگر امانت بہت بڑی ہوتی ہے۔ اور جب امانت بڑی ہو تو اس کو اپنے چھوٹے پن کا خیال نہیں ہوتا۔ امانت کے بڑے ہونے کا خیال ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ ایک عالم کو سمجھنا چاہئے کہ میں اپنی ذاتی حیثیت میں چاہے غریب ہوں' چاہے میری آمدنی کم ہے لیکن میرا مرتبہ اس امانت کی وجہ سے جو اللہ نے مجھے عطا فرمائی ہے' بادشاہوں سے بھی بڑا ہے اور جب وہ یہ سمجھے گا تو دو باتیں اس میں پیدا ہوں گی۔

خلق خدا سے بے نیازی

ایک تو خلق خدا سے بے نیازی وہ خلق خدا کے پیچھے پیچھے نہیں پھرے گا' بلکہ خلق خدا اس کے پیچھے پیچھے چلے گی۔ اس کے لئے اپنے آپ کو سب سے اونچا اور ممتاز سمجھتا ہے۔ اللہ نے جو قیمتی چیز ان کے ہاتھوں میں عطا فرمائی ہے وہ امانت دین ہے اور دوسری بات ان میں یہ پیدا ہو گی کہ اس امانت کی بڑی بڑی ذمہ داریاں ہیں جن میں پہلی ذمہ داری حق بات کا اظہار کرنا ہے۔ کہ عالم کا کام یہ ہے کہ جب مسئلہ بتائے تو بغلوں کو جھانک کر نہ بتائے۔

عالم کا مقصد وجود اظہار حق ہے۔

یاد رکھئے کہ عالم کا کام یہ ہے کہ جب بھی حق کی ترجمانی کا سوال پیدا ہو تو ہچکچائے نہیں، حق بات واضح بیان کرے اور اگر عالم نے حق بات نہ کی تو ایک شخص نے ایک بڑا جملہ لکھا ہے کہ اگر نمک کے اندر نمکینی باقی نہ رہے تو دنیا کی کون سی چیز ہے جو اس کو نمکین بنائے گی؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ عالم کا تو کام ہی یہ ہے کہ قرآن و سنت کی ترجمانی کی جائے اور جب عالم اس کی ترجمانی نہ کرے تو جو اس کے وجود کا مقصد تھا وہ فوت ہو گیا اس لئے علماء کی دو قسمیں کر دی گئی ہیں۔ ایک علمائے حق اور علمائے ربانی کہلاتے ہیں اور دوسرے علماء سوء کہلاتے ہیں۔

آپ کب علمائے حق بن سکیں گے

اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ علم دین حاصل کرنے کے بعد جب آپ اللہ والوں کی جوتیاں سیدھی کریں گے، ان کی صحبت میں آپ کچھ دن گزاریں گے تو ان شاء اللہ آپ کا شمار علمائے ربانی اور علمائے حق میں سے ہوگا۔ اگر آپ کو اپنے علم پر غرور اور ناز رہا اور آپ نے اکابر کی جوتیاں سیدھی نہیں کیں تو اندیشہ ہے کہ کہیں آپ کا علم آپ کو گمراہ نہ کردے۔

تاریخ میں علماء سوء کی مثالیں

ایسی مثالیں تاریخ میں موجود ہیں، ملا مبارک ناگوری (فیضی اور ابو الفضل کا باپ) جس کی آگرے کے اندر بڑی یونیورسٹی تھی، بڑا مدرسہ تھا اور مولانا مناظر احسن گیلانی نے لکھا ہے کہ وہ حافظ ابن حجر عسقلانی کا دو یا تین واسطوں سے شاگرد تھا، بڑا عالم ہے، لیکن اس کے دل میں خوف خدا نہیں، خشیت الٰہی نہیں، اللہ کے دین اور اس کے علم کو دنیاوی اغراض کے لئے استعمال کرتا ہے، بڑے بڑے تلامذہ اور شاگرد ہیں جن میں ملا عبدالقادر بدایونی بھی ہیں، اس زمانے میں انہوں نے اپنے گھر کے اندر بیٹھ کر تاریخ لکھی ہے اور تاریخ لکھ کر اپنے گھر میں رکھ گئے ہیں،

بعد میں جب وقت آیا ہے تو وہ تاریخ چھپی ہے' جہاں اپنے استاد کا ذکر آیا ہے وہاں
بہت برے الفاظ میں ذکر کیا ہے' وہ الفاظ کیا ہیں' فرمایا

تو اے مرد سخن پیشہ زبہر چند مشتے دون
ز دین بہا نمودی بے ہمہ وسعت سخن دانی

طلاقت لسانی' اور زور بیانی کی وجہ سے تو نے خدا کے دین سے اعراض کیا' تیرا لقب
مرد سخن پیشہ' باتیں بنانا تیرا کام ہے

چہ سستی دیدی از سنت کہ رفتی سوئے بے دینی
چہ تقصیر آمد از قرآن کہ گردی گرد آرائی

سنت اور قرآن میں تجھے کیا قصور نظر آیا کہ تو نے رکابی اور پلیٹ کو اپنا مذہب بنا لیا
اور جو وقت کے تقاضے تھے ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگا' اس لئے میں نے عرض کیا
کہ تاریخ میں ایسے واقعات موجود ہیں۔

امام ابو حنیفہ کے زمانہ کے چالیس چور

مولانا مناظر احسن گیلانی نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں چالیس
علماء نے دستخط کر کے خلیفہ کو دیئے تھے کہ خلیفہ معصوم ہوتا ہے اور حضور آپ سے
جو کچھ گناہ اور غلطی سرزد ہو جائے' خدا کے ہاں کوئی گرفت نہیں' مولانا گیلانی نے
اپنی زبان میں لکھا ہے کہ یہ تاریخ اسلام کے چالیس چور تھے' علی بابا چالیس چور کا
قصہ آپ نے سنا ہو گا۔ لکھتے ہیں کہ ایک دستاویز امام ابو حنیفہ کے سامنے پیش کی گئی'
دستخط کرنے کے لئے انہوں نے کہا دستاویز پر دستخط کرنے کے معنی ہیں شہادت دینا'
جب واقعہ میرے سامنے ہوا نہیں تو میں اس پر دستخط کیسے کر سکتا ہوں' خلیفہ نے کہا
اور اتنے علماء نے جو دستخط کئے ہیں' امام ابو حنیفہ نے کہا کہ انہوں نے غلط کئے خلیفہ
کو غصہ آیا' اس نے علماء کو بلوایا' دربار میں ان سے پوچھا کہ یہ تم لوگوں نے دستخط
کیوں کئے' ان لوگوں نے اقرار کیا کہ حق تو وہی ہے جو ابو حنیفہ کہہ رہے ہیں۔ اس
لئے میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ ایک بہت بڑی امانت ہے اگر عالم نے شریعت کی
ترجمانی کا حق ادا نہیں کیا اور واقعتاً اگر اس نے اس کو چھپا لیا ہے' تو اس نے اللہ

اور اس کے رسول کے دین میں خیانت کی ہے

اظہار حق کے لئے نرمی اور حکمت ضروری ہے

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اظہار حق نرمی اور ملاطفت کے ساتھ ہو۔ اس سے
عنوان کا اثر بڑا ہوتا ہے۔ ایک ہی بات ہے۔ اگر آپ نے تلخ لفظوں میں کہہ دی
تو آپ نے اشکال پیدا کر دی۔ نرمی سے کہہ دی تو دلوں میں اتر گئی۔ انوری کا مشہور
واقعہ ہے کہ انوری دربار میں گیا، جا کر قصیدہ سنایا۔ بادشاہ نے خوش ہو کر کہا ایک
شاہی گھوڑا اسے دے دو انعام میں۔ اور یہ شاعر و ادیب بیچارے غریب ہوتے ہیں۔
ان کے پاس پیسہ نہیں ہوتا۔ تو اس نے شاہی گھوڑا دیا اور انوری نے اپنا سر پکڑ لیا
کہ یہاں تو اپنے کھانے اور پینے کے لئے کچھ نہیں، گھوڑے کو کہاں سے کھلاؤں
اور کہاں سے پلاؤں۔ سردی کا زمانہ تھا، گھوڑے کو دروازے سے باہر باندھ دیا،
سردی کی وجہ سے رات کو گھوڑا مر گیا۔ اب انوری کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اب میں
خلیفہ سے جا کر کیسے کہوں۔ اگر یہ کہوں کہ حضور واہ آپ نے اچھا گھوڑا دیا جو مریل
گھوڑا تھا آپ نے مجھے دے دیا تو سر کٹنے کا فتویٰ مل جائے گا کہ نکل جاؤ ہماری
سلطنت سے۔ لیکن اگر کہوں تو کس طریقے پر؟ انوری کی سمجھ میں آگئی بات، دربار
میں گیا اور جا کر یہ کہا کہ آج بھی میں آپ کی شان میں قصیدہ لکھ کے لایا ہوں،
اجازت دیجئے۔ بادشاہ نے اجازت دے دی۔ انوری نے اپنا قصیدہ شروع کیا اور قصیدہ
یہ کہ گھوڑے کے مرنے کی خبر دے رہا ہے، کہا

شاہا فرستادہ بہ انوری خنگے — باد صرصر بگرد او نرسید

راہوار بڑا تیز رفتار، بڑا اچھا گھوڑا آپ نے دیا، جس کی نسل بھی بہت اعلیٰ تھی،
خوب تعریف کی۔ آگے کہا

این چنین بود تیز در رفتار — در شبا شب بآخرت برسید

حضور! یہ تو اتنا تیز رفتار نہیں چاہئے تھا، آپ نے اتنا تیز رفتار دے دیا وہ تو ایک
رات ہی میں آخرت کو پہنچ گیا۔ بادشاہ بڑا خوش ہوا اور کہا معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑا
مر گیا، شاید اس کے پاس ساز و سامان نہیں تھا، حکم دیا کہ دوسرا گھوڑا دو، اس کے

ساتھ کھانے پینے کا سامان بھی۔

آپ نے اندازہ لگایا کہ عنوان کتنے اعلیٰ درجہ کا اختیار کیا گیا عنوان پر بڑا انحصار ہے' ایک عورت کنویں پر پانی بھر رہی تھی' کسی نے کہا "اے میری ماں مجھے پانی پلا دے" عورتیں سب بیچاری بڑی رحم دل ہوتی ہیں' اس نے اپنا گھڑا چھوڑ کر اسے پانی پلا دیا' اس لئے کہ اس نے اسے ماں کہہ دیا' ایک دوسرے صاحب تشریف لائے اور کہا "اے میرے باپ کی جورو مجھے پانی پلا دے" وہ مارنے کو دوڑی اب وہ منطقی تھا' پوچھنے لگا کہ باپ کی جورو اور ماں میں کیا فرق ہوتا ہے؟ تو بھائی یہ مسئلہ منطق سے حل ہونے والا نہیں' اصل یہ ہے کہ عنوان آپ کا بہتر ہونا چاہئے۔ حدیث میں آتا ہے۔

بشرا ولا تنفرا یسرا ولا تعسرا تطاوعا ولا تختلفا (اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم) تم دونوں خوشخبریاں سنانا اور نفرت نہ دلانا' آسانی کرنا' سخت گیری نہ کرنا' باہم متحد و متفق رہنا' اختلاف نہ کرنا (یہ نصیحت آنحضرت ﷺ نے ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبلؓ کو فرمائی)

(میں نے عرض کیا کہ ایک امانت اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہے اور اس امانت کا سب سے بڑا حق جس سے خطرہ ہے وہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا ما لم یخالطوا الامراء جب تک امراء سے قاعدت نہ کریں' امراء کے معنی کیا ہیں؟ امراء جمع ہے امیر کی اور امیر کے معنی عام طور پر ہو گئے ہیں' حاکم اور بادشاہ' افسر' صاحب اثر' صاحب رسوخ ان کو امراء کہتے ہیں' یہ اس لئے میں نے کہا کہ آج ایک جھگڑا اور بحث روشن خیالوں نے یہ بھی چھیڑ رکھی ہے کہ اولوالامر کون ہیں؟ اور جہاں کوئی سرکاری حکم آتا ہے تو کہتے ہیں' مولانا صاحب اولوالامر کی تو اطاعت کرنی چاہئے! ان بے چاروں کو یہ نہیں معلوم کہ ذرا تفسیر تو تم اٹھا کے دیکھ لو' علماء نے اولوالامر تو لکھا ہی علماء کو ہے' مفسرین نے لکھا ہے کہ اولوالامر وہ ہیں کہ جو صاحب فتویٰ کہلاتے ہیں' جو جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی ترجمانی کرتے ہیں اور قرآن و سنت کو سمجھتے ہیں' لیکن چلئے دوسری تفسیر کی

علماء پر اولوالامر ان کو بھی مان لیا جائے، حکام کو بھی، لیکن یہ کس مسخرے نے کہہ دیا کہ قرآن میں اولوالامر کی اطاعت کا حکم ہے، قرآن میں کہیں اولوالامر کی اطاعت کا حکم نہیں۔

اولوالامر کی اطاعت کب ضروری ہے

قرآن کریم میں جو حکم ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اور اولوالامر کی، تو دو جگہ لفظ اطاعت موجود ہے، اللہ کے ساتھ بھی، رسول کے ساتھ بھی، اولوالامر کے ساتھ لفظ اطاعت نہیں، اٹھا کر دیکھئے قرآن کریم کو، اس کا مطلب یہ کہ اصل اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی، اگر اولوالامر اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا ہے تو اس کی اطاعت کرنا، اور اگر اللہ اور رسول کی اطاعت نہیں کرتا تو اس کی اطاعت نہیں اسلام میں، جس کا مطلب یہ ہے لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں کہ جس میں خالق کی نافرمانی ہوتی ہو، خیر، میں نے یہ کہا کہ امراء سے حکام، اہل دولت صاحب اثر و رسوخ مراد ہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ علماء مخالطت نہ کریں، مخالطت کے معنی یہ نہیں آپ ان سے نہ ملیں، ان کی شکلوں کو دیکھ کر بھاگ جائیں، حضرت مولانا تھانوی کی مجلس میں بڑے بڑے مضامین اور بڑے بڑے نکات حل کئے جاتے تھے، کسی شخص نے مولانا سے سوال کیا اور مولانا نے فرمایا کہ بھئی یہ تم نے بڑا اہم سوال کیا ہے، اللہ نے اس کا جواب ابھی ابھی میرے دل میں ڈالا ہے، سوال یہ کیا گیا کہ شریعت میں حکم دیا گیا کہ بروں کی صحبت سے بچو، اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ نیکوں کی صحبت میں بیٹھو تو فرمایا کہ حکم تو دونوں سر آنکھوں پر ہیں لیکن ہمارا خیال ہے کہ دونوں حکم جمع نہیں ہوسکتے، اس لئے کہ جب کوئی برا آدمی آپ کی صحبت میں آکر بیٹھے گا تو آپ بھاگ جائیں گے کہ میں تو بروں کی صحبت میں نہیں بیٹھتا، حضرت مولانا نے فرمایا کہ اصل میں مخدوم کا اثر خادم پر ہوتا ہے، خادم کا اثر مخدوم پر نہیں پڑتا۔

علماء مخدومانہ حیثیت برقرار رکھیں

یہ بات یاد رکھئے کہ جو آدمی مخدومانہ حیثیت رکھے گا وہ خادموں پر اثر
ڈالے گا اور جو خود ہی اپنے آپ کو خادم بنائے گا وہ مخدوموں پر کبھی اثر نہیں ڈال
سکتا۔ فرمایا کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ علماء کو چاہئے کہ اہل رسوخ ' اہل
سلطنت اور جتنے بھی با اثر افراد موجود ہوں ان کے ساتھ نیاز مندانہ اور خادم کی
حیثیت اختیار نہ کریں بلکہ وہ اپنی مخدومانہ حیثیت کو برقرار رکھیں ' اس لئے اگر یہ
خود خادم بن گئے تو ان کے اثرات ان کے اوپر نہیں پڑیں گے ' اس لئے یہ نہیں کہا
کہ آپ ان سے نہ ملیں ' نہیں ' آپ ملیں ' ان کے پاس بھی جائیں ' ملاقات بھی
کریں ' لیکن یہ بات یاد رکھئے گا کہ اپنی مخدومانہ حیثیت جو اس امانت کی وجہ سے
آپ کو خدا نے دی ہے ' اس کو خراب نہ کریں ' اس مخدومانہ حیثیت کو جب تک
تم باقی رکھو گے ' انشاء اللہ اس وقت تک دین سے فائدہ پہنچے گا اور جس وقت اس
میں خادمانہ حیثیت اختیار کرلیں گے تو اصل چیز ختم ہوجائے گی اس لئے حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انهم لصوص الدين فاحذروهم فرمایا کہ یہ اب
دین کا امانت دار نہیں بلکہ دین کا ڈاکو ہوگیا ہے ' رہزن ہے ان کو اپنی حیثیت اور
رتبے کو سمجھنا چاہئے ' دوسری طرف عام مسلمانوں سے یہ بات عرض کی جاتی ہے کہ
جب یہ حضرات دین کے امانت دار ہیں ' دین کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں ہے تو آپ ان
کی ذات اور شخصیت کو نہ دیکھیں ' ان کی آمدنی کو نہ دیکھیں ' ان کے لباس کو نہ
دیکھیں ' بلکہ اس بات کو دیکھیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی سچی امانت ان
کے ہاتھ میں ہے آپ ان کے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ نہ کریں جس سے ان کی
مخدومانہ حیثیت مجروح ہوتی ہو ' حضرت مولانا تھانوی کا ایک ارشاد سنئے فرمایا اگر کوئی
عالم غلط ہو تو اس کے فتوی پر چاہے عمل نہ کرو مگر عزت ضرور کرو ' اور مثال کیسی
دی ' فرمایا کہ اگر کسی پریس میں قرآن چھپ رہا ہے اور غلطی سے غلط چھپ گیا ہے
تو وہ قرآن جو غلط چھپا ہے وہ قابل تلاوت تو نہیں ہے لیکن خبردار ! یاد رکھنا ' اسے
پاؤں کی ٹھوکر مارنا جائز نہیں تعظیم و تکریم اس لئے کہ خدا کا کلام ہے ' اگر اس

طریقے سے آپ نے بے توقیری کی تو اس کی وجہ سے عام طور پر اہل دین کی عظمت دلوں سے ختم ہو جائے گی اور بہت سے لوگ ہر عظمت کو ختم کرنا چاہتے ہیں طرح طرح کے الفاظ اور القاب سے یاد کرتے ہیں۔

ٹیپو سلطان شہید جن کی بڑی ہیبت تھی' جب انگریزوں نے چاہا کہ ان کی عظمت ختم ہو جائے تو انہوں نے اپنے کتوں کا نام ٹیپو رکھا' خلافت اور خلیفہ کا لفظ اسلام میں ایسا تھا کہ اس کی ہیبت چھا جاتی تو آپ نے دیکھا کہ اس کے اثر کو ختم کرنے کے لئے حجامت بنانے والے کو خلیفہ کہنے لگے' اسی طریقے سے جب عالم کی عظمت کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو کوئی مولانا اور مولوی کی جگہ مسٹر لکھنے کا خواہش مند ہے' کوئی ملا لکھتا ہے' اور کوئی دوسرے طریقے سے یاد کرتا ہے' یاد رکھئے کہ یہ لوگ دراصل دین کے خلاف ہیں اور دین کی عظمت کو ختم کرنا چاہتے ہیں' اس لئے میں نے عرض کیا کہ اگر علماء کی تعظیم و تکریم کریں گے تو وہ دراصل دین کی ہوگی' میں زیادہ وقت آپ کا نہیں لوں گا' بس یہی کلمات عرض کرنا تھے۔

دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم اور آپ سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

سوشلزم لادینی نظام ہے

جناب صدر، حضراتِ علمائے کرام اور معزز حاضرینِ جلسہ

آج میں مغربی پاکستان کے ایک ایسے مشہور شہر میں اپنے دوستوں سے خطاب کر رہا ہوں جس کو پاکستان کا قلب کہا گیا ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ زندہ دلان لاہور کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت عطا فرمائی ہے کہ جس تحریک کا آغاز لاہور سے ہو۔ اس میں صرف نوجوانوں کے جذبات ہی شامل نہیں ہوتے بلکہ اللہ کا فضل اور اس کی نصرت بھی شامل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ پاکستان کی تحریک کی ابتداء بھی آپ کے اسی مشہور شہر سے ہوئی جب کہ ۱۹۴۰ء میں یہاں پاکستان کا ریزولیشن اور قرارداد پاس کی گئی۔ پھر مجھے وہ وقت بھی یاد ہے کہ آج سے قریباً آٹھ مہینے پہلے جب سوشلزم کے خلاف ہم نے اپنی جدوجہد کا آغاز کیا تھا تو سب سے پہلے ہم نے لاہور ہی سے اس کام کو شروع کیا تھا۔ اور اسی کی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آٹھ مہینے میں۔ تو پھر ہم گھوم پھر کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ خواجہ

صاحب کا شعر یاد آتا ہے

مقام فنا تک جو پہنچے ہیں اے دل
تو مر مر کے جیے مگر آ گئے ہیں

آج ہم پھر اسی شہر میں باتحاد حیثیت سے آپ کے سامنے موجود ہیں۔ اس لئے کہ سوشلزم اور لادینی عناصروں کی ظلمتوں کی جو گھٹا چھا گئی تھی الحمد للہ کہ علماء کی جدوجہد سے اس طرح چھٹی ہے جس طرح کہ آفتاب کی شعاعوں سے کافور ہو جاتی ہے۔ اور الحمد للہ پھر اسلام کے لئے فضا بن گئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ زندہ دلان لاہور کا یہ لقب یونہی تو نہیں ہے، علامہ اقبال مرحوم کا شعر ہے۔

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ

یہ زندہ دلی بڑی سے بڑی مہم سر کرنے کی ضمانت ہے۔ الحمد للہ آج مرکزی جمعیت علماء اسلام کا کھلا اجلاس آپ کے سامنے ہے۔ جہاں بہت بڑی تعداد میں مسلمان جمع ہیں۔ اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان میں کوئی مسلمان کرائے سے نہیں بلایا گیا۔ کیونکہ جس طریقہ سے یہ لوگ اجتماعات کرتے ہیں ہمیں سب اندر کے راز معلوم ہیں۔ اور ہم ان لوگوں کی اس قسم کی باتوں سے متاثر نہیں ہوتے۔ اکبر مرحوم فرماتے ہیں:

ساری دنیا آپ کی حامی سہی ہر قدم پہ مجھ کو ناکامی سہی
نیک نام اسلام میں رکھے خدا کفر کے حلقے میں بدنامی سہی

الحمد للہ یہ اجتماع جو آپ کے سامنے ہے۔ خالصتاً ان مسلمانوں کا ہے جو اسلام کی تڑپ اپنے دل میں رکھتے ہیں اور اپنے جذبے سے متاثر ہو کر یہاں جمع ہوئے ہیں۔ وقت کافی ہو چکا ہے اس وجہ سے میں آپ کا کوئی لمبا چوڑا وقت نہیں لوں گا۔ صرف چند باتیں آپ سے عرض کرنی ہیں۔

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی پہ معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ آج پاکستان جس نرغے اور جس بھنور میں پھنسا ہوا ہے۔ اس پر مجھے وہ تمام جدوجہد یاد آگئی۔ جب ہم قیامِ پاکستان کے وقت گلی گلی کوچہ کوچہ پھرتے تھے۔ اور ہمیں یہ بھی یاد ہے کہ اس وقت بعض لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ ادھر پاکستان بنا ادھر جوتیوں میں دال بٹے گی۔ وہاں ایسا ہوگا، وہاں ایسا ہوگا۔ مگر ہم جواب میں یہی کہتے تھے

بجلیوں کی زد میں جب آئے گا دیکھا جائے گا
کچھ نہ کچھ قائم بنائے آشیاں ہونے تو دے

آج وہ آشیاں بجلیوں کی زد میں آیا ہوا ہے۔ آج ۲۳ سال پہلے کی باتیں آنکھوں کے سامنے ہیں۔ اس میں سے ایک بات میں آپ سے عرض کرتا ہوں۔

۱۹۴۶ء میں مولانا سید سلیمان صاحب ندوی مرحوم نئی دہلی تشریف لائے اور ایک دعوت میں ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت پاکستان اب بننے والا ہے، اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ سید صاحب نے فرمایا آپ کو مبارک ہو کہ ایک اسلامی ملک اور اسلامی سلطنت کا مطالبہ آپ نے کیا ہے اور وہ عنقریب پورا ہونے والا ہے لیکن پاکستان کے بنانے میں ایسا خطرناک کھیل کھیلا گیا ہے جس سے مجھے بڑا ڈر لگتا ہے۔ ہمارے کان کھڑے ہوئے ایک تجربہ کار بزرگ سے اس کو خطرناک ہے۔ میں نے پوچھا حضرت وہ خطرناک کھیل کیا ہے؟ فرمایا، دنیا میں جب بھی کوئی ملکی انقلاب آتا ہے تو قوم میں پہلے ذہنی انقلاب لایا جاتا ہے۔ پھر ملکی انقلاب آتا ہے اور یہی صحیح طریقہ ہے۔ اسلام نے اسی طریقہ کو اختیار کیا ہے۔

سید صاحب نے فرمایا کہ آپ نے پاکستان تو بنا لیا ہے۔ لیکن پاکستان کے لئے صحیح ذہن پیدا نہیں کیا۔ سب سے پہلا کام آپ کو یہ کرنا ہوگا کہ آپ کو قوم کی ذہنی تربیت کرنی ہوگی۔ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو مجھے خطرہ ہے کہ کہیں پاکستان کو نقصان نہ پہنچے۔ آج ان کی بات سامنے آرہی ہے۔ وہی مسلمان جو پاکستان بنانے کے لئے سربکف تھے۔ آج ۲۳ سال کے بعد ان کی حالت کچھ ایسی ہوگئی ہے کہ پہچانی نہیں جاتی۔

پاکستان کی نئی نسل کو پاکستان کے پس منظر کا علم نہیں ہے اس نے انگریزوں اور ہندوؤں کا ظلم نہیں دیکھا۔ آج مزدوروں اور کسانوں کو طرح طرح کا لالچ دیا جا رہا ہے کہ انہیں ملیں کارخانہ دیا جائے گا فلاں زمین دے دی جائے گی۔ ان کو تو خیر پھر بھی کوئی لالچ دیا جا رہا ہے لیکن معلوم نہیں طالب علم سوشلزم کا نام سن کر کیوں رقص کرنے لگ جاتے ہیں؟

میں ماضی پر تھوڑی سی روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ انگریزوں نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی۔ ہندوؤں کے ہاتھ سے نہیں چھینی تھی۔ اس وجہ سے انگریز نے مسلمانوں کو تعلیم اور معاش میں پیچھے رکھنے کی پوری پوری کوشش کی تاکہ اس میں دوبارہ حکومت حاصل کرنے کی امنگ پیدا نہ ہو۔ اس کے مقابلہ میں ہندو قوم صدیوں سے غلام چلی آ رہی تھی اور اس میں حکومت حاصل کرنے کے جراثیم ہی نہیں تھے، لہٰذا انگریز نے اسے خوب چڑھایا اور ہر میدان میں اسے آگے بڑھانے کی کوشش کی۔ چنانچہ جب مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف تحریک آزادی جاری کی تو گاندھی جس کے دل میں اپنی قوم کا بہت درد تھا اس نے بھی ہندو قوم کو آگے بڑھانے کی کوشش کی۔

یہ وہ موقع تھا جب گاندھی جی نے حکیم اجمل خان صاحب سے کہا کہ اس تحریک میں جان ڈالنے کے لئے علماء کو ڈھونڈا جاتا ہے۔ بعض لوگ کہہ میں مل جاتے ہیں بعض کسی اور جگہ مل جاتے ہیں۔

چنانچہ حکیم اجمل خان اور مولانا محمد علی جوہر کی معیت میں گاندھی جی حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیری کے پاس پہنچے گاندھی جی نے ان کے سامنے قرآن حکیم اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت تعریفیں کیں کہ وہ ایسے تھے وہ ایسے تھے۔

مولانا محمد علی صاحب مونگیری نے فرمایا ' گاندھی جی آپ نے جو ہمارے قرآن اور ہمارے نبی کی تعریف کی ہے۔ ہمارے پیغمبر اور ہماری کتاب اس سے بہت اونچی ہے۔ لیکن آپ نے ان میں عیب کونسا دیکھا ہے جس کی وجہ سے آپ

ابھی تک ایمان نہیں لائے۔ گاندھی جی بغلیں جھانکنے لگے اور ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

مولانا نے فرمایا گاندھی جی صیاد جب بھی باغ میں پرندوں کو شکار کرتا ہے تو انہیں پھانسنے کے لئے انہی کی بولی بولتا ہے چنانچہ آپ بھی مسلمانوں کو پھانسنے کے لئے انہی کی بولی بول رہے ہیں۔ گاندھی جی بے نیل مرام واپس لوٹے اور انہیں اپنے مقصد میں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔

ایک وہ زمانہ تھا کہ سیاست کی زمام کار مسلمان کے ہاتھ میں تھی اور ہندو ان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا لیکن گاندھی جی نے کہنیاں مار مار کر مسلمان کو پیچھے دھکیل دیا اور جب انگریز کے جانے کا وقت آیا تو پتہ چلا کہ سیاست کا جھنڈا ہندو کے ہاتھ میں ہے مسلمانوں کے مستقبل کا سوال تھا کہ انگریز کے چلے جانے کے بعد کہیں ہندو کی غلامی کا پٹہ مسلمان کے گلے میں نہ پڑ جائے۔ کیوں کہ ملازمتوں اور تعلیم میں ہندو آگے تھا۔ سیاست اس کے ہاتھ میں تھی۔ تجارت اس کے ہاتھ میں تھی وسائل معیشت اس کے ہاتھ میں تھے۔ لہٰذا خطرہ تھا کہ انگریز کے جانے کے بعد ۱۰ کروڑ مسلمان ۳۰ کروڑ ہندوؤں کے غلام نہ بن جائیں۔ چنانچہ فکر لاحق ہوئی کہ مسلمان کے مستقبل کے لئے کیا کیا جائے اس کے دو فارمولے تھے۔

ایک فارمولا تو یہ تھا کہ صوبوں میں اکثریت و اقلیت کی بناء پر حکومتیں بنیں اور مرکز میں مخلوط حکومت قائم ہو لیکن قائداعظم کی بصیرت نے یہ تاڑ لیا کہ یہ فارمولا ایک نہ ایک دن مسلمانوں کو غلام بنا کر چھوڑے گا۔ کیونکہ اس کے ساتھ ہی متحدہ قومیت کا نعرہ لگایا گیا ہے اور قوم کو مذہب کی بنیاد پر نہیں بلکہ وطن کی بنیاد پر مانا گیا۔

چنانچہ قائداعظم نے کہا کہ ہم اکثریت و اقلیت کی بنیاد پر حکومت نہیں بنانا چاہتے۔ بلکہ قرآن و سنت کی بنیاد پر حکومت بنانا چاہتے ہیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ صاحب یہ پاکستان اسلام کے لئے نہیں بنا تھا بلکہ سوشلزم کے لئے بنا تھا۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ اگر مقصد سوشلزم ہی تھا تو پھر

ہندوستان کے سب سے بڑے سوشلسٹ پنڈت جواہر لعل نہرو کے ہاتھ پر بیعت کرنی ہو گی۔ پھر آپ دکھوں انسانوں کی جانوں اور ہزاروں عورتوں کی عصمت سے کیوں کھیلے تھے؟

پاکستان کا نعرہ بالکل صحیح تھا لیکن افسوس یہ ہے کہ پاکستان بننے کے بعد "نوکر شاہی" نے ہمارے اس جذبے کو بالکل نیست و نابود کر دیا۔ پاکستان اسلامی قومیت کی بنیادوں پر بنا تھا لیکن آج ان بنیادوں کو بھی ملیا میٹ کر دیا گیا ہے۔

یہی سرکاری ملازمین گھروں سے کاغذ، قلم، دوات اور میز کرسی دفتروں میں لا کر کام کرتے تھے۔ لیکن آج وہ وقت ہے کہ سرکاری ملازمین کو جو کچھ دفتروں میں ہاتھ لگتا ہے اٹھا کر گھر لے جاتے ہیں۔

۴۹ء میں جمہوری حکومت میں جو بجٹ خان لیاقت علی خان نے پیش کیا وہ قرآن پاک کی اس آیت سے شروع ہوا۔

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ

"تاکہ دولت امیروں کے ہاں ہی چکر نہ کاٹتی پھرے"

اس آیت سے بتایا گیا تھا کہ پاکستان میں جو نظام قائم ہوگا وہ سرمایہ دارانہ نظام نہیں ہوگا بلکہ اسلامی نظام ہوگا۔ لیکن سرکاری ملازمین نے سرمایہ دارانہ نظام ملک میں اس تیزی سے چلایا کہ انگریز نے بھی اس طرح نہیں چلایا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی ساری دولت ۲۲ خاندانوں میں منحصر ہو کر رہ گئی۔ کیونکہ جب تاجر اور ارباب اقتدار کا گٹھ جوڑ ہو جاتا ہے تو سرمایہ دارانہ نظام وجود میں آتا ہے۔ حاکم کہتا ہے کہ میں پرمٹوں اور لائسنسوں کے ذریعہ تمہاری تجارت کی حفاظت کروں گا۔ تم اپنی دولت سے ہماری کرسی کی حفاظت کرو۔ اور اسی طرح جب ارباب سیاست اور ارباب اقتدار کا گٹھ جوڑ ہوتا ہے تو سوشلزم کا نظام جنم لیتا ہے۔ ہم صاف کہتے ہیں کہ پاکستان کے حکمرانوں نے جب امریکہ سے دوستی کی اس وقت بھی ہمارے ایمان اور عقیدے کا سودا کیا تھا اور اب جبکہ انہوں نے چین سے دوستی کی ہے اب بھی ہمارے عقیدے کا سودا کیا ہے۔ (ختم شد)

(از ماہنامہ صوت الاسلام)

صفات الٰہی

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوْا
بِمَا عَمِلُوْا وَیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰی الَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ
کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَۃِ ○

بزرگان محترم اور برادران عزیز! گزشتہ جمعہ بھی ان ہی آیتوں کو پیش کیا گیا تھا اور عرض یہ کر رہا تھا کہ دین کے بنیادی مسائل میں سے آخری مسئلہ ہے معاد۔ اور جزا اور سزا پر ایمان لانا۔ معاد عربی کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں لوٹ کر آنے کی جگہ۔ یعنی دنیا میں اللہ تعالیٰ ہمیں بھیجتے ہیں ہم لوٹ کر آخرت میں جاتے ہیں۔ وہ عالم معاد ہے۔ تو معاد پر ایمان لانا اور جزا اور سزا پر ایمان لانا یہ دین کا تیسرا بنیادی اصول ہے۔ توحید، رسالت اور آخرت۔

اس کے لئے میں نے عرض کیا تھا کہ دو چیزیں تمہید کے طور پر اللہ تعالیٰ نے بیان کیں۔ ایک یہ کہ اللہ کا علم سب سے کامل ہے۔

هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى

کون گمراہ ہے کون ہدایت پر ہے۔ اس کا صحیح علم اللہ کو ہے۔ اسی لئے ہمارے اور آپ کے مناظروں، بحثوں میں جنگ و جدال میں جب نتیجہ نہیں نکلتا تو پھر امام غزالی کی زبان میں کہہ دیا جاتا ہے، ہم بھی خاموش تم بھی خاموش۔ شعر پڑھ دیا۔ فرمایا کہ فسوف تریٰ اذا انکشف الغبار افرس تحت رجلک ام حمار
آندھی آئی ہوئی ہے بڑے زور کی۔ اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ گرد و غبار میں ہاتھ پر ہاتھ نظر نہیں آرہا ہے۔ اور بحث یہ ہو رہی ہے کہ جس پر تم سوار ہو تو وہ گدھا ہے یا گھوڑا ہے۔ آپ کا اصرار ہے کہ آپ عربی گھوڑے پر سوار ہیں اور ہم آپ سے کہہ رہے ہیں کہ آپ گدھے پر سوار ہیں۔ آپ مانتے نہیں۔ نہیں صاحب یہ گدھا نہیں ہے۔ یہ تو بہت بڑا اعلیٰ درجے کا عربی گھوڑا ہے۔ ارے بھائی یہ عربی گھوڑا نہیں ہے گدھا ہے جس پر تم سوار ہو۔ تم مانتے کیوں نہیں۔

امام غزالی کہتے ہیں چھوڑو بحث اور اس سے کہو۔ فرمایا کہ :

فَسَوْفَ تَرَى إِذَا انْكَشَفَ الْغُبَارُ أَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِكَ أَمْ حِمَارُ

آندھی کا غبار چھٹنے دو' ابھی ابھی مطلع صاف ہونے والا ہے۔ اندھیرا ختم ہونے والا ہے جب غبار چھٹ جائے گا آندھی کا' تو تمہیں خود ہی پتہ چل جائے گا کہ تمہاری ٹانگوں کے نیچے گدھا تھا یا گھوڑا تھا۔ اس لئے کہ علم اللہ کا سب سے زیادہ کامل اور مکمل ہے۔ ہم اور آپ اپنے اپنے تجربے اور اپنی اپنی معلومات پر بحث کرتے ہیں۔

هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ

اس کا علم کامل ہے کہ گمراہ کون ہے اور ہدایت پر کون ہے۔ اگر علم نہ ہو تو میں نے عرض کیا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ مجرم کو انعام دیدیں۔ اور جو وفادار ہے اس کو سزا دیدیں۔ جیسے آج کل ہوتا ہے کہ میں نے جا کر شکایت کر دی۔ آپ نے جا کر شکایت کر دی۔ اور انہوں نے اس کے مطابق عمل کر لیا۔ کہنے لگے کہ بھئی ہمیں تو اصل میں یہ معلوم ہوا تھا کہ ایسے ہی ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ جب تک علم کامل نہ ہو مجرم کون۔ وفادار کون۔ اس وقت تک کسی کو سزا دینے کا حق اور اختیار حاصل نہیں ہے۔ ایک بات۔ دوسرے یہ کہ اس کی قدرت اور اس کا قبضہ مکمل ہے۔ اگر قدرت پوری نہیں ہے تو میں اور آپ بھی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ یہ مجرم ہے اور یہ مجرم نہیں ہے۔ لیکن نہ اختیار مجھے حاصل ہے نہ آپ کو حاصل ہے۔ علم کافی نہیں ہے جب تک کہ اس کی قدرت اور اس کا قبضہ نہ ہو۔ اس لئے فرمایا۔

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

پوری کائنات میں' زمین اور آسمان میں ایک ایک ذرہ جو ہے وہ اللہ کے قبضہ میں ہے اور اللہ کی قدرت میں ہے اور یہ اختیارات جو دکھانے کے لئے دے رکھے ہیں دکھانے کے لئے آپ سمجھے؟ جیسے تھیٹر میں یا سینما میں پردے پر آپ کو دکھایا جاتا ہے کہ ایک آدمی بادشاہ ہے اور وہ اپنے اختیارات استعمال کر رہا ہے سلطنت چلا رہا ہے لیکن یہ صرف دیکھنے کے لئے پردے پر دکھانے کو بادشاہ ہے اور

یہ دو گھنٹے ختم ہوئے تو اس کے بعد جو بادشاہ کا پارٹ ادا کر رہا ہے یہ بھی تھیٹر کا ملازم ہے۔ یہ تو آپ کو ایک ڈرامہ دکھانے کے لئے اس کو بادشاہ کے روپ میں پیش کیا گیا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ تو تھیٹر کا ملازم ہے۔ میں نے عرض کیا کہ جب جزا اور سزا کا عالم آئے گا تو تمام مجازی اختیارات' قبضے ختم ہو جائیں گے نہ یہاں نہ کوئی بادشاہ ہوگا اور نہ کوئی رعایا ہوگی۔ نہ کوئی شوہر ہوگا نہ کوئی بیوی ہوگی۔ بلکہ یہاں تک قبضہ ختم کر دیا جائے گا کہ ابھی میرا قبضہ میرے ہاتھ پہ ہے میری آنکھ پہ ہے' میری زبان پہ ہے' میں چاہوں تو اپنی زبان سے گالیاں دوں' اور چاہوں تو اپنی زبان سے تلاوت کروں۔ زبان میرے اختیار میں ہے۔ ہاتھ سے چاہوں تو میں اللہ سے دعا مانگوں اور چاہے ان ہی ہاتھوں سے کسی پہ ظلم کروں۔ ان پاؤں سے مسجد کی طرف جاؤں یا مے خانے کی طرف جاؤں۔ نگاہ اور نظر ہیبت اللہ کے اوپر بھی ڈال سکتا ہوں۔ اور کسی نامحرم عورت کے اوپر بھی ڈال سکتا ہوں۔ کیونکہ آنکھ پہ میرا قبضہ ہے۔ زبان پہ میرا قبضہ ہے۔ ہاتھ پہ میرا قبضہ ہے۔ پاؤں پہ میرا قبضہ ہے۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ اس قبضے کو بھی ختم کر دیں گے۔ فرمایا کہ۔

وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۝

جواب میں کہیں گے آج عالم آخرت ہے۔ آج یہاں کسی کا کسی پہ قبضہ نہیں ہے۔ آج جس طرح تمہارے منہ میں زبان تھی آج زبان کو بھی زبان دے دی ہے۔ اللہ نے آج ہاتھ کو بھی زبان دے دی ہے پاؤں کو بھی زبان دے دی ہے ہر ایک الگ الگ .... سب مستقل ہیں کوئی ماتحت نہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب عالم دنیا فنا ہو جائے گا صور پھونکا جائے گا اور عالم تہہ و بالا ہو جائے گا۔ فرمایا کہ۔

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ

سب عالم تہہ و بالا ہو جائے گا۔ اللہ کی جانب سے آواز آئے گی۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ

ملک کے معنی قبضہ ' ملک کے معنی سلطنت ' ملک کے معنی حکومت لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ کے معنی یہ ہیں ۔ اللہ کی طرف سے آواز آئے گی کہ آج سلطنت کس کی ہے ؟ آج اقتدار کس کا ہے ؟ آج قبضہ کس کا ہے ؟ کوئی جواب نہیں آئے گا ۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کی طرف سے پھر آواز بلند ہوگی ۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ پھر کوئی جواب نہیں آئے گا ۔ پھر تیسری دفعہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ۔ تیسرے موقع پر ملک الموت جواب دے گا ۔ چونکہ زندہ چیزیں سب فنا ہو جائیں گی ۔ کوئی ذی حیات باقی نہیں ہے ملک الموت باقی ہے ملک الموت جواب دے گا سوال کیا ہے ؟ آج قبضہ کس کا ہے ؟ آج سلطنت کس کی ہے ؟ آج حکومت کس کی ہے ؟ ملک الموت تیسری مرتبہ میں جواب دے گا ۔ کیا کہے گا ۔

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ

آج صرف جبار و قہار کا قبضہ ہے اور کسی کا قبضہ آج نہیں ۔ آج شوہر کا قبضہ بیوی پر نہیں ۔ حاکم کا قبضہ تخت پر نہیں ۔ انسان کا قبضہ ہاتھوں پر نہیں ۔ سب قبضے ختم ہیں اور جب تک یہ مجازی قبضے ختم نہیں ہوں گے اس وقت تک جزا و سزا کا نظام جاری نہیں ہو سکتا ۔ فرمایا کہ ۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

زمین اور آسمان کی ہر چیز اللہ کے قبضے میں ہے ' اللہ کے اختیار میں ہے معلوم ہوا کہ اللہ کا علم بھی کامل اللہ کی قدرت بھی کامل ۔ اللہ کو قدرت بھی حاصل ہے اور اللہ کا علم بھی .... کامل ہے ۔

میں نے اس سے پہلے ہی عرض کیا ہے وقت تو مختصر ہی ہوتا ہے ۔ یاد دلاتا چلوں کہ یہ دو باتیں اگر دنیا میں کوئی قوم اللہ کے بارے میں مانتی ہے کہ اللہ کا علم کامل ' اللہ کی قدرت کامل ۔ تو میرا یہ خیال ہے کہ جتنی قومیں اللہ کو مانتی ہیں وہ سب اللہ کو عالم بھی مانتی ہیں اور قادر بھی مانتی ہیں ۔

یہودی اللہ کو مانتا ہے تو اللہ کو جاہل نہیں مانتا ۔ اللہ کو عالم مانتا ہے ۔ اللہ کو مجبور نہیں مانتا ۔ اللہ کو قدرت والا مانتا ہے ۔ نصرانی بھی اللہ کو عالم مانتا ہے ۔ اللہ کو قدرت والا بھی مانتا ہے اور جتنی بھی دنیا میں مختلف مذاہب ہیں جو اللہ کو مانتے

ہیں۔ اگر اللہ ہی کے قائل نہیں ہیں تو بات دوسری ہے۔ یہاں تک کہ مشرک قومیں بھی اللہ کو مانتی ہیں۔ قرآن کریم میں ہے ان مشرکوں سے اگر آپ یہ پوچھیں جن کے سامنے تم ہاتھ پھیلائے کھڑے ہو، اور روزی مانگ رہے ہو، اولاد مانگ رہے ہو، ان دیویوں اور بتوں کے سامنے ان سے اگر یہ پوچھیں کہ کیا زمین اور آسمان دیویوں نے پیدا کئے ہیں تو یہ نہیں کہیں گے کہ ان بتوں نے پیدا کیا، نہیں، فرمایا کہ

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ

اور اگر آپ پوچھیں ان سے

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ

زمین اور آسمانوں کو کس نے پیدا کیا، بتاؤ۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ

مشرک جواب میں یہ کہیں گے "دیویوں نے نہیں پیدا کیا" اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔ معلوم ہوا کہ مشرک اللہ کے وجود کے قائل تھے۔ جب وہ اللہ کو مانتے تھے تو اللہ کو خالق نہیں مانتے تھے۔ اللہ کو وہ قدرت والا بھی مانتے تھے۔ البتہ یہ انہوں نے ایک عقیدہ گھڑ لیا تھا کہ نعوذ باللہ اللہ نے اپنے اختیارات جو ہیں، دیویوں کو دے دیئے ہیں، کسی کو روزی دینے کا، کسی کو اولاد دینے کا، کسی کو منصب دینے کا، کسی کو علم دینے کا اور ان کے نام الگ الگ ہو گئے ہیں۔ کوئی لکشمی دیوی ہے۔ کوئی سرسوتی دیوی ہے اور کوئی اور دیوی ہے۔ یہ اختیارات اللہ نے دے دیئے ہیں۔ لیکن اللہ کو وہ مانتے تھے کہ وہ عالم بھی ہے اور قادر بھی۔ جب یہ بات ہو گئی اسلام بھی شامل کر لیجئے۔ یہ بھی ایک مذہب ہے دنیا میں جو یہ کہتا ہے کہ اللہ عالم بھی ہے۔ قادر بھی ہے سوال پیدا ہوتا ہے کہ کل ایک دن کے بعد آنے والا دن کل دن کے بارہ بجے ایک قتل ہونے والا ہے۔ اور یہ کل معلوم ہو جائے گا بارہ بجے۔ اللہ کو اس کا علم ہے یا نہیں۔ اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا علم کامل ہے۔ ماضی کا ہو یا مستقبل کا ہو۔ اللہ کو علم کامل ہے تو اللہ کو پتہ تھا "یہ معلوم ہو گا کہ کل آنے والا کل میں بارہ بجے دن کو یہ قتل ہونے والا ہے۔ یہودی بھی کہے گا کہ معلوم ہے نصرانی

بھی کہے گا معلوم ہے۔ مشرک بھی کہے گا معلوم ہے' مسلمان بھی کہے گا معلوم ہے
پھر دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے جب اللہ کو یہ بات معلوم ہے کہ کل آنے والے
کل میں بارہ بجے قتل ہونے والا ہے تو اللہ اس قتل کو اپنی طاقت اور قوت سے رکوا
سکتا ہے یا نہیں۔ یعنی اللہ کو اس کے روکنے پر قدرت ہے یا نہیں ہے۔ اگر آپ
کہیں کہ نہیں' اس کو روکنے کی قوت نہیں ہے تو اللہ کو مجبور مانا آپ نے' قادر
کہاں مانا۔ یہودی بھی کہے گا کہ وہ اللہ اپنی قدرت سے رکوا سکتا ہے' مسلمان بھی
کہے گا کہ اللہ اپنی قدرت سے رکوا سکتا ہے۔ مشرک بھی کہے گا کہ اللہ اپنی قدرت سے
رکوا سکتا ہے۔ یہاں تک تو ہم ساتھ ساتھ چل رہے ہیں سب۔ اب تیسرا سوال یہ
پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ کو معلوم بھی تھا کہ یہ گناہ ہونے والا ہے اور اپنی قدرت
سے اگر وہ چاہتا تو رکوا بھی سکتا تھا جب اس نے اپنے علم کے مطابق اپنی قدرت سے کام
لے کر یہ گناہ نہیں رکوایا تو قاتل کو سزا کاہے کی ملتی ہے۔ اللہ کے تو علم میں بھی تھا
۔ اللہ کی قدرت میں بھی تھا۔ کیوں نہیں روکا۔ یہ سوال دنیا کی ان تمام قوموں کے
لئے ہے جو اللہ کو عالم اور قادر مانتے ہیں۔ اور یہیں سے مسئلہ پیدا ہوتا ہے جس کو
تقدیر کا مسئلہ کہا جاتا ہے۔ گناہ بندے نے کیا۔ اللہ کے علم میں ہے۔ اللہ چاہے تو
اپنی قدرت سے روک دے۔ اس نے روکا نہیں۔ علم اسے تھا۔ پھر بندے کا کیا
قصور ہے۔ بندے کو سزا کاہے کی ملتی ہے۔ جب لوگ کسی مسلمان سے یہ سوال
کرتے ہیں جب مجھ سے کسی نے یہ سوال کیا تھا۔ کسی سکھ نے۔ تو میں نے اس سے کہا
تھا کہ میری ہی یہ ذمہ داری نہیں ہے۔ آپ کی بھی تو یہ ذمہ داری ہے۔ کیونکہ
آپ بھی خدا کو مانتے ہیں اور خدا عالم بھی..... مانتے ہیں اور قادر بھی مانتے ہیں تو یہ
تو بین المذاہب مسئلہ ہے۔ یہ کوئی مذہب اسلام کی ذمہ داری تو نہیں ہے۔ آپ
کسی یہودی سے کیوں نہیں پوچھنے جاتے' وہ بھی تو اللہ کو عالم اور قادر مانتا ہے۔
آپ کسی عیسائی سے کیوں نہیں پوچھتے۔ آپ کسی مشرک سے کیوں نہیں پوچھتے۔
آپ کیوں نہیں جواب دیتے۔ تو میں نے کہا جو ذمہ داری بین المذاہب اور بین
الملل ہے۔ ساری ملتوں کی ذمہ داری ہے۔ سارے مذاہب کی ذمہ داری ہے کہ
وہ اس کا جواب دیں۔ تو پھر تم آپ اسلام کے گریبان میں ہاتھ کیوں ڈال کے کہتے

چاہا کہ یہ مسئلہ حل کر دو۔ آپ بھی حل کریں جس کا مطلب یہ ہے کہ تقدیر کا مسئلہ جو ہے یہ تمام مذاہب کا مسئلہ ہے۔ صرف اسلام کا مسئلہ نہیں ہے۔ ہر اس قوم کا مسئلہ ہے جو اپنے اللہ کو مانتی ہے اور اللہ کو عالم اور قادر بھی مانتی ہے اس کے سامنے یہ سوال آجاتا ہے میں نے عرض کیا تھا کئی دفعہ اس کو عرض کر چکا ہوں بیچ میں یہ بات آگئی۔ اللہ کی دونوں صفتیں بیان کی گئی ہیں۔

هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى

اللہ کا علم کامل ہے۔ اللہ کو یہ بھی خبر ہے کہ کون خطا کار ہے اور اللہ کو یہ بھی خبر ہے کہ کون وفادار ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور کائنات کا ایک ایک ذرہ جو ہے یہ اللہ کے قبضے میں ہے اور اللہ کے اختیار میں دونوں چیزیں آگئیں۔ یہ ذمہ داری آپ پر بھی عائد ہوگی۔ اسلام نے بھی اس کا جواب دیا ہے۔ مگر دوسرے مذاہب سب کے سب گمراہ ہوگئے بعضوں نے تو یہاں تک کہہ دیا جب ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ کہنے لگے یہ اصل بات جو ہے وہ یہ ہے کہ اللہ دو ہے ایک نہیں۔ ایک اللہ وہ ہے جو نماز پڑھاتا ہے' ایک اللہ وہ ہے جو قتل کراتا ہے۔ ایک خالق خیر ہے ایک خالق شر ہے۔ ایک کا نام یزداں ہے۔ ایک کا نام اہرمن ہے۔ آپ نے اچھا مسئلہ حل کیا۔ نہ مرض رہا نہ مریض۔ خدا کی خدائی کو لے اڑے آپ تو۔ اور بعضوں نے کہہ دیا کہ انسان جو خود کرتا ہے دنیا کے اندر وہ مجبور ہے۔ یہ قتل بھی اللہ نے ہی کرایا ہے۔ یہ شراب بھی اللہ نے پلوائی ہے ہمارے کرنے کا تو کچھ کام نہیں۔ ہمیں تو بلا وجہ سزا دیتے ہیں۔ وہ کہلاتا ہے جبریہ انسان مجبور ہے۔ ایک اور طبقہ ایسا تھا جس نے کہا نہیں یہ غلط ہے۔ اللہ کا کوئی تعلق نہیں اس میں یہ جو کچھ کرتا ہے انسان ہی کرتا ہے۔ انسان کے قبضے میں اور قدرت میں سب کچھ ہے۔ یہ قدریہ ہے۔ کوئی جبریہ بن گیا۔ کوئی قدریہ بن گیا۔ کسی نے اللہ کو خالق خیر اور خالق شر میں تقسیم کر دیا۔ اور اسلام نے اس کا حل پیش کیا ہے۔ اسلام نے کہا کہ دو چیزیں الگ الگ ہیں۔ ان کو ملانا نہیں۔ ایک ہے اللہ کی مشیت۔ ایک ہے اللہ کی رضا۔ مشیت اور چیز

ہے۔ رضا اور چیز ہے۔ مشیت کے معنی آتے ہیں وہ کارخانہ قدرت جس کے ذریعے کوئی عمل وجود میں آجائے۔ مشیت اللہ کی آزاد ہے۔ اگر آپ نے گناہ کا ارادہ کیا ہے۔ اللہ کی مشیت اسے وجود دے گی۔ اگر آپ نے نیکی کا ارادہ کیا ہے اللہ کی مشیت اسے وجود دے گی۔ اگر مشیت میں اللہ تعالیٰ پر یہ پابندی اختیار کر لیتے کہ اگر آپ نے گناہ کا ارادہ کیا ہے تو ہم پورا نہیں ہونے دیں گے اور اگر نیکی کا ارادہ کیا ہے تو پورا ہونے دیں گے تو پھر ہم میں آپ میں اور اس دیوار میں کیا فرق تھا۔ کیونکہ یہ دیوار اگر چاہے غیبت کرنا تو غیبت نہیں کر سکتی۔ لیکن میں اور آپ اگر چاہیں غیبت کرنا تو غیبت کر سکتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے ہمیں عبادت پر ثواب ہے۔ اس دیوار کو یہ ثواب نہیں ہے کہ اس نے غیبت کی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ دیوار اگر چاہتی غیبت کرنا تب بھی غیبت نہیں کر سکتی۔ میں نے جیسا کہا کہ جیسے کوئی شخص اگر مادر زاد نابینا ہے آنکھیں ہی نہیں ہیں چہرے پر۔ اور وہ یہ کہے کہ میں اتنا متقی اور پرہیز گار ہوں کہ میں کبھی اپنی نظر کسی نامحرم عورت پر نہیں ڈالی تو ہر آدمی یہی کہے گا کہ صاحب آپ تو نظر ڈال سکتے ہی نہیں۔ آپ کی آنکھوں میں روشنی ہی موجود نہیں ہے۔ اور نظر ہی آپ کی موجود نہیں ہے تو آپ نظر ڈالنا بھی چاہیں تو نہیں ڈال سکتے۔ کیا کمال ہے آپ کا کمال اس کا ہے جس کی آنکھوں میں نظر ہے۔ اور ایک حسین و جمیل شکل ہی سامنے ہے کہ جب اس کی نظر پڑتی ہے تو وہ نگاہ کو یہ کہہ کے نیچی کر لیتا ہے کہ مجھے حکم دیا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے نگاہ نیچی کر لی۔ فرمایا

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِہِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَہُنَّ

اہل ایمان مردوں کے لئے عورتوں کے لئے دونوں کے لئے نگاہ نیچی کرنے کا حکم ہے۔ تو میں نے یہ بات عرض کی اگر اللہ تعالیٰ مشیت کو مجبور کر دیتے ہیں تو ہمیں جزا اور سزا اور ثواب مل ہی نہیں سکتا تھا۔ اللہ نے مشیت کو آزاد رکھا ہے۔ یاد رکھو اگر تم ارادہ کرو گے قتل کا تو تمہارے فعل قتل کو ہم وجود دیں گے۔ اور سزا تمہیں اس کی ملے گی تم نے ایسا ارادہ کیوں کیا کہ جس بارے میں نبیوں کے ذریعے سے ہم نے بتا دیا تھا کہ اللہ اس پر راضی نہیں ہے۔ معلوم ہوا رضا اور

چیز ہے۔ مشیت اور چیز ہے۔ لہٰذا ایک انسان کو جب سزا ملتی ہے اس لئے نہیں ملتی کہ انسان نے اس عمل کو وجود دیا ہے۔ آپ تو وجود دے ہی نہیں سکتے اللہ کی مشیت کے بغیر۔ ہاں آپ کو سزا اس لئے ملے گی ثواب اس لئے ملے گا کہ آپ نے عزم کیا۔ ارادہ کیا۔ اور بعض اوقات ارادے کے باوجود عمل آپ کا پورا نہیں ہوتا۔ پھر بھی آپ کو ثواب مل جاتا ہے۔ آپ حج کے ارادے سے چلے۔ آپ کے ارادے سے کیا ہوتا ہے۔ لیکن حالات ایسے پیدا ہوئے کہ آپ نے حج نہیں کیا۔ مگر آپ نے عزم پورا کرلیا۔ تدبیریں پوری کرلیں۔ عالم آخرت میں اللہ کے یہاں آپ کو حج کا ثواب ملے گا کیونکہ انسان ارادہ ہی کرسکتا ہے تدبیر ہی کرسکتا ہے۔ کسی کو وجود نہیں دے سکتا۔ بعض اوقات انسان شراب کے لئے جارہا ہے اللہ کا سلوک بعض بندوں کے ساتھ' سب کے ساتھ نہیں۔ بعض بندوں کے ساتھ اللہ کا سلوک ایسا اچھا چلو ہم بھی دیکھتے ہیں۔ تم گناہ کا ارادہ کرو گے ہم تمہیں کرنے ہی نہیں دیں گے۔ سب کے ساتھ نہیں ہے۔ علماء ربانی' عارف باللہ اولیائے کرام نے ایک بڑی عجیب و غریب بات فرمائی ہے۔ فرمایا کہ اللہ کا اپنے بندوں کے ساتھ دو قسم کا سلوک ہے۔ کس وجہ سے ہے۔ وہ ہماری شکل سے نہیں' ہماری صورت سے نہیں' ہماری دولت سے نہیں' ہمارے رنگ و روپ سے نہیں' جس کے ساتھ چاہیں ایک سلوک وہ ہے جس کو کہتے ہیں مراد۔ ایک سلوک وہ ہے جس کو کہتے ہیں مرید۔ دونوں کا سلوک الگ الگ ہے۔ ایک برتاؤ مراد کا برتاؤ ہے۔ ایک برتاؤ مرید کا برتاؤ ہے۔ مرید کا برتاؤ یہ ہے۔ دیکھو یہ گیہوں ہے۔ یہ چکی ہے اگر تم چکی پیسو گے تو آٹا ملے گا نہیں تو فاقے کرو۔ ہم نہیں کچھ کرتے۔ اور ایک یہ ہے کہ ہم نے یہ طے کرلیا ہے کہ کسی طریقے سے بھی تیرے پیٹ میں روٹی پہنچانا ہے۔ تو چاہے عمل کرے نہ کرے۔ ہمیں تجھے برائی سے بچانا ہے۔ یہ طے کرلیا ہے تو ایک مرتبہ نہیں سو مرتبہ بھی شراب خانے میں جائے گا ہم انتظام ایسا کریں گے کہ تو شراب نہیں پی سکے گا۔ یہ دونوں برتاؤ الگ الگ ہیں۔ اور قرآن کریم کی ایک آیت سے یہ برتاؤ معلوم ہوجائیں گے۔ حضرت خضرؑ جن کے بارے میں یہ اختلاف ہے کہ آیا وہ نبی ہیں یا ولی ہیں لیکن بہرحال طے ہے کہ خضر کو حیات اللہ نے بڑی طویل اور

لمی عطا فرمائی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے یہ بات نکل گئی مجھ سے زیادہ جاننے والا اور عالم کون ہے۔ اللہ کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ آپ حضرت خضر کے پاس جائیں اور ان سے اجازت مانگیں اس بات کی کہ حضرت کے ساتھ کچھ دن گزاریں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت خضر کے پاس گئے اور جاکر کہا کہ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں آپ کے ساتھ رہوں۔ حضرت خضر نے کہا مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن ہمارے اور آپ کے کاموں میں مناسبت نہیں ہے کیسے؟ میرے جتنے کام بھی ہوں گے ان میں جائز اور ناجائز کا سوال نہیں ہے۔ حلال و حرام کا سوال نہیں ہے اور آپ ہیں نبی اور پیغمبر آپ کی بغل میں شریعت کی کتاب ہے قدم قدم پر آپ جائز اور ناجائز دیکھیں گے یہاں جائز اور ناجائز کا سوال ہی نہیں ہے ہمارے اور آپ کے درمیان میں مناسبت نہیں ہے اختلاف ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ ایک شرط ہے کہ میرے کاموں میں آپ بولیں نہیں۔ انہوں نے کہا بہت اچھا مجھے منظور ہے۔ حکم خدا کا تھا۔ ساتھ ہوئے دونوں چلے۔ پندرھویں پارے کا آخر اٹھائیے اور سولہویں پارے کا شروع حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ دونوں چلے دیکھا کہ دریا کے کنارے ایک کشتی سامان سے لدی ہوئی جا رہی ہے۔ حضرت خضر براہ راست خدا کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں اور حضرت موسیٰ بغل میں جائز اور ناجائز کی شریعت کی کتاب لئے ہوئے ہیں۔ حضرت خضر آگے بڑھے اور آگے بڑھ کے اس کشتی کو پکڑا۔ اور اس کا ایک تختہ نکال کے کشتی کو توڑا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذہن میں فوراً یہ بات آئی کہ یہ تو جائز نہیں ہے۔ کسی کی ملک کو نقصان پہنچا دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا کہ

لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا

آپ نے یہ کام اچھا نہیں کیا، جائز نہیں ہے۔ انہوں نے کہا۔

قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا

میں نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آپ میرے کاموں کو برداشت نہیں کر سکیں

گے۔ دیکھئے پھر وہی کیا نا آپ نے۔ انہوں نے کہا اچھا معاف کیجئے۔ میں بھول گیا۔
اب نہیں دخل دوں گا۔ فرمایا کہ دونوں چلے۔ اور دیکھا کہ گلی میں ایک لڑکا حسین و
جمیل معصوم بچہ کھیل رہا ہے۔ یہ حضرت خضر آگے کو بڑھے اور ایک تھپڑ ماری۔
وہ بچہ ہلاک ہوگیا۔ مرگیا۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جائز و ناجائز حلال و
حرام پر ان کی نظر ہے۔ فرمایا

اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا

بھئی کشتی کی بات دوسری تھی، یہ تو معصوم بچے کو قتل کردیا آپ نے۔
حضرت خضر نے پھر کہا۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا

ہم نے پہلے ہی آپ سے کہہ دیا تھا۔ پھر آپ بولے کہا کہ اچھا ایک موقع مجھے اور
دے دیجئے۔ بس

قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۱۹

اگر اس کے بعد کوئی سوال کروں۔ آپ بے شک مجھے الگ کردیجئے گا۔ یہ بھی منظور
ہے۔ یہ دونوں چلے۔

حَتّٰى اِذَا اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ .... فَاَقَامَهٗ

ایک بستی میں پہنچے۔ بستی والے ان دونوں کو جانتے نہیں۔ ان کے پاس
کھانے پینے کا سامان نہیں۔ ان کا یہ خیال تھا کہ کہیں مزدوری کرلیں گے۔ ایمان کا
تقاضا یہ نہیں ہے کہ آدمی بھیک مانگے۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں چلتے ہوں
۔ خدمت کرے۔ کوئی مزدوری مل جائے کام کرے۔ دیکھا کہ ایک مکان کی دیوار
گرنے کے قریب ہورہی ہے۔ اینٹیں اس کی نکل رہی ہیں۔ حضرت خضر آگے کو
بڑھے۔ اور آگے بڑھ کر اپنے کندھے سے اس دیوار کی اینٹوں کو برابر کیا۔ اور
برابر کرکے اسکو ٹھیک کردیا۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خیال ہے کہ ایک
موقع مجھے ملا ہوا ہے۔ بس تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ تو نہیں کہا کہ
آپ نے یہ غلط کیا ہے۔ مگر بولے پھر۔ کیا بولے۔ فرمایا کہ یہی کام جو آپ نے

ابھی کیا دیوار کو ٹھیک کرنے کا ۔ اگر ہم اور آپ دونوں مل کر اجرت اور مزدوری کے اوپر کر لیتے تو ہمارے گزارے کا سامان بھی ہو جاتا۔ حضرت خضر نے فرمایا کہ

هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي .... عَلَيْهِ صَبْرًا

اب ہم جدا ہوتے ہیں ۔ تیسری مرتبہ بھی آپ بول پڑے ہیں ۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ میرے کاموں میں جائز اور ناجائز کا سوال نہیں ۔ حلال اور حرام کا سوال نہیں ۔ آپ کے ہاتھ میں شریعت کی کتاب ہے ۔ آپ قدم قدم پر جائز اور ناجائز کہتے ہیں ۔ اب ہم جدا ہوتے ہیں ۔ لیکن جدائی رنجش سے نہیں ہونی چاہئے ۔ جدائی اچھے نیک جذبات سے ہونی چاہئے ۔

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي .... عَلَيْهِ صَبْرًا

اس لئے جدا ہونے سے پہلے جہاں تین مرتبہ آپ نے مجھے ٹوکا ہے نا ۔ آپ کے دل میں میری طرف سے بدگمانی نہ رہ جائے ۔ کشتی کیوں توڑی گئی؟ بچے کو کیوں قتل کیا گیا تھا؟ دیوار کیوں سیدھی کی تھی؟ اس لئے بہتر یہ ہے میں خدا کے حکم اور خدا کی حکمت کی بات آپ کو بتا تا چلوں ۔ اور پھر ہم جدا ہو جاتے ہیں تاکہ دل میں کوئی خلش نہ رہے ۔ ٹھیک ہے ۔ فرمایا کہ

وَاَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ .... سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ○

کشتی کی بات یہ ہے کہ وہ چند مسکینوں کی کشتی تھی ۔ مسکینوں سے مراد یہ ہے غریب لوگ ۔ سامان اٹھا کر ادھر سے ادھر لے جاتے تھے ۔ اسی پر گزارا تھا ۔

وَاَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ .... سَفِيْنَةٍ غَصْبًا

آگے ایک ظالم بادشاہ بیٹھا ہوا تھا ۔ جب کوئی کشتی سالم گزرتی تھی اس پر وہ قبضہ کر لیتا تھا اللہ کا حکم یہ تھا کہ ان مسکینوں کی کشتی کو بچایا جائے ۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ تختہ نکال کر کشتی کو عیب دار بنا دو ۔ تاکہ بادشاہ قبضہ نہ کرے ۔ اللہ کا حکم تھا ۔ میں نے اس کی تعمیل کر دی ۔

وَاَمَّا الْغُلٰمُ

عربی میں غلام معنی وہ نہیں آتے جو آپ رکھتے ہیں ۔ کوئی کہتا ہے غلام احمد کوئی کہتا ہے غلام فاطمہ ' یہ سب نام عربی کے اعتبار سے غلط نام ہیں ۔ عربی میں غلام کے معنی

آسکتے ہیں لڑکے کے۔ تو اگر آپ غلام فاطمہ کہیں۔ آپ کہتے ہیں باندی کے معنی۔ باندی کے معنی میں لفظ غلام استعمال نہیں ہوتا ہے۔ اگر آپ کو یہ کہنا ہے عبد کے معنی میں آپ کو کہنا ہے عبداللہ۔ یہ معنی ہیں۔ یا کہئے امۃ الفاطمہ۔ فاطمہ کی کنیز۔ غلام کے معنی ہیں لڑکا۔ لڑکی کے مقابلے میں عورت کے مقابلے میں یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ اسی لئے علماء نے لکھا ہے قرآن کریم میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ

اور فرمایا کسی کے ہاں لڑکا نہ پیدا ہو تو وہ اپنی لڑکی کا نام بشریٰ رکھے تو بشریٰ کے بعد لڑکا پیدا ہوگا۔

کیونکہ قرآن کریم میں لفظ بشریٰ کے بعد اللہ نے غلام کا ذکر کیا ہے۔

قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ

اور بہت سوں نے تجربہ کیا ہے کہ جنہوں نے بچی کا نام بشریٰ رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے اوپر لڑکا عطا فرمایا ہے یہ تو ایک تجربے کی بات ہے کوئی عقیدہ رکھنے کی بات نہیں ہے تو میں نے عرض کیا غلام کے معنی لڑکا۔

وَأَمَّا الْغُلَامُ.............................. طُغْيَانًا وَكُفْرًا

اور وہ جو لڑکے والی بات ہے جس کو میں نے ایک چپت لگا کر مار دیا تھا۔

وہ ایسے نیک ماں باپ کی اولاد

وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ

ماں بھی نیک، باپ بھی نیک، بڑے متقی اور پرہیزگار، بڑے صاحب ایمان، خدا کے عاشق رسول کے بھی عاشق لیکن جب یہ صاحب زادے تشریف لائے تھے تو ماں کا دل بھی، باپ کا بھی...... بچے کی طرف چلا جا رہا تھا۔ روز بروز بچے کی طرف کھنچے جا رہے تھے۔ اللہ کی اور رسول کی محبت روز بروز گھٹتی چلی جا رہی۔ آج نماز چھوٹی کل روزہ چھوٹا۔ اللہ تعالیٰ نے جب یہ دیکھا یہ بچہ ان کے ایمان کے راستے میں رکاوٹ بن گیا ہے اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ تھا ان کے ایمان کی ہمیں حفاظت کرنی ہے۔ لہٰذا راستے میں جو رکاوٹ ہے اس کو دور کر دیا جائے۔ یہ قرآن کی آیت ہے۔

وَاَمَّا الْغُلٰمُ .... طُغْیَانًا وَّ کُفْرًا

ہمیں اندیشہ یہ تھا اگر آہستہ آہستہ یہ اس طرح چھوڑتے چلے گئے تو کسی کفر کی منزل میں نہ چلے جائیں۔ ماں باپ کے ایمان کو بچانے کے لئے ہم نے بچے کو اٹھا لیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا ہر ایک کے ایمان کی حفاظت اللہ تعالیٰ اسی طرح کرتے ہیں۔ نہیں ہر ایک کے لئے نہیں کرتے کیا ہر ایک کے لئے اللہ تعالیٰ یہ انتظام کرتے ہیں کہ ہم روزانہ شراب خانے میں جائیں۔ اور معلوم ہوا کوئی آدمی ہمیں مار پیٹ کے واپس لے آئے۔ شراب پی لیا سب کے ساتھ نہیں ہے۔ کسی کسی کے ساتھ ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی اس آدمی کے ساتھ۔ ان ماں باپ کے ساتھ اللہ کا برتاؤ تھا۔ مراد کا برتاؤ تھا۔ مرید کا برتاؤ نہیں تھا۔ مرید کا برتاؤ یہ ہے کہ ہم نے اولاد دی ہے۔ چاہے اس کے ذریعے تم آخرت کماؤ۔ یا آخرت برباد کرو تم جانو۔ اگر اولاد کے ساتھ خدا کی بندگی کرو گے تو آخرت درست ہوگی نہیں کرو گے تو برباد ہوگے۔ تم جانو لیکن بعضوں کے ساتھ ہے کہ دنیا میں بھی تمہارے ایمان کو نقصان پہنچانے والی چیز ہے اس کی ذمہ داری ہم نے لے لی ہے۔ اسے ہٹائیں گے ہم راستے سے معلوم ہوا یہ برتاؤ مراد کا برتاؤ ہے۔ ایک اللہ والے بڑے درویش۔ ان کے پاس ایک صاحب گئے اور جا کر یہ کہا کہ حضور میری تمنا اور خوشی ہے کہ میں خواب میں اللہ کو دیکھوں میں اللہ کا دیدار کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ کی تجلی مجھے مل جائے۔ ایسی تمنائیں بھی لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن بات حوصلے کی بات ہے کیونکہ ایسی چیزیں جب حاصل ہو جاتی ہیں ذمہ داری بھی بہت بڑھ جاتی ہے۔ سوچ سمجھ کر آدمی کو مانگنا چاہئے۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ تمنا شرک کر بیٹھے۔ اللہ عمل دیکھتا ہے۔ جب بھی ایک انسان ایک مرتبہ گناہ کا ارادہ کرتا ہے اللہ اس کی کمر پکڑ کے کھینچ کے لے آتے ہیں۔ دوسری مرتبہ گناہ کا ارادہ کرتا ہے پھر اسے کھینچ کے لے آتے ہیں۔ مگر سب کے ساتھ نہیں۔ جس سے یہ بات معلوم ہوئی اللہ کا برتاؤ سب کے ساتھ الگ ہے۔

ہر آدمی کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ

خداوند تعالیٰ کا ہمارے ساتھ کیا برتاؤ ہے۔ تو میں یہ ذکر کر رہا تھا کہ فرمایا

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

اللہ کے قبضے میں اور اللہ کی قدرت میں سب کچھ ہے اسی لئے اللہ جزا اور سزا دینے کے خود مختار ہیں۔ ان کا علم بھی کامل ہے ۔ ان کی قدرت بھی کامل ہے فرمایا

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَاءُوْا بِمَا عَمِلُوْا

دو چیزوں کا بیان ہے ۔ جزا دیں گے ۔ گناہ گاروں کو بھی دیں گے ۔ نیکو کاروں کو بھی دیں گے اور دونوں کا ذکر اللہ تعالیٰ صاف صاف فرماتے ہیں۔ اہل جنت کا ' اہل جہنم کا ۔ کافروں کا ' مومنوں کا ' وفاداروں کا ' غداروں کا ' ظلمت والوں کا ' نور والوں کا ' صاف صاف فرمایا بعض علماء نے تو یہاں تک کہا ہے کہ ہم جب قرآن کریم پڑھتے ہیں تو ہمیں ایک صفحے پر اللہ کی شان جلال نظر آتی ہے تو دوسرے صفحے پر اللہ کی شان جمال نظر آتی ہے ۔ صاف صاف فرمایا کہ ہم بدلہ دیں گے ان لوگوں کو

اَسَاءُوْا بِمَا عَمِلُوْا

جو برے کام کرنے والے ہیں ' سوء کے معنی آتے ہیں برائی کے ' سیئۃ کے معنی آتے ہیں گناہ کے فرمایا کہ

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَاءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى

اور ان کو بھی بدلہ دیں گے کہ جنہوں نے اچھے کام کئے بالحسنیٰ حسنیٰ کے معنی ہیں نیکی' حسنیٰ کے معنی ہیں نیکی کا گھر' جنت کو بھی حسنیٰ کہا گیا ہے۔ فرمایا

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى

حسنیٰ کے معنی آتے ہیں کلمہ شہادت بھی و صدق بالحسنیٰ اور جنہوں نے تصدیق کی ہے کلمہ شہادت کی۔ تو فرمایا کہ جنہوں نے نیکی کی ان کو بھی ' جنہوں نے گناہ کئے تو ان کو بھی ۔ مگر فرق ہے۔ سبحان اللہ ۔ اگر آپ کے دل میں گناہ کا خیال آیا ۔ گذر گیا گناہ کا خیال آیا گذر گیا ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیونکہ خیال کے اوپر اس کا قبضہ نہیں ہے۔ خیال آتا ہے گذر جاتا ہے۔ اور اس کا کوئی حرج بھی نہیں ہے ۔ چاہے

خیال نعوذ باللہ کفر کا آئے۔ چاہے خیال یہ آئے کہ ہم تیر کمان لے کے اللہ میاں کو قتل کر دیں گے۔ چاہے خیال اس سے بھی زیادہ کوئی خراب آئے لیکن اللہ کی شان کرم دیکھئے کہ برے سے برا خیال بھی آپ کے دل میں آیا ہے تو اللہ کہتے ہیں ہم اس کو تمہارے گناہوں کی فہرست میں نہیں لکھیں گے۔ بالکل ایسے ہی گئے جیسے شاہراہ پہ ہوئی ہے۔ سلاطین اور بادشاہ بھی گذرتے ہیں اور چوڑھے چمار بھی گزرتے ہیں لیکن آپ کا کیا خیال ہے کہ چوڑھا چمار اگر گذر گیا ہے اس جگہ سے تو کیا اب شریفوں کے گزرنے کے قابل نہیں ہے وہ جگہ انہیں پرواہ نہ کرو۔ اس بات کی برے سے برا بھی خیال آئے تو پرواہ نہیں۔ اچھا بھی آتا ہے۔ برا بھی آتا ہے اگر اللہ کی بغاوت کا خیال آئے تو سمجھنا کہ اس راستے سے اس وقت ایک چمار گزر رہا ہے۔ اور اگر ولی بننے کا خیال تمہارے دل میں آئے تو سمجھنا کہ بادشاہ کی سواری گزر رہی ہے۔ کسی نے کیا کہا ہے۔

گہ رشک برد فرشتہ بر پاکی ما

ہمارے نیک اور اچھے جذبات کو دیکھ کر کبھی کبھی فرشتہ کہتا ہے "یار! تو مجھ سے بھی آگے بڑھ گیا۔

گہ خندہ زند دیو ز ناپاکی

اور کبھی ایسے ایسے گناہ کے خیال آتے ہیں کہ شیطان کہتا ہے یہ میرا بھی چچا ہو گیا ہے۔

گہ رشک برد فرشتہ بر پاکی ما

گہ خندہ زند دیو ز ناپاکی ما

ایماں تو سلامت بہ لب گور بریم

خیالات کی دنیا سے نکلو۔ یہ تو اللہ کا کرم ہے علماء نے لکھا ہے برا خیال آیا گذر گیا اگر تم نے اس پر عمل نہیں کیا اور زبان سے کچھ نہیں کہا ہے تو گناہوں کی فہرست میں نہیں ہے لیکن اگر نیک خیال آیا اور گذر گیا۔ وہ نیکی کی بھی نہیں آپ نے اگر سبحان اللہ کیا شان کرم ہے۔ فرماتے ہیں کہ برے خیال کو تو ہم نے گناہوں کی فہرست میں نہیں لکھا تھا اور یہ جو نیک خیال آیا ہے اگرچہ اس پہ عمل نہیں کیا ہے

اس کو ہم نیکیوں میں شمار کریں گے۔ فرمایا

ایمان تو سلامت بہ لب گور بریم

اگر ہم ایمان کو سلامتی کے ساتھ قبر کے کنارے تک لے جائیں گے۔

ایمان تو سلامت بہ لب گور بریم

احسنت بریں چستی و چالاکی ما

یہ ہے ہماری بنیادی خیالات کی پرواہ نہ کیجئے۔ تو میں نے عرض کیا آپ اندازہ لگایئے برائی کے معاملے میں اللہ کے یہاں ایک برائی کا بدلہ ایک برائی کے برابر ہے۔ اور ایک نیکی کا بدلہ سات نیکیوں کے برابر ہے۔ سات سے لگا کر ستر نیکیوں کے معاملے میں بھی اللہ کا قانون دوسرا ہے۔ برائی کے معاملے میں اللہ کا قانون دوسرا ہے کیوں؟

سبقت رحمتی علی غضبی

فرمایا کہ اللہ کی رحمت کا سمندر اللہ کے غضب کے اوپر غالب ہے اللہ کا غضب ایسے سمجھئے کہ جیسے ایک ذرا سا قطرہ۔ اور رحمت ایسے سمجھئے جیسے سمندر کے سمندر

جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دونوں معاملوں میں اللہ نے ہمارے ساتھ برتاؤ میں فرق ہے۔

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا

بس پیچھے برائیوں کا ذکر ختم کر دیا ہے آگے نیکیوں کا ذکر لیا گیا ہے۔

وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى

نیکیوں میں دو باتیں ہیں۔ ایک نیک عمل کرنا۔ ایک گناہ سے بچنا۔ اور اگر آپ غور کریں ہم اور آپ ذاتی زندگی میں بھی نیکی کرتے ہیں۔ شاید کوئی رکاوٹ نہیں ہوئی۔ گناہ سے بچنے میں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے نقصان ہو گیا۔ یا آپ کی لذت کا نقصان ہوا یا آپ کے مال کا نقصان ہوا۔ یا آپ کے آرام کا نقصان ہوا۔ یا آپ کی شہرت کا نقصان ہوا............. نیکی کرنا آسان ہوتا ہے۔

بعض اوقات دوسرے کو نیکی کی تلقین کرنا آسان گناہوں سے روکنا مشکل، آپ نیکی کی تلقین کریں۔ وہ آپ کے ہاتھ چومے گا۔ آپ کی تعریف کرے

گا اور آپ نے اگر کہہ دیا کہ بچی سے ٹائی نہ باندھا کرے۔ داڑھی نہ منڈایا کرے۔ اسی دن وہ آپ کے پیچھے ڈنڈا لے کر پڑ جائے گا کیونکہ امر بالمعروف آسان ہے نہی عن المنکر ذرا مشکل ہوتا ہے۔

اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَۃِ

اللہ تعالیٰ پھر اپنی مغفرت سے اس کو معاف فرما دیتے ہیں۔ تو یہ اس کا حاصل تھا۔ دعا کیجئے کہ اللہ ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ و اصحابہ صلوۃ دائمۃ انک علی کل شئی قدیر

(از اخبار جہاں)